نقوشِ فکر

(اصلاحی، فکری، سماجی، تجزیاتی اور فقہی مضامین کا مجموعہ)

مرتب

مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی

جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک

ناشر

حلقۂ احباب کوکن

نقوشِ فکر

(اصلاحی، فکری، سماجی، تجزیاتی اور فقہی مضامین کا مجموعہ)

مرتب
مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی
جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک

ناشر
حلقۂ احباب کوکن

نام کتاب	:	نقوشِ فکر
مرتب	:	مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی
سرورق وتزئین	:	مولانا ابراہیم عبداللہ ڈونگرکر صاحب جامعی
طبع اول	:	۱۴۳۵ھ.....۲۰۱۴ء
قیمت	:	۱۵۰/روپئے
ناشر	:	حلقۂ احباب کوکن
تعداد	:	۱۰۰۰

ملنے کے پتے

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور

معہد امام حسن البنا الشہید بھٹکل

برمارے نرسری، شرنگارتلی، گوہاگر، رتناگری

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین

دوسراباب.........سماجیات

تیسراباب.....تجزیات

چوتھا باب......فکریات

پانچواں باب.....فقہیات

چھٹا باب...... تذکیرات

ساتواں باب.......اسلامیات

آٹھواں باب....... پیغام سیرت

☆☆☆☆☆

اپنی بات...

زمانہ طالب علمی میں اپنے مشفق اور مہربان اساتذہ کی یہ نصیحتیں سماعت سے ٹکراتی رہتی تھیں کہ کچھ لکھو، کیوں کہ زبان کی طرح قلم سے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی بات مخاطب تک پہنچائی جاسکتی ہے، حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی سناتے رہتے '' قیدوا العلم بالکتاب '' کہ علم کو لکھ کر محفوظ کرلو(مستدرک حاکم :۱/ ۱۸۸)۔اس بات کا کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی جاتا اور کبھی کبھی قلم ہاتھ میں لے کر لکھنے کی کوشش کرجاتا اور اپنی سعی کو اساتذہ کے سامنے پیش کرتا تو مسکراہٹ کے ساتھ قبول فرماتے ، ہمت افزائی کرتے ،ساتھ ہی ساتھ اصلاح بھی فرماتے اور مادر علمی جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کے جداری پرچوں میں اپنی اس کوشش کو دیکھ کر خوشی بھی ہوتی اور اپنے ساتھیوں کی عمدہ تحریروں کو دیکھ کر اپنی کوتاہی اور نادانی پر افسوس بھی ہوتا، طالب علمی ہی کے زمانہ میں لکھے ہوئے بعض مضامین رب کریم کے کرم سے اور استاذ محترم مفتی رفیق صاحب مدنی کی سعی سے علاقائی اخبار '' کوکن کی آواز'' میں شائع ہوتے رہے اور ہمت بڑھتی رہی اور یہ سلسلہ فراغت کے بعد بھی کسی قدر جاری رہا،لیکن ان مضامین کو محفوظ رکھنے کا نہ کبھی خیال آیا اور نہ کسی نے اس کا احساس دلایا، جس کی بناء پر بہت سارے مضامین محفوظ نہ رہ سکے۔

فراغت کے کچھ ماہ بعد جب جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور بغرض تدریس آمد ہوئی تو میں نے یہاں پر کچھ اساتذہ کو اس کام کا شوقین پایا تو میرے شوق میں بھی اضافہ ہوا، لہذا میں بھی کچھ وقت نکال کر وقتا فوقتا مختلف موضوعات پر مختصر مضامین لکھتا رہتا، اسی دوران رفیق گرامی مولانا ضمیر احمد صاحب رشادی نے مجھے ان مضامین کو محفوظ رکھنے کا مشورہ دیا، اس کے بعد سے میں جب بھی کوئی مضمون لکھتا تو سب

سے پہلے اس کو محفوظ کر لیتا اور یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا ، مجھے اس حقیقت کے اظہار میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ میرے مضامین فصاحت و بلاغت ، خصوصی جدت وندرت اور ادب کی شگفتگی اور رعنائی سے عاری رہتے ، لیکن جب بھی میرا مضمون ملک کے کسی اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتا تو مجھے بے انتہاء خوشی ہوتی اور اللہ تعالی کا شکرادا کرنے کی توفیق بھی ملتی ، کیوں کہ میرے بے ترتیب لکھے ہوئے مضامین کو معیاری اخبارات وجرائد میں جگہ مل جاتی ، پھر میری اس کامیابی پر کبھی میرے اساتذہ تو کبھی میرے ہم درس وہم عصر تو کبھی کچھ جاننے والے مجھے مبارک باد دیتے اور ہمت افزائی کرتے تو میرے پست حوصلے بلند ہو جاتے ۔

میں نے اس مجموعہ میں انھیں مضامین میں سے منتخب اور طوالت سے خالی مضامین کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ ان مضامین کی عمر لمبی ہو جائے اور بیک وقت مختلف موضوعات پر مواد لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے، یقیناً یہ مجموعہ صرف میری ہی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں بہت سارے محسنین ومخلصین کا بھی دخل ہے، میں حکم الہی کی تعمیل میں ان تمام حضرات کا جن کا اس مجموعہ کی اشاعت وطباعت میں کسی قسم بھی کا دخل رہا ہو -- خاص کران کا جنھوں نے مالی تعاون کے ذریعہ اس کتاب کی طباعت کو آسان بنایا--- دل کی گہرائی سے مشکور ہوں اور باری تعالی سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ان کو اجر عظیم عطا فرمائے ، خصوصیت کے ساتھ ناظم ضیاء مولانا عبیداللہ ابوبکر صاحب ندوی کا مشکور ہوں جو ہمیشہ میری ہمت افزائی فرماتے رہے اور دعائیں دیتے رہے، نیز میری درخواست پر اس مجموعہ کے لئے ہمت افزائی کے کلمات عالیہ بھی لکھے، اللہ تعالی ان کی دینی خدمات کو وسیع فرما کر شرف قبولیت سے نوازے ۔

اس کے علاوہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ادام اللہ فیوضہم علینا کا مشکور ہوں کہ حضرت نے اس حقیری سی کوشش پر مقدمہ لکھ کر اس کو قیمتی بنا دیا، ساتھ ہی ساتھ مخدومی ومربی استاذ محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن) اور قابل قدر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب اسعدی مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ) کا بے حد ممنون ہوں کہ ان دونوں اکابر نے تقریظ لکھ کر میرے اس مجموعہ کی اہمیت میں

اضافہ کیا، نیز مولانا محمد الیاس صاحب بھٹکلی ندوی کا بھی مشکور ہوں کہ باوجود کثیر مصروفیات کے میری حقیر سی درخواست پر قیمتی پیش لفظ لکھ کر میری ہمت افزائی فرمائی، اللہ تعالی ان تمام بزرگان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان سے ہمیں مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ساتھ ہی ساتھ میرے دوست مولانا داؤد ہرنیکر صاحب کا بھی احسان مند ہوں کہ طویل فاصلوں کے باوجود ہمیشہ دل سے قریب رہے اور میری علمی جدوجہد پر قدر کی نگاہ ڈالتے رہے اور اس حقیر کے تعلق سے حسن ظن اور اپنے جذبات کا اظہار بھی فرما کر میری شکستہ محنت کو قد آور بنادیا اسی طرح رفیق محترم مولانا ابراہیم صاحب جامعی (استاذ حدیث وتفسیر جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور) اور عزیزم محمد اسجد بھٹکلی (متعلم جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن) کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ کتاب کی ترتیب وتزئین میں ان دونوں کا برابر تعاون رہا اور مولانا ضمیر احمد صاحب رشادی نیز مفتی آفتاب صاحب غازی (اساتذۂ حدیث وتفسیر جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور) کا بھی کہ انھوں نے اس مجموعہ پر نظر ثانی فرما کر اس کی تصحیح واصلاح کی کوشش فرمائی۔

اخیر میں اپنے مشفق والدین، عم بزرگوار مولانا رجب علی برمارے اور زوجہ محترمہ کی خدمت میں تشکرانہ کلمات پیش کرتا ہوں، جن کی دعاؤں اور قربانیوں کی بدولت ہی مجھے دینی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی، بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے تمام اساتذہ کے دامن میں ہدیہ تشکر پیش نہ کروں، اس لئے اپنے جمیع محسن اساتذہ خصوصا مخدومی ومربی مفتی نذیر احمد کرجیکر صاحب حسینی (صدر مفتی دارالافتاء کوکن واستاذ حدیث وفقہ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن) کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں جن کی توجہات اور دعائیں میرے لئے زندگی کے ہر موڑ پر مشعل راہ ثابت ہوئیں اور ہوں گی۔

قارئین سے اس بات کی درخواست ہے کہ یہ حقیر طالب علمانہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر اس میں کوئی کام کی بات ہے تو اس پر اللہ کا شکر واحسان ہے اور اگر کہیں غلطی ہے تو وہ راقم کے حساب میں ہے، آپ اس سے مطلع فرمائیں گے تو یہ فقیر آپ کا ممنون رہے گا۔

۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ — فیاض احمد حسینی

۶؍دسمبر ۲۰۱۳ء — خادم حدیث وفقہ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور کے استاذ مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی نے جو جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کے فاضل ہیں، علمی میدان میں کام کرنے کی صلاحیت کا اچھا ثبوت دیا ہے، دینی تعلیم کے اثر سے ان کا ذہن اسلامی خصوصیات کے ساتھ علمی صلاحیت کا ایسا حامل بنا کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کی علمی ضرورت اور دینی خصوصیت دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نئی مسلم نسل کی رہنمائی کا میدان بھی اختیار کیا، انھوں نے جامعہ کے رسالہ ''ضیاء'' میں اور دوسرے پرچوں میں مختلف مسائل پر جن سے اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کو سابقہ پڑ رہا ہے، رہنما خیالات سے آگاہ کیا ہے اور مفید اور مؤثر مقالات لکھے، جو مختلف نوعیّتوں کے ساتھ اہم موضوعات پر مشتمل ہیں، اس میں اصلاحیات، سماجیات، تجزیات، اسلامیات، فکریات اور پیغام سیرت کے تحت موضوعات کو موضوع بنایا ہے۔

پورے مضامین پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے مفتی صاحب کے ذہن کی اسلامیت اور اعتدال پسندی اور علمی انداز کا اچھا اظہار نظر آیا، امید ہے کہ قارئین کو ان مضامین میں جو ایک مجموعہ مضامین میں شائع ہونے جارہے ہیں، علمی اور معلوماتی مواد ملے گا اور انشاءاللہ مفید ثابت ہوگا۔

(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء لکھنو

یکم ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد

امت مسلمہ اس وقت اپنی پوری تاریخ کے نازک ترین دور سے گذر رہی ہے، نت نئے مسائل روز سامنے آرہے ہیں، ہر صبح ملت اسلامیہ ایک نئے مسئلہ سے دوچار ہورہی ہے، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں نئے پیش آمدہ واقعات وحوادث سے نئی مسلم نسل کی ہمتوں کو پست کرنے اوران کے حوصلوں کو سرد کرنے کی کوشش نہیں کی جارہی ہو، ان حالات کے پس منظر میں مسلم قیادت کو بڑی دانشمندی، بصیرت اور دوررس نگاہوں سے کام لینے کی ضرورت ہے، اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نئے پیش آمدہ حادثات وواقعات کو سرسری انداز میں نہ لے بلکہ اس کا دعوتی تجزیہ کرے، اس کے اسباب ومحرکات کو جاننے کی کوشش کرے اور فراست ایمانی سے اس کے رخ کو دین اسلام کی طرف موڑنے کی کوشش کرے۔

الحمدللہ اس فریضہ کو انجام دیتے ہوئے آپ کو پوری امت میں ایک بڑا سنجیدہ وتعلیم یافتہ ودیندار طبقہ نظر آئے گا، جس نے ہمیشہ اس دعوتی وتحقیقی تجزیہ کا فریضہ انجام دیا ہے اور ہمت شکن حالات میں بھی ان منفی حوادث میں اس کے مثبت نتائج کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

زیرنظر مجموعۂ مضامین ''نقوش فکر''، جس کو برادرعزیز مولانا مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی صاحب زیدلطفہ (استاذ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور) نے ترتیب دیا کچھ اسی طرح کے مضامین وتحریروں پر مشتمل ہے، عالم اسلام میں امت کو پیش آنے والے واقعات وحادثات کا انہوں نے اسی دعوتی

ضرورت کے تحت تجزیہ کیا ہے اور دینی وشرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لے کر اس کی تفصیلات سے امت کی نئی نسل کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے، مختلف مواقع پر لکھے گئے ان کے یہ مضامین جو ملک کے مؤقر اخبارات ورسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اس قابل تھے کہ اس کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ رکھا جائے، میں خود بھی ہمیشہ ان کے ان مضامین کو پڑھتا تھا اور ان سے فائدہ اٹھاتا تھا، اسی لیے اس کی تدوین وترتیب کی خواہش میں نے کئی دفعہ ان سے کی، آج الحمد للہ یہ مجموعہ طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آرہا ہے۔

اس میں آپ علم وادب، فکروفن، فقہ وفتاوی، دعوت وارشاد ہر طرح کے مضامین پائیں گے، زبان سلیس ہے اور انداز دعوتی، فکر صحیح ہے اور نیت خالص اور سب سے بڑھ کر ان مضامین کا خاصّہ امت مسلمہ خاص کر نئی نسل کو ایمان واسلام پر باقی رکھنے کی فکر وکڑھن ہے جو قبولیت عنداللہ کی بنیادی شرط ہے، ممکن ہے کہ آپ ان کے بعض خیالات ونظریات، آراء وتجاویز سے اتفاق نہ کریں، لیکن آپ ان کے جذبۂ صادق اور حسن نیت کو دیکھتے ہوئے ان مضامین کو پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں تو پوری کتاب آپ کو مجموعی اعتبار سے نہ صرف ختم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دے گی بلکہ دوسروں کو بھی پڑھانے کی تحریک پر آپ کو آمادہ کرے گی، میں ان کی اس باضابطہ پہلی تصنیفی کاوش پر دل کی گہرائیوں سے ان کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کا یہ تصنیفی وتحریری سلسلہ جاری رہے گا اور ان کے رشحات قلم سے امت کے لیے اسی طرح کے دعوتی مضامین کی یہ کڑیاں دوسروں کو بھی اس میدان میں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے آمادہ کرنے کا ذریعہ بنیں گی۔

اللہ تعالی اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور ملت کی اصلاح ودین پر ثابت قدمی کا اس کو ذریعہ بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد الیاس ندوی بھٹکلی
جنرل سکریٹری
مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل

۲۸/ذی الحجۃ ۱۴۳۳ھ
۱۳/ نومبر ۲۰۱۲ء

تقریظ

زیرِنظر مجموعہ مفتی فیاض احمد برمارے
حسینی کی قلمی کاوشوں کا ایک گلدستہ ہے، مفتی
صاحب موصوف جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور کرناٹک کے
فاضل اساتذہ میں سے ہیں، احقر نے اس مجموعہ کے مضامین کو
مختلف جگہوں اور حصوں سے دیکھا، مفید معلومات وبصیرت افروز
ہدایات پر مشتمل پایا، یہ مضامین دینی وفکری موضوعات کے
ساتھ ساتھ حساس موضوعات پر بھی مشتمل ہیں، ان کو دیکھنے
پر معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے یہ قلمی شہ پارے مختلف رسائل
اور اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور ان کا ایک سلسلہ
ہے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس مجموعہ کو قبول فرمائے
اور اس کے نفع کو عام فرمائے۔

(مولانا ومفتی) عبید اللہ اسعدی
(شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ)

تقریظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین. اما بعد

حدیث میں علماء کرام کو انبیاء علیھم الصلاۃ والسلام کا وارث قرار دیا گیا ہے اور انبیاء کرام کی ایک اہم ذمہ داری اپنی امت کو ضلالت وگمراہی کی تاریکی سے رشدوہدایت کی روشنی میں لے آنا ہے، ظاہر ہے کہ میراث میں اپنی بساط کے مطابق ان ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھانا بھی داخل ہے، اسی ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے اسلام کی صدیوں پر محیط تاریخ میں ہر دور اور ہر خطہ میں علماء کرام اس فکر کو اوڑھے ہوئے اور اس کے لئے تگ ودو کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی عزیزم مفتی فیاض احمد محمود برمارے صاحب سلمہ ومد فیوضھم ہیں، موصوف کی تقریباً مکمل تعلیمی زندگی میں جامعہ حسینیہ عربیہ نے نکھار پیدا کیا اور اس کو مزید تدریسی شکل میں جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور نے ضیاء پاش بنا دیا، مفتی صاحب نے اپنے اردگرد کے ماحول بل کہ دنیا کے مکمل حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وقت کی ضرورت کے مطابق مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے متنوع عنوانات کے تحت وقیع مضامین ومقالات تحریر فرمائے جو مختلف القسم رسائل کی زینت بنتے رہے، مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ متعلقہ عنوان کے تمام جوانب پر گہری نظر رکھتے ہوئے عمیق بصیرت کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی تحقیق اور دردِ دل کو صفحات قرطاس پر بکھیر کر امت کے روبرو یہ تحفہ پیش کر رہے ہیں گو کہ یہ عاجز ان تمام مضامین کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے مکمل استفادہ نہ کر پایا۔

اب موصوف مضامین کے ان منتشر شیرازوں کو یکجاء کر کے یہ حسین وضیاء بخش گلدستہ امت کے سامنے پیش کر رہے ہیں اللہ تبارک وتعالی مفتی صاحب کی اس فیاضی کو قبول فرمائے اور ان کے فیض کو مزید عام وتام کرے اور امت کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے۔ آمین

(مولانا) محمد ابراہیم خطیب

خادم جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

۲۹ رمحرم الحرام، ۱۴۳۴ھ بروز جمعہ

تقریظ

اس وقت علماء حق اور دینی قائدین کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کو جو مایوسی اور شکست خوردگی کی شکار ہے اسلامی اقدار پر باقی رکھنے کے لئے حتی المقدور کوشش کریں، ملت اسلامیہ میں خود اعتمادی، بلند حوصلگی نیز اپنے مذہب کی حقانیت کا ایسا تصور پیدا کریں کہ کسی بھی قیمت پر ایمان کا قیمتی جوہر ہاتھ سے نہ چھوٹ پائے، ہمیں اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ ہمارے مدارس کے فارغین علماء ومفتیان اس دعوتی واصلاحی فریضہ کی طرف توجہ دے رہے ہیں اور بحمد اللہ اس کے خاطر خواہ نتائج بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔

جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور شروع ہی سے تعلیم وتعلم کے ساتھ دعوتی واصلاحی میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا ہے جس کے لئے ہم نے اپنے ادارہ میں ایسے ہی اساتذہ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو دعوتی مزاج کے حامل ہوں، جو زمانہ کے تقاضوں اور حالات سے واقفیت رکھتے ہوں اور اس کے مطابق اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوں، ایسے اساتذہ کے ہم قدرداں رہے ہیں اور ان کی محنتوں کو سراہنے کے ساتھ ان کی ہمت افزائی بھی کرتے رہے ہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ جب نوجوان علماء میدان عمل میں کود کر اپنے جوہر دکھاتے ہیں تو دل خوش ہوتا ہے۔

ان اساتذہ میں سے ایک مفتی فیاض احمد محمود برمارے حسینی ہیں جو شروع ہی سے اپنی تدریسی خدمات کے ساتھ مختلف عناوین پر کافی جدوجہد کے ساتھ مضامین لکھتے رہے اور ان کے مضامین ملک کے موقر اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے، یہ مجموعہ ان کی کچھ سالوں کی محنت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، جو اس وقت منظر عام پر آ رہا ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ عوام کے ساتھ اہل علم کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا، نیز ان کا یہ تصنیفی سلسلہ جاری رہے گا، میں اللہ تعالی سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس کتاب کو مفید سے مفید تر بنائے اور صاحب کتاب کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

(مولانا) عبید اللہ ابوبکر ندوی
بانی وصدر ضیاء ایجوکیشنل ٹرسٹ کنڈلور کرناٹک

نقوش فکر کا ایک مختصر مطالعہ

جس طرح جسم کی نشو ونما کے لئے اللہ تعالی نے بے شمار چیزیں پیدا کیں، اسی طرح زہر کا تریاق اور بیماریوں کا علاج بھی پیدا کیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(لکل داء دواء) ہر بیماری کا علاج پیدا کیا گیا ہے، مگر یہ ہر کوئی نہیں جان سکتا لیکن اس کا اللہ تعالی نے انتظام کردیا ہے، جس کے لئے اللہ تعالی نے ایسے افراد پیدا کئے جو بیماریوں کو پہچان سکتے ہیں اور اس کا علاج بھی جانتے ہیں، پہلے طبیب اور وید ہوتے تھے اب ڈکٹروں کے ذریعہ یہ کام ہورہا ہے، بالکل اسی طرح بدلتے ہوئے حالات وافکار کو سمجھنا اور اسکے مطابق امت کی رہنمائی کرنا یہ بھی علماء امت کا کام ہے، الحمدللہ اب علماء کوکن بھی اس کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہے ہیں، اسی وجہ سے اب وادی کوکن علم نبوت کے نور سے جگمگا رہی ہے اور شرک و بدعات کی تاریکی مٹ رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو قبول فرمائے انکی جملہ ضرورتوں کا خزانہ غیب سے تکفل فرمائے۔

پیشِ نظر کتاب ''نقوشِ فکر'' میرے رفیقِ جامعہ مفتی فیاض احمد محمود برمارے ادام اللہ فیوضھم کی لیل ونہار کی محنت شاقہ اور ملک کے مختلف اخبارات ورسائل میں وقت کی اہم اور اشد ضرورت پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے، جس کو موصوف نے محفوظ کر رکھا تھا، رفقاء کی پیش کش پر کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں، رب کریم ان کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔آمین

موصوف محترم ازہرِ کوکن جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کے ممتاز فارغین میں سے ہیں، اپنے سینے میں امتِ مسلمہ کا خاص درد وکڑھن رکھتے ہیں اور اپنے مواعظ ومضامین کے ذریعہ امت کو صراط

مستقیم پر گامزن رہنے کی مسلسل تلقین فرماتے رہتے ہیں، اسی وجہ سے ان کا ایک ایک مضمون دل کو دستک دے رہا ہے، حالات کی صحیح تشخیص کر رہا ہے اور پھر اسکا علاج و مرہم بھی تجویز کر رہا ہے، بعض مضامین جہاں مسلمانوں کی دینی، دنیوی، تعلیمی وتمدنی، اخلاقی ومعاشرتی زوال وانحطاط کی بجا عکاسی کر رہے ہیں، وہی بدلتے ہوئے عالمی حالات وافکار میں بروقت مناسب ومعتدل رہبری اور رہنمائی کا خاص کام انجام دے رہے ہیں، ملک سے باہر رہنے کے باوجود یہ مضامین میرے مطالعہ میں رہے ہیں، لیکن جب مفتی صاحب نے ان مضامین کا مجموعہ میرے پاس بھیجا اور اس مجموعہ کے زیور طبع سے آراستہ ہونے کی اطلاع دی تو مجھے خوشی بھی ہوئی اور دل سے دعائیں بھی نکلی، اس مجموعہ کی اشاعت پر میں جمیع ابناء جامعہ کی طرف سے آں محترم کو دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آئندہ بھی آپ کا قلم اسی جوش وخروش کے ساتھ جاری رہے، تا کہ امت کی صحیح رہنمائی کی ذمہ داری خوب سے خوب تر ادا ہوتی رہے۔

انجام اس کے ہاتھ ہے آغاز کرکے دیکھ
بھیگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کرکے دیکھ

مفتی موصوف کی شخصیت اپنی علمی قابلیت، غیر معمولی مُدبرانہ صلاحیت، بالغ نظری، اخلاق وکردار کی بلندی، صلابتِ فکر ونظر، یقیں محکم، عمل پیہم کے اوصاف سے زمانۂ طالبِ علمی ہی سے متصف ہونے کی وجہ سے فراغت کے فوری بعد جامعہ ضیاالعلوم کنڈلور کے ارباب علم وفضل نے بحثیت استاذ فقہ موصوف کا تقرر کیا، اربابِ جامعہ کے انتخاب سے اب تک اپنی فیّاضی، علم وعمل، فکر ونظر، فقہ واثر سے گلشنِ ضیاء کو معطر کرنے اور گیسوئے ضیاء کو سنوارنے میں مصروفِ کار ہیں۔

خالقِ کائنات سے دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب کو ضیاء القلوب اور پژمردہ دلوں کے لئے ضیاء کا سبب بنا کر تمام معاونین اور مخلصین کیلئے ذریعہ نجات بنائے۔

خیر اندیش: (مولانا) داؤد بن حسین ہرنیکر حسینی

خادم مسجدِ عائشہ (لیسٹر) وصدر انجمن فلاحِ شوافع (یو.کے.)

پہلا باب

اصلاحیات

☆......عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم کی ضرورت

☆......اسکول کا صحیح انتخاب......والدین کی اہم ذمہ داری

☆......مخلوط تعلیم اور ہماری ذمہ داریاں

☆......امتحان......تخلیقِ کائنات کا بنیادی مقصد

☆......اساتذہ کا نقش بچوں کی زندگی پر

☆......عصری درسگاہوں کے طلبہ تعطیلات کیسے گذاریں؟

عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم کی ضرورت

تعلیم انسان کی ترقی کا پہلا زینہ ہے، حضرت آدمؑ کو سب سے پہلے اللہ نے زیورِ علم سے آراستہ کیا، اسلام کا سب سے پہلا پیغام بھی تعلیم ہی ہے، اللہ تعالی نے اپنے محبوب کی تعلیم کے لئے قرآن جیسی مقدس کتاب اور حضرت جبرئیل جیسے استاذ کا انتخاب کیا، قرآن کریم نے تعلیم کے حصول کا حکم دیا، آج پوری دنیا میں علوم وفنوں میں مہارت حاصل کرنے کا جنون ہے، ہر کوئی کامیابی کی تلاش میں ہے اور تعلیم کو کامیابی کے لئے سب سے زیادہ اہم اور بنیادی چیز تصور کیا جاتا ہے، معاشی اعتبار سے ترقی کے لئے بھی تعلیم کا نمایاں کردار ہے، نکاح کے موقع پر بھی لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیمی لیاقت کو پرکھا جاتا ہے، سماج اور معاشرے میں تعلیم یافتہ افراد کا معیار کافی بلند ہوتا ہے اور جو سماج تعلیم یافتہ افراد سے بھرا ہو وہ سماج دوسرے سماجوں پر فوقیت رکھتا ہے، جس خاندان اور گھر میں لکھے پڑھے لوگ ہوں وہ خاندان اور گھر دیگر لوگوں سے ممتاز رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے حصول علم پر بہت زیادہ زور دیا ہے، لیکن حصولِ تعلیم میں بے لگام آزادی نہیں دی کہ جو تعلیم اسلامی عقائد وشعائر سے معارض اور متصادم ہو وہ بھی جائز ہے، بل کہ اس آزادی کو ایک شرط کے ذریعہ محدود ومقید کردیا کہ کسی بھی قسم کی تعلیم ہو لیکن اس کے حصول میں خدائی قانون واصول اور ضوابط کی پاسداری ہو، جس علم سے اپنے خالق ومالک کی پہچان ومعرفت حاصل ہو، جس سے انسان کو اپنا مقصد سمجھ میں آئے، جو آدمی کو بھولا ہوا سبق یاد دلائے، جس علم سے دوسروں کے حقوق کی حفاظت کرنا معلوم ہو، جس سے اللہ تعالی کے واجب کردہ احکامات اور آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کی ترغیب ہو، ایسا علم چاہے عصری درسگاہوں میں حاصل کیا جائے وہ "اقرأ باسم ربك الذی خلق" (کہ تم اپنے رب کا نام لے کر پڑھو جس نے تم کو پیدا کیا ہے

(العلق:۱) کے مطابق ہے، اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ علم کے تمام میدانوں میں بہت سے ایسے ہونہار اور لاجواب شہسوار گذرے ہیں جن کی خداترسی، خداشناسی، پاک دامنی ودیانت داری، سچائی وراست گوئی اور وفاداری اور امانت داری قابل رشک ہے، جنھوں نے ایک طرف عصری درسگاہوں سے دنیوی علوم کو حاصل کیا، لیکن دوسری طرف انھوں نے اپنے اصل مقصد کو بھی یاد رکھتے ہوئے دینِ اسلام کے فروغ، اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اور خدمتِ خلق کا اہم فریضہ بحسن خوبی انجام دیا، اس لئے کہ ان کو دینی تعلیم سے بھی وابستگی تھی اور انھیں اپنے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی ذمہ داری کا بھی احساس تھا۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ دور پہلے کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ دین بیزاری کا دور ہے، آج پوری دنیا لادینیت اور مغربیت کے عالم گیر سیلاب ویلغار کی زد میں ہے، دین سے بے راہ روی اور مادیت پرستی کی آندھی نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، کفر، ارتداد اور جاہلیت نئے نئے نام اور الگ الگ انداز سے ایمان ویقین کا قلع قمع کرنے پر تل گئے ہیں، خدائی قانون سے آزاد ہوکر زندگی گزارنے کے لئے ایمان سوز عوامل واسباب کا طوفان ہر جگہ جاری ہے اور اس طوفان نے سب سے زیادہ تباہی عصری درسگاہوں میں مچادی ہے، کبھی غلط نصاب کے ذریعہ، کبھی فحش اور حیا سوز پروگرام کے ذریعہ، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان درسگاہوں میں پڑھنے والی موجودہ نسل کے لئے اپنے دین وایمان اور مذہب وعقیدہ کی بقاء وحفاظت نازک اور مشکل کام بن گیا ہے اور اس بات کا ڈر پیدا ہوگیا ہے کہ کیا یہ موجودہ نسل اس دنیا میں مسلمان کے لقب اور محمد رسول اللہ ﷺ کی امت اور اس کے نتیجہ میں اخروی نجات کی مستحق ہوسکے گی؟ یا خدانخواستہ مسلمانوں کے نام کی ایک نئی نسل تیار ہوجائے گی جو تہذیبی، ذہنی اور سب سے بڑھ کر اعتقادی حیثیت سے پورے طور پر یا کم ازکم اسلام کے بنیادی عقیدوں سے بھی ناآشنا اور ارکان وفرائض تک سے بھی غافل رہے گی، جو کھلے کھلے مشرکانہ عقائد اور کافرانہ تصورات رکھتی ہوگی، اسلامی احکام وشعائر سے ان کی عقل معارض ہوگی، دینی حمیت وغیرت سے ان کا دور کا بھی رشتہ نہ ہوگا، جس کی بناء پر وہ اللہ کے غضب وغصہ کی مستحق بن جائے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ ان درسگاہوں کا معاشرے پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، کیونکہ معاشرے میں اٹھنے بیٹھنے والے اکثر افراد کا تعلق ان ہی درسگاہوں سے ہوتا ہے اور ان درسگاہوں میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات کی جیسی اور جس ماحول میں تربیت ہوگی اس کا اثر پورے معاشرے پر ضرور پڑے گا، ایسے نازک وقت میں جب کہ موجودہ اور آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے اور اسلام کے شعائر، اعتقادات ومسلمات کو باقی رکھنے اور ایک صالح معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے سخت جانفشانی اور سخت قربانی کی ضرورت ہے، بغیر قربانی کے ان کے دین وایمان کی حفاظت ناممکن ہے، جس کے لئے سب سے پہلے عصری درسگاہوں (اسکول، کالج، یونیورسٹی) میں دینی تعلیم کے نظام کو صرف جاری کرنا ہی نہیں بل کہ اس کو مستحکم کرنے کی بھی ضرورت ہے، جو وقت کی سب سے بڑی پکار اور آواز ہے اور اس کو اپنی سب سے بڑی ذمہ داری سمجھنا لازم ہے اور ہر حال میں اس ضروری دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ملت کی صحیح فکر کرنے والوں پر فرض ہے، تاکہ ان بچوں کے دل میں اسلام کی صداقت وحقانیت راسخ ہوجائے، انھیں اپنے مذہب سے صحیح محبت ہوجائے، ان کے قلوب معرفتِ الٰہی سے منور ہوجائیں اور امتِ مسلمہ کو امانت دار اور سچے تاجر، ہمدرد اور خیر خواہ ڈاکٹر، محنتی اور ایماندار اساتذہ، رشوت اور جھوٹ کو حرام سمجھنے والے وکیل اور قوم کی اخلاص کے ساتھ خدمت کرنے والے افراد مہیا ہوں، جن کے دل امت کے لئے تڑپتے ہوں، کوئی بھی دشمن ان کے ضمیر کو خرید نہ سکتا ہو، باطل طاقتوں کے سامنے برف کے بجائے پہاڑ بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اسی وقت ہم اس آیت پر عمل کرنے والے بن سکتے ہیں جس کو اللہ تعالی نے یوں ارشاد فرمایا: " یا أیھا الذین آمنوا قوا انفسکم و أھلیکم نارا" کہ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے (التحریم : ٦)۔ اس کے برخلاف اگر ہم نے عصری درسگاہوں میں دینی تعلیم کی ترویج کی طرف توجہ نہیں دی اور اس سے غفلت برتتے رہیں تو وہ دن دور نہیں کہ ہماری نسل مغربیت کے دلدل میں پھنس کر ایمان کی حقیقی دولت سے محروم ہوجائے گی اور اس نسل کی طرف سے ہمیں اللہ کے دربار میں جواب دہی کی ذمہ داری اس حدیث کے مطابق ادا کرنا پڑے گی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا " ألا کلکم راع و کلکم مسئول عن

رعیتــــــہ " کہ خبردار ہوجاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا(بخاری :۵۲۰۰) ۔

اس لئے ہم میں یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ ہمارے جیتے جی ہمارے بچوں کوایسی تعلیم دی جائے کہ وہ مستقبل میں اسلامی تشخص کو باقی رکھتے ہوئے اسلام کی نشرواشاعت میں نمایاں کردار ادا کریں اور ہم ان کی طرف سے کسی بھی قسم کی باز پرس سے سبکدوش ہوجائیں،اس جذبہ کو پایہ تکمیل تک پہچانے کے لئے اچھے اور مخلص اساتذہ کی ضرورت کے ساتھ قوم کے صاحبِ ایمان مالدار حضرات پر اپنے مال کو اس عظیم کارِ خیر میں صرف کرنے کی ضرورت ہے،اگر یہ ضرورتیں پوری ہوتی ہیں تو اللہ کی ذات سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ ہمارے پورے معاشرے میں ایمانی ہوائیں چلیں گی اور ہر طرف امن وامان قائم ہوگا،عصری علوم حاصل کرنے والوں کے دلوں میں علماء وصلحاء کی محبت ہوگی اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا،اس تعلق سے ''مجلس علمی کوکن'' یہ ادارہ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کے زیرنگرانی پورے کوکن کے اسکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم کے فروغ وترویج کی غرض سے خدمت انجام دے رہا ہے جس کے نتائج بھی امید افزا ہیں اور اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس میدان میں بھی از ہر کوکن جامعہ حسینیہ عربیہ کی یہ کرنیں معصوم بچوں کے قلوب میں مذہبِ اسلام کی محبت اور صالح افکار کو راسخ کریں گی اور ان کو قرآن وحدیث سے مستنبط صحیح مسائل سے واقف کریں گی۔☆☆☆

اسکول کا صحیح انتخاب......والدین کی اہم ذمہ داری

کسی بھی قوم کی ترقی میں تعلیم بڑی اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ قوم افراد سے بنتی ہے اور افراد کی ذہنی، اخلاقی اور روحانی تربیت میں تعلیم کا کردار نمایاں ہوتا ہے، سماج اور معاشرے میں تعلیم یافتہ افراد کی عزت وتوقیر ہوتی ہے اور جو سماج تعلیم یافتہ افراد سے پر ہو، وہ سماج اپنی ایک الگ حیثیت رکھتا ہے، جس خاندان اور گھر میں لکھے پڑھے لوگ ہوں، وہ خاندان اور گھر دیگر لوگوں سے ممتاز رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے حصول علم پر بہت زیادہ زور دیا ہے، کیونکہ اسلام ایک انسان کے لئے ہر اس چیز کے اختیار کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے جو اسے ایک سچا اور اچھا انسان بننے کے لئے مفید اور سودمند ہو، اسی لئے اسلام نے ہر شخص پر علم کے حصول کو فرض کیا اور ہر ایک کے لئے تعلیم کو بنیادی حق قرار دیا، کہ علم کے بغیر نہ اسلامی شعائر پر مکمل عمل ہوسکتا ہے اور نہ قوم وملت کی صحیح تعمیر وخدمت ہوسکتی ہے، اسی مقصد کی خاطر دور رسالت ہی سے تعلیم وتعلم کے لئے ہر زمانہ میں مختلف ذرائع اور وسائل اختیار کئے گئے اور آج بھی موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق بکثرت مدارس، اسکولس، کالجس اور یونیورسٹیاں موجود ہیں اور اس وقت قومِ مسلم کی طرح ہر مذہب کے لوگ تعلیمی اعتبار سے ترقی کے منازل طے کرنے کے لئے کوشاں ہیں اور جان توڑ محنت کررہے ہیں، جس کے لئے وہ ہر اس چیز سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جو تعلیمی سفر کے لئے معین اور مددگار بن سکے، تاکہ مستقبل، ماضی اور حال کے مقابلہ میں تابناک اور روشن ہوجائے، زندگی پرلطف وپرعیش بن جائے، ہر وقت کیف وسرور کی کھلی فضاء میں سانس لی جاسکے۔

قومِ مسلم پر ایک دور ایسا بھی گذرا ہے کہ اسے نہ اپنے اور نہ اپنی نسل کے روشن وتابناک مستقبل کی فکر تھی، زندگی کا مقصد کمانا اور کھانا پینا ہی تھا، تعلیم بیزاری عام تھی، اعلی تعلیم کے بجائے معمولی تعلیم پر

ہی اکتفاء کرنے کا عام رواج تھا، وقت کی بربادی کے سارے لوازمات سے مسلم محلے بھرے رہتے تھے، جس کی وجہ سے مسلمان علم کے نور سے محروم تھے، سرکاری وحکومتی کسی بھی شعبہ کے عہدوں پر مسلم چہرے عنقاء تھے، لیکن اس کے بعد ایک ایسا وقت بھی آیا کہ قومِ مسلم کی غیرت تڑپ اٹھی، غفلت کی آندھی چھٹ گئی اور فطرتِ مسلم علم کی بارش سے سرسبز وشاداب ہوگئی، مسلم نوجوان آہستہ آہستہ دینی ودنیوی علوم وفنون کے آسمان کی بلندی کو چھوتے نظر آئے، لیکن مسلمانوں کی ترقی دشمنانِ اسلام کو کب گوارہ تھی، مسلمانوں کی یہ بڑھتی ہوئی بیداری اور ترقی تمام مذاہب باطلہ کی آنکھوں کا کانٹا بن گئی، جس کے نتیجہ میں ایک طرف تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مختلف جھوٹے الزامات میں پھانس کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا، جس میں سے بعض کو تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے پر مجبور ہونا پڑا، انہیں اپنے حقوق سے دست بردار کیا گیا اور ان پر معاشی دروازوں کو بند کرنے کی سازش کی گئی تو دوسری طرف بعض باصلاحیت وبا استعداد، لیکن غریب اور مفلس مسلم طلبہ کو تعلیمی اخراجات کا بوجھ ناقابل برداشت ہونے کی بناء پر تعلیمی سفر پر بریک لگانا پڑا، جس کی بناء پر مسلمان طلبہ وطالبات تعلیمی میدان میں پیچھے ہٹنے لگے، ان کے عزائم اور ہمتوں میں بلندی کے بجائے پستی نظر آنے لگی اور انھیں اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔

ایسے نازک حالات میں ایک طرف اسلامی تنظیمیں اور ایجوکیشنل ادارے مسلم طلبہء کے لئے مسیحا وملاح ثابت ہوئے، ان کی تعلیمی راہ میں رہبر وپیشوا بن گئے اور انھوں نے سب سے پہلے طلبہ کو ہمت واستقلال کے قیمتی جوہر سے روشناش کرایا اور جگہ جگہ تربیتی کیمپ لگا کر ان کے اندر اخلاقی تربیت کے ساتھ تعلیمی بیداری لانے میں نمایاں کردار ادا کیا، نیز سماجی وسیاسی سوجھ بوجھ کو ایک حد تک ان کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی، ان کی طرف سے تعلیمی ترقی کے لئے وقتاً فوقتاً کوچنگ کلاسس منعقد کرانے کا نظم کیا گیا، مختلف اسکالرشپ کے ذریعہ طلبہ کی نصرت ومدد کی گئی، حکومت کی طرف سے ملنے والے تمام تعلیمی حقوق کو وصول کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حکومت پر دباو ڈالا گیا اور تعلیمی میدان میں طلبہ کو ابھرنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کئے گئے تو دوسری طرف ان کوششوں کو کامیاب بنانے

اور بارآور بنانے کے لئے قوم کے ان مخلص مالداروں نے اپنی کمائی کا ایک وافر حصہ خرچ کر کے بہت ہی اہم رول ادا کیا، جو اپنی قوم کے فرزندوں کو علم کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب کی طرح منور و روشن دیکھنے کے خواہش مند ہیں، یقیناً ان کی یہ تمام کوششیں قابل قدر ہیں اور آج بھی ان کی یہ کوششیں جاری ہیں اور وہ اپنے اس مشن میں سرگرم ہیں، جس کے نتیجہ میں سماج میں اعلی تعلیم وڈگریوں کے حصول کا شوق وجذبہ پیدا ہوا اور ہو رہا ہے، سائنس وٹکنالوجی کے فنون میں بھی مسلمانوں کے نام سامنے آرہے ہیں، سرکاری وغیر سرکاری اعلی عہدوں پر بھی مسلم چہرے نظر آرہے ہیں۔

لیکن ان کی تعداد کافی کم ہے اور منزل ابھی کافی دور ہے، کیونکہ اس وقت کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مسلم طلبہ کی تعداد تو کافی ہے، لیکن مسلم طلبہ میں تن آسانی، محنت وتعلیم کے شوق کی کمی اور مال ودولت کی وسعت، والدین کی بے فکری اور حد سے زیادہ اعتماد انھیں دوسروں کے مقابلہ میں اعلی نمبرات سے کامیابی اور اعلی عہدوں کے حصول کیلئے مانع بنتی ہیں، جس کے نتیجہ میں والدین کی ساری تمنائیں، قوم کی ساری امیدیں، اساتذہ کی محنتیں اور اپنے آپ پر حد سے زیادہ خود اعتمادی راکھ کے ڈھیر بن جاتی ہے، پھر طالب علم اپنے آپ کو ایک بوجھ محسوس کرنے لگ جاتا ہے، جو کبھی خودکشی کی شکل میں ہلاک بھی ہو جاتا ہے، جب کہ خودکشی ایک حرام کام ہے اور اس کا گناہ سنگین ہے، اگر اتنا ہی ہو تو غنیمت ہے، کیونکہ کبھی والدین اپنی اولاد کے لئے ایسے اسکول اور کالج کا انتخاب کرتے ہیں جہاں ان کا لخت جگر دنیوی ڈگری میں تو اعلی کامیابی کے ساتھ اعلی عہدہ پر فائز ہو کر اپنا اور اپنے والدین کا نام روشن کرتا ہے، مگر وہاں کے ایمان سوز ماحول سے متاثر ہو کر اپنے ایمانی ڈگری سے محروم ہو جاتا ہے اور اپنی جان کے بجائے اپنے ایمان کی خودکشی کرتا ہے، جس سے وہ اور اس کے والدین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں مجرم بن جاتے ہیں۔

ہر سال نئے تعلیمی سال کے ابتدائی ایام بہت اہم ہوتے ہیں، اس لئے کہ کچھ طلبہ کا تو تعلیمی سفر سال گذشتہ کے اختتام پر ہی مکمل ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اپنے ذریعہ معاش کی جستجو میں مگن ہو جاتے ہیں، بعض طلبہ اپنی مجبوری اور ناکامی کی وجہ سے اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیتے ہیں، کچھ طلبہ کا تعلیمی سفر

باقی ہوتا ہے اور کچھ معصوم بچے ابھی اپنے علمی سفر کا آغاز کرنے والے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان ایام میں بہت سے والدین اپنی اولاد کے لئے اچھے اسکول کی تلاش میں پریشان رہتے ہیں، جہاں کی تعلیم معیاری، اساتذہ محنتی و مشفق اور ماحول سازگار ہو اور ایسے اسکول کی بڑی سے بڑی فیس کو خوشی کے ساتھ ادا کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں اور ہر طرح کی تکلیف کو راحت سمجھنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں، جس کا ایک ہی مقصد ہے کہ ان کی اولاد تعلیم یافتہ لوگوں میں شمار ہو اور اس کی ضرورت بھی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان والدین کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اسکول ایسا بھی ہو جس میں ان کی اولاد کا ایمان محفوظ رہ سکے، وہ اسکول ان تمام عقائد سے پاک ہو جو اسلامی عقائد سے متصادم اور معارض ہوں اور اس بات کا یقین ہو کہ جس طرح ہماری اولاد اسکول میں داخل ہوتے وقت ایمان ویقین کے خزانہ کی مالک تھی، اسی طرح اپنے تعلیمی سلسلہ کو مکمل کرنے تک اس خزانہ کی محافظ اور امین رہے گی، آج قوم وملت کے ان صاحب ایمان افراد کی کوششوں کی وجہ سے ایسے اسکولوں کی کمی نہیں ہے، جہاں معصوم بچوں کے ایمان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ معیاری تعلیم کا بھی نظم ہے، اگر والدین نے اس بات کا خیال نہیں رکھا اور صرف اعلی تعلیم کو ہی مقصد بنا کر ایسے اسکول کا انتخاب کیا، جس کے منتظمین ایمان کی دولت سے محروم ہوں، جس کے اساتذہ کفر وشرک کے متوالے ہوں، جہاں دین بیزاری کا ماحول، اسلام کی غلط تصویر کشی اور غلط عقائد کی تشہیر ہو تو پھر یہ بات یقینی ہے کہ والدین کو دنیا میں برے نتائج کے لئے تیار رہنا چاہئے اور آخرت کی باز پرس تو اپنی جگہ برحق ہے ہی کیونکہ والدین ہی اولاد کے سلسلہ میں ذمہ دار اور مسئول ہیں، نیز صحیح اسکول کے انتخاب کے ساتھ ساتھ والدین پر یہ ضروری ہے کہ وہ اولاد پر حد سے زیادہ اعتماد کے بجائے اس بات کی فکر کریں کہ ہماری اولاد اپنے مقصد میں کامیاب ہے بھی یا نہیں جس کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے اور طلبہ پر بھی یہ بات ضروری ہے کہ وہ محنت ومشقت، شوق ورغبت اور دلجمعی کے ساتھ علم حاصل کریں اور اس بات کو اپنے دل میں راسخ کریں کہ اس تعلیم سے صرف دنیا ہی کمانا نہیں ہے بل کہ قوم کی خدمت بھی کرنی ہے۔ ☆☆☆

امتحان......تخلیقِ کائنات کا بنیادی مقصد

امتحان انسان کی محنت وکارکردگی کو پرکھنے وجانچنے کا نام ہے، امتحان کے بعد اس کا رزلٹ اور نتیجہ جزء لاینفک ہے، جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا یقینی ہے اسی طرح امتحان کے بعد نتیجہ کا آنا لازم اور ضروری ہے، امتحان چاہے کسی بھی قسم کا ہو صاحب امتحان کو اس کے نتیجہ کا شدید انتظار رہتا ہے اور نتیجہ کا سارا دارومدار امتحان کی کارکردگی وتیاری پر ہوتا ہے، جس میں انسان کی محنت ومشقت کا سب سے بڑا دخل ہوتا ہے، اس لئے اچھے نتائج کا امیدوار امتحان کی تیاری میں رات دن مصروف رہتا ہے، اس کے برخلاف راحت طلبی وتن آسانی کا شکار انسان عدم محنت کی بناء پر برے نتائج کو برداشت کرنے پر مجبور ہوتا ہے، دراصل امتحان اس کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا"هو الذی خلق السمٰوٰت والارض......لیبلوکم أیکم أحسن عملا"(سورہ هود: ۷)۔علامہ مودودیؒ نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق سے کسی امتحان، کسی محاسبہ، بازپرس اور کسی جزاوسزا کا مقصد نہ ہوتا اور انسان یونہی بے نتیجہ ہوکر مٹی ہوجاتا تو یہ سارا کارِتخلیق بالکل ایک مہمل کھیل ہوتا(تفہیم القرآن: ۲/۳۲۵)۔

اللہ تعالی کے امتحان کے پرچوں کا وقت ایک بچہ کے مکلّف ہونے کے بعد سے موت تک رہتا ہے، اس امتحان کو دائمی امتحان کہا جاسکتا ہے اور خاص بات تو یہ ہے کہ امتحان تو دنیا میں دینا ہے اور نتائج کے لئے آخرت کا انتظار کرنا ہے، اس نتیجہ کی مجلس کا انعقاد میدان محشر میں ہوگا، جہاں ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، ہر آدمی پر خوف ووحشت طاری ہوگی، ہر ایک اچھے اور برے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، کچھ لوگوں کے نتائج اچھے سامنے آئیں گے تو کچھ کے برے جس کا تذکرہ اللہ

تعالی نے فرمایا" ھنالك تبلوا كل نفس ماأسلفت" کہ میدان محشر میں ہر شخص دنیا میں کئے ہوئے اعمال کو پہچان لے گا (یونس: ۳۰) ۔اللہ تعالی اس دائمی امتحان کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کا الگ الگ انداز سے امتحان لیتے رہتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے واذبتلی ابراھیم ربہ بکلمت فأتمهن" (البقرہ: ۱۲۴) ۔کہ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے رب نے کئی باتوں سے آزمایا تو ابراہیمؑ ہر امتحان میں کامیاب وکامران رہے، جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کئے گئے، اسی طرح فرمایا "ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات" کہ ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے (البقرہ: ۱۵۵) ۔لیکن امتحانِ الٰہی اور امتحانِ انسانی میں فرق یہ ہے کہ امتحانِ انسانی میں فنی مسائل اور ان کی تحقیقات کا دخل ہوتا ہے اور امتحانِ الٰہی میں اخلاقی قدروں اور عملی ثابت قدمی کی جانچ ہوتی ہے، کیونکہ اللہ کے یہاں عملی اور اخلاقی برتری اصل ہے۔

اسی خدائی نظام کے تحت پوری دنیا میں امتحانات اور انٹرویوز ہوتے ہیں اور اس کے نتائج کا اعلان کیا جاتا ہے، ان تمام امتحانات میں قابل توجہ اسکول وکالج کے امتحانات اور ان کے نتائج ہیں، کیونکہ ننانوے فیصد بچوں کے تاریک اور روشن مستقبل میں ان نتائج کا خاص کردار ہوتا ہے اور یہ نتائج ان کے مستقبل کو سنوارنے اور بگاڑنے کے ضامن ہوتے ہیں، جس وقت پورے ملک میں دسویں وبارہویں کے امتحانات ختم ہوجاتے ہیں تو تمام طلبہ وطالبات کو اپنے نتائج کا انتظار رہتا ہے اور طلبہ سے زیادہ وہ والدین نتائج کے لئے بے چین رہتے ہیں، جنھوں نے اپنے پسینہ کی کمائی کے ذریعہ اسکولی لوازمات کو کئی امیدوں کے ساتھ پورا کیا ہے، یقیناً یہ نتائج بہت سے خوش نصیب طلبہ ووالدین کے لئے خوشی ومسرت کا پیغام لے آتے ہیں تو بعض کے لئے غم اور مصیبت کا سبب بنتے ہیں اور ایسے موقع پر کامیاب وناکام ہونے والے طلبہ کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس کیفیت کی تصویر کشی قرآن نے اخروی امتحان میں کامیاب وناکام ہونے والوں کے بارے میں کی ہے، ارشاد ہے" فأما من أوتي كتٰبه بيمينه فيقول هاؤم اقرئوا كتٰبيه ، اني ظننت أني ملق حسابية ، فهو في عيشة راضية ، وأما

من أوتی کتٰبه بشماله فیقول یٰلیتنی لم أوت کتٰبیه ، ولم أدر ما حسابیه، یٰلیتها کانت القاضیة" (الحاقة: ۱۹ تا ۲۷)۔جس کی کامیابی کا نتیجہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہنے لگے گا لو میرا نتیجہ پڑھ لو، مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے نتیجہ ملنے والا ہی ہے، اس کے بعد وہ خوش عیش زندگی میں ہوگا، لیکن جس کی ناکامی کا نتیجہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ کاش مجھے میرا نتیجہ دیا ہی نہیں جاتا اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا نتیجہ کیا ہے اور کاش کہ مجھے اس سے پہلے موت ہی آجاتی، اسی طرح ناکام ہونے والا طالب علم بھی موت کی تمنا کرتا ہے اور کبھی شرمندگی کو چھپانے کے لئے موت کو گلے لگا لیتا ہے اور ہر سال کی طرح اس سال بھی نتائج کے اعلان کے بعد اخبارات اور نیوز چینلز پر اس طرح کے واقعات نظر آئیں گے اور بعض طلبہ اس نتیجہ سے عبرت لیتے ہوئے محنت وجدوجہد کے عزم کے ساتھ قسمت آزمانے کے لئے دوبارہ امتحان دینے کا ارادہ کریں گے۔

دنیا کے امتحان میں ناکامی کے بعد انسان موت کے ذریعہ اس کے ٹینشن کو ختم کر سکتا ہے، یا دوبارہ محنت کر کے اچھے نتیجہ کی امید رکھ سکتا ہے اور ماضی کی کوتاہیوں کا تدارک کر سکتا ہے اور شکست کو فتح میں تبدیل کر سکتا ہے، ہاری ہوئی بازی جیت سکتا ہے، پیسوں اور عہدوں کے ذریعہ مدد حاصل کر سکتا ہے، رشوت وسفارش کو بھی کام میں لا سکتا ہے، لیکن یہ حقیقت مسلم اور ناقابل انکار ہے کہ آخرت کے امتحان میں ناکامی کے بعد یہ کچھ بھی ممکن نہیں، کیونکہ وہ دائمی امتحان کا نتیجہ دائمی ہوگا، جس میں کامیابی کے بعد ناکامی کا تصور اور ناکامی کے بعد کامیابی کی امید بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے، وہاں دوبارہ امتحان کی درخواست کی کوئی گنجائش نہیں، کسی قسم کی سفارش اور وسیلہ کا سوال نہیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں ''ان لوگوں (مجرموں) کو اور کسی بات کا انتظار نہیں ہوگا، بلکہ صرف آخری نتیجہ کا انتظار ہوگا، جس روز ان کی ناکامی کا فائنل نتیجہ سامنے آئے گا تو اس دنیا میں اس نتیجہ سے غافل رہنے والے لوگ کہیں گے کہ کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے جو ہماری سفارش کرے، یا کیا ہم واپس بھیجے جا سکتے ہیں تا کہ ہم ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں، بے شک ان لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا ہے (اعراف :۵۳) وہاں کا نتیجہ مبنی بر انصاف ہوگا، کسی قسم کی دھاندلی ناقابل برداشت ہوگی،

اور نہ کسی قسم کی رشوت سے مسئلہ حل ہوگا" فالیوم لا یؤخذ منکم فدیة " کہ اس دن تم سے کسی قسم کا فدیہ اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا(الحدید:۱۵)۔اور نہ خودکشی کے ذریعہ ناکامی کو چھپایا جاسکتا ہے ،لہذا ہر ایک پر ضروری ہے کہ وہ دنیوی امتحانات میں کامیاب ہونے کی کوشش کے ساتھ آخرت کے امتحان کو اصل سمجھے اور اس میں کامیاب ہونے کے لئے انتھک محنت کرے، دنیوی امتحان میں ناکامی کی رسوائی کے ذریعہ آخرت کی ناکامی پر دائمی رسوائی اور ذلت کا تصور کرے اور اطاعت خدا اور اتباع رسول کے ذریعہ اچھے نتیجہ کی امید رکھے۔☆☆☆

مخلوط تعلیم اور ہماری ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’پڑھو اس رب کے نام سے جو بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسانوں کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتے تھے‘‘ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے- یقیناً علم نا معلوم چیز کی دریافت کا ذریعہ اور تاریکیوں میں روشنی کی کرن ثابت ہوتا ہے، علم وہ زبردست طاقت ہے جس کی بدولت انسان اپنی زندگی کو سنوارتا ہے اور اپنے وجود کو نکھارتا ہے، حضرت ابن عبدالبرؒ نے حضرت معاذؓ سے روایت کیا ہے کہ علم وحشت میں مونس و غم خوار، اجنبی ماحول میں ساتھی، تنہائی کا دوست، خوشحالی و تنگدستی میں رہنما اور دشمنوں کے خلاف ہتھیار ہے، اس سے حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے، علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت بخشی ہے، اسی وجہ سے علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے ایک صاحبزادہ سے فرمایا: علم حاصل کرو اگر تم بدصورت ہو تو صاحب جمال بن جاؤ گے، اگر تم مفلس ہو تو مالدار ہو جاؤ گے، یعنی خوبصورتی لباس سے نہیں بلکہ علم سے ہوتی ہے، اصل بات یہ ہے علم کو دنیا کی پوری دولت سے بھی خریدا نہیں جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ علم کو انسان کا حسن کہا گیا، جو اس حسن سے محروم ہو گیا، وہ دنیا کی ساری دولت رہنے کے باوجود تہی دست و نادار ہے۔

اسلام میں مرد کی طرح عورتوں کو حصول علم کی مکمل آزادی ہے، کیونکہ اولاد کی صحیح تربیت کیلئے ماں کا پڑھی لکھی ہونا بھی ضروری ہے، لیکن اس کے لئے کچھ حدود مقرر کئے ہیں، جو لوگ جائز حدود میں رہتے ہوئے لڑکیوں کو تعلیم سے دور رکھتے ہیں وہ بھی اسلام کے خلاف ہے اور جو لوگ آزادی نسواں کے نام پر لڑکیوں کو ان کی فطری حدود توڑنے کی اجازت دیتے ہیں وہ بھی غلط ہیں، البتہ ہمیں محاسبہ کرنا ہوگا کہ آج کتنی لڑکیاں شرعی و اسلامی حدود میں رہتے ہوئے تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اگر ایک سرسری جائزہ لیا جائے

تو ہمیں یہ بات معلوم ہوگی کہ قوم کی اکثر لڑکیاں اسلامی حدود کو توڑ کر تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور اس کی اصل وجہ مخلوط تعلیم ہے اور مخلوط تعلیم ہی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ لڑکیوں میں بے حیائی و بے پردگی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، اسلام نے عورت کو باحیا و باعزت بنا کر اونچا مقام دیا ہے، لیکن مخلوط تعلیم کا اثر ہے کہ ایک نوجوان لڑکی اپنی ردائے حیا کو اتار پھینکنے، قبائے عصمت کو تار تار کرنے میں کوئی عار و شرم محسوس نہیں کرتی جس کی وجہ سے آئے دن عصمت دری کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے، اس لئے کہ کالج میں دین کا ضرر ہے اور اس میں جسم کا ضرر ہے اور جسم کے ضرر کے مقابلہ میں دین کا ضرر بڑا ہے، جو لڑکوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، مرحوم سر سید جو انگلش کے بڑے حامی تھے تجربہ نے انھیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ مخلوط تعلیم کے ناگوار طرز نے یقین دلا دیا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے اور یہ حقیقت ایسی ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں، اس لئے کہ لڑکی کالج کے بہانے نکلتی ہے تو اس کا بوائے فرینڈ اس کے انتظار میں پہلے ہی سے موجود رہتا ہے، کبھی کلاس روم میں بے خوف وخطر ہنسی مذاق، تو کالج کے کیمپس میں بیٹھ کر دل سے دل ملانے کی کوشش روزانہ کا معمول بن گیا ہے اور اس سے جو منکرات جنم لے رہے ہیں ان کو زبان پر لانا مناسب نہیں، ایک مضمون نگار نے اکبرؔ الہ آبادی کے مذکورہ شعر کی روشنی میں مخلوط تعلیم کے مضرات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

لڑکیاں پڑھ رہی انگریزی، قوم نے سیکھ لی فلاح کی راہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

آج سے تقریباً ستر/ اسی سال پہلے اکبرؔ الہ آبادی نے یہ اشعار پڑھے تھے، اس وقت انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ قوم کی بیٹیاں جب کالج میں نوجوان لڑکوں کے شانہ بہ شانہ بیٹھ کر مخلوط تعلیم حاصل کریں گی تو یہ فلاح کی راہ نہ ہوگی بلکہ تباہی و بربادی کی راہ ہوگی، حجاب کے قرآنی اصولوں کو توڑتے ہوئے مسلم لڑکیاں بازاروں میں رواں دواں رہیں تو ان کی عزت و عصمت محفوظ نہیں رہے گی، اللہ کے رسول ﷺ نے نابینا صحابی کے سامنے اپنی ازواج کو بے پردہ آنے سے منع فرمایا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا تھا یا

رسول اللہ ﷺ یہ تو نابینا ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو، حجاب کے متعلق یہ پابندی عزت وعصمت کی حفاظت کے لئے تھی، لیکن قوم کی بیٹیوں نے سارے اصول خیر باد کر کے اپنے لئے تباہی کا راستہ اختیار کرلیا، کھلے طور پر لڑکوں کے سامنے گھومنے لگیں، ٹیوشن جانے کے بہانے لڑکوں کے ساتھ پارکوں کی زینت بننے لگیں اور سینما گھروں کو آباد کرنے لگیں اور اکبر الہ آبادی کا انتظار اس طرح سامنے آنے لگا کہ کچھ مسلم لڑکیوں نے گھر سے فرار ہو کر غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ مندر میں جا کر شادیاں کرلیں، کبھی سننے میں آتا تھا کہ کسی مسلم لڑکی کا کسی مسلم لڑکے سے معاشقہ چل رہا ہے، ماں باپ اس رشتہ سے راضی نہیں تھے لیکن دونوں نے پہلے کورٹ میرج کر لی تھی پھر نکاح کرلیا، لیکن افسوس کہ ہماری لڑکیاں اپنے دین کو خیر باد کر کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادیاں کر رہی ہیں، ایک طرف مرتد ہونے کا گناہ دوسری طرف حرام کاری کا گناہ اور تیسری طرف خاندان اور ملت اسلامیہ کے لئے باعث شرم!

الغرض یہ نتیجہ ہے مخلوط تعلیم کا، ہم مخلوط تعلیم کی تمام برائیوں وقباحتوں کے قائل بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم مخلوط تعلیم حاصل کر رہے ہیں، یقیناً یہ آگ اور پانی کی طرح ہے، یا خودکشی کے مترادف ہے، لیکن نہیں، کیونکہ مخلوط تعلیم کے ذریعہ ڈگری حاصل کرنا ایک تو ہماری ضرورت ہے اور اس کے پیچھے ہمارا ایمانی جذبہ بھی کارفرما ہے، اگر ہم مخلوط تعلیم کے بغیر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی ذمہ داری کا حق بھی ادا کرنا ہوگا۔

مسلم دانشوروں اور علمائے اسلام نے ہمیشہ مخلوط تعلیم کی مخالفت کی اور اس کے خلاف تحریکیں چلائیں، لیکن آپ جب کسی چیز کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا بدل پہلے تیار کرنا ضروری ہے لیکن یہ بدل تیار نہ ہوسکا، یعنی ایسے اسکولس اور کالجس جس میں صرف لڑکیوں کی ہی تعلیم کا انتظام ہو اور جہاں صرف لڑکیاں ہی ڈگریاں حاصل کرسکتی ہوں، جس کی بناء پر ہم ان برائیوں اور قباحتوں کے باوجود مخلوط تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں البتہ اس وقت ہندوستان کے بعض علمائے دین نے اس کی فکر کی اور اس کار خیر میں حصہ لیا اور ایسے کالج بنائے ہیں جن میں صرف لڑکیوں کے پڑھنے کا انتظام ہے لیکن یہ تو ابتداء ہے اور یہ مقدار تمام لڑکیوں کے لئے ناکافی ہے، اس وقت کرنے کا کام ایک یہ بھی ہے کہ ہر ہر علاقہ میں

ایسے کالج قائم کیے جائیں جہاں پر لڑکیوں کے لئے الگ تعلیمی نظام ہو، ورنہ صرف مخلوط تعلیم کی مخالفت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ایک مومن عورت کے دل میں اپنی قوم کی ماؤں اور بہنوں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہونا فطری بات ہے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی مسلم لڑکیاں چاہتی ہیں کہ انھیں کوئی عورت ہی ٹیوشن پڑھائے یا کوئی کورس کسی عورت کے ہی ذریعہ حاصل کیا جائے، لیکن ایسی ماہر عورتیں خال خال ہی نظر آتی ہیں، اسی طرح کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والی مہذب عورت اپنے نسوانی امراض کی تشخیص کسی ماہر نسواں لیڈی ڈاکٹر سے کرانا پسند کرتی ہے، خاص طور پر ولادت و آپریشن کے موقع پر ایسی لیڈی ڈاکٹروں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، لیکن ایسی خاتون ڈاکٹروں کی کمی کے باعث مرد ڈاکٹروں کے پاس علاج و آپریشن کرانا ایک مجبوری سی بن گئی ہے، اگر ہم مخلوط تعلیم کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کی تعلیم کو خیر باد کریں گے تو ماضی کی طرح مستقبل میں بھی ناامیدی کی تاریکیاں چھائیں گی اور ہمارا مستقبل روشن و تابناک بننے کے بجائے تاریک رہے گا اور امت کی ماؤں اور بیٹیوں کو بطور علاج مرد ڈاکٹروں کے پاس جانا ضروری ہو جائے گا، جب کہ اسلامی تعلیمات میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ سب سے پہلے مسلمان عورت کے لئے اپنا علاج مسلم لیڈی ڈاکٹر ہی سے کرانا چاہئے، اگر وہ نہیں ہے تو پھر کسی کافر عورت، پھر مسلم محرم، پھر کافر محرم، پھر اجنبی مسلمان اور سب سے آخر میں غیر مسلم مرد سے اپنا علاج کروائیں۔

اگر واقعتاً ہماری لڑکیاں اس جذبہ کے ساتھ اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اور اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرتے ہوئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں تو امت اسلامیہ کے لئے باعث خوشی ہے اور اس برعکس صورت ہو تو اسلام کے صاف وشفاف دامن پر سیاہ داغ ہے اور الگ سے لڑکیوں کے لئے حصول تعلیم کا انتظام ہونے کے باوجود مخلوط تعلیم حاصل کرنا بھی باعث شرم وقابل ملامت ہے۔

میں قوم کے دانشوروں اور ہمدردوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایسے کالجس کی بنیاد ڈالیں جہاں صرف اور صرف قوم کی لڑکیاں ہی تعلیم حاصل کرسکیں، تاکہ مخلوط تعلیم کے نقصانات سے بچتے ہوئے اعلی سے اعلی ڈگری حاصل کی جاسکے۔☆☆☆

عصری درسگاہوں میں ٹائی کا استعمال

اسلام ایک کامل اور مکمل دستور حیات ہے،اس نے زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ اور ادھورا نہیں چھوڑا،اسلام نے جہاں انسان کے باطن کو بنانے اور پاک وصاف کرنے کی فکر کی ہے، وہیں اسلام نے ظاہری وضع قطع کا بھی مکمل خیال رکھا ہے،لہذا بغض وعداوت ،اور کینہ وحسد سے اپنے دل کو پاک کرنا اسلام کے باطنی امر طہارت کا مظہر ہے اور ظاہری شکل وصورت کو صحیح حالت میں رکھنا اسلام کی ظاہری زیب وزینت کی فکر کا نتیجہ ہے، ظاہری زیب وزینت کی بہت سی چیزوں میں سے لباس وپوشاک بھی ہے، اگر یہ زیب وزینت اور لباس وپوشاک قرآن وحدیث اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہوتو قابل تعریف ہے، ورنہ یہی زیب وزینت انسان کو شیطانی صفات میں تبدیل کردیتی ہے، کیوں کہ اسلام نے زیب وزینت پر بھی کچھ پابندیاں عائد کی ہیں اور کچھ قیود مقرر کئے ہیں، کچھ قیود اور پابندیاں اصولی حیثیت رکھتی ہیں، جن کو معاشرہ میں ہر وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسی طرح بعض پابندیاں عمومی استعمال کی چیزوں پر ہیں اور عموما استعمال کی جانے والی اشیاء میں سے ایک چیز ٹائی بھی ہے۔

ٹائی کی تاریخی حقیقت

صلیب یہ نصاریٰ کا مذہبی شعار رہا ہے، کیوں کہ نصاریٰ کے عقائد میں سے ایک مشہور عقیدہ ''عقیدہ مصلوبیت'' بھی ہے اور اسی عقیدہ کی بنیاد پر صلیب کی روایت پڑ گئی تھی، لہذا سب سے پہلے صلیب کی حقیقت جاننا ضروری ہے، تیسری صدی عیسوی تک اس نشان کو کوئی اجتماعی حیثیت حاصل نہ تھی، شاہ قسطنطنیہ کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۲۳ء میں دوران جنگ خواب میں آسمان پر

صلیب کا نشان بنا ہوا دیکھا، پھر ۳/مئی ۳۲۶ء میں اس کی والدہ سینٹ ہیلینیا کو ایک صلیب ملی، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ یہ وہی صلیب ہے، جس پر نصاری کے گمان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی تھی اور اس قصہ کی یاد میں عیسائی ہر سال ۳/مئی کو جشن مناتے ہیں، جس کا نام جشنِ دریافت صلیب ہے، اس کے بعد صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار بن گیا، اس وقت پوری دنیا میں جس ٹائی کے استعمال کا رواج ہے وہ صورتاً وشکلاً تو صلیب کی طرح ہے نیز عیسائیوں کا مذہبی شعار صلیب کا بدل بھی ہے، اس سلسلہ میں مولانا یوسف لدھیانوی کی تحریر بالکل بجا ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انسائیکلو پیڈیا برنائیکا کا جب پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کتاب میں ٹائی کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ اس سے مراد وہ نشان ہے جو صلیب مقدس کی علامت کے طور پر عیسائی اپنے گلے میں باندھتے ہیں (**آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/ ۱۶۷**) جب یہ بات واضح ہوگئی کہ صلیب کی طرح ٹائی بھی نصاری کا شعار ہے تو ٹائی کے استعمال کا حکم شریعت کی روشنی میں معلوم کرنا ہوگا۔

ٹائی کی شرعی حیثیت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا "من تشبہ بقوم فھو منھم" کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا (**ابوداؤد ۴۰۳۱**) اس سلسلہ میں عالم عرب کے ایک بہت بڑے عالم شیخ ابن عثیمینؒ سے سوال کیا گیا کہ آپ ان کپڑوں کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں، جن پر صلیب کا نشان یا تصویر ہو؟ اس کے جواب میں شیخ نے فرمایا "مانسب الینا من جواز لبس الثیاب التی علیھا صلیب غیر صحیح فنحن لا نفتی بجواز لبس ماعلیہ الصلیب فی الصلاۃ و لا خارج الصلاۃ ولکن من ابتلی بشراء شیء من ذلك فانہ یطمس الصلیب ان أمکن والا رمی الثوب و ترك لبسہ" کہ ہماری طرف صلیب کی تصویر والے کپڑوں کے پہننے کے جواز کی جو نسبت کی گئی ہے وہ درست نہیں ہے کہ ہم ایسے کپڑوں کے نماز اور خارج نماز میں پہننے کے جواز کا فتوی نہیں دیتے ،لیکن جس نے ایسا کپڑا خرید لیا ہو تو وہ اس

کپڑے سے صلیب کی شکل کومٹادے، جب کہ ممکن ہو ورنہ اس کپڑے کو پہننا ترک کردے(**فتـــاوی علـماء البلد الحـرام : ٧٤١**) ۔جب مذکورہ کپڑوں کے پہننے کی اجازت نہیں تو ٹائی جو یقیناً صلیب کی شکل ہے اس کا استعمال جائز کیسے ہوسکتا ہے؟ فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ادام اللہ فیوضہم سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مغرب سے جو چیز آتی ہے، ہم اسے اپنی زندگی اور تہذیب کا ایک لازمی جز بنا لیتے ہیں، چاہے اس میں کوئی معقولیت اورادنی درجہ کی بھی افادیت نہ ہو،اس لئے حتی المقدور ایسی وضع قطع سے اجتناب کرنا چاہئے ،اسلام کی نظر میں یہ بات نہایت ہی ناپسندیدہ ہے کہ مسلمان اپنی معاشرت اور وضع قطع میں غیر مسلموں کی مماثلت اختیار کریں،ٹائی بھی ایسی چیزوں میں سے ہے(**کتاب الفتاوی:٦/ ٥٩**)۔

دورحاضر اور ٹائی کا استعمال

قابل غور امر یہ ہے کہ ٹائی کا استعمال اس وقت بالکل عام اور بکثرت ہے، نیز اکثر حضرات اس کا استعمال کسی مذہبی شعار کے طور پر نہیں کرتے بل کہ لباس کے ایک ضمنی جزء کے طور پر کرتے ہیں ایسی صورت میں اس کے استعمال پر حرام کا حکم لگانا دشوار ہوتب بھی کراہت سے تو خالی نہیں، کیونکہ اس کے استعمال میں غیر مسلم اقوام کی مشابہت ضرور ہے، چنانچہ ماضی قریب کے ایک بہت بڑے عالم اور معروف صاحب افتاء مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب لکھتے ہیں: ’’ٹائی ایک وقت نصاری کا شعار تھا،اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا اب غیر نصاری بھی بکثرت اس کا استعمال کرتے ہیں،اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا ،لیکن کراہت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہت سخت ہوگی کہیں ہلکی ، جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے ، وہاں اس کے منع کرنے پر زور نہیں دیا جائے گا(**فتاوی محمودیہ:١٢/ ٤٠٧**)۔

تعلیمی ادارے اور ٹائی کا استعمال

جس جگہ اس کا استعمال بالکل عام ہے اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا اس کا مطلب ہرگز یہ

نہیں کہ اس کے استعمال پر زور دیا جائے یا اس کے استعمال کو واجب قرار دیا جائے، لیکن اس کے باوجود اکثر اسکولوں اور کالجوں میں خصوصا ان اسکولوں میں جہاں کی انتظامیہ مسلمان، اساتذہ مسلمان، اسکول میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات مسلمان ٹائی کے استعمال کو لازم قرار دیا جارہا ہے اور اسکول کے قوانین میں شامل کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ٹائی پہن کر نہ آنے والے طالب علم پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، جیسے اس نے کوئی گناہ کبیرہ کیا ہو، یا فجر کی نماز چھوڑ دی ہو، مزید اس کے سرپرستوں سے شکایت کر کے اسکول سے اخراج کی دھمکی دی جاتی ہے اور اگر کوئی سرپرست جس میں دین داری کی شمع روشن ہو اس سلسلہ میں کچھ لب کشائی کرے تو اسے غیر ترقی یافتہ، تنگ نظر، قدامت پسند اور اسکول کے قوانین کو توڑنے والا تصور کیا جاتا ہے، اگر یہ سب کچھ ان اسکولوں میں ہو جن کے اساتذہ اور انتظامیہ مسلمان نہ ہوں تو کوئی افسوس کی بات نہیں، لیکن یہ سب مسلم اداروں میں ہو تو باعث افسوس ہے۔

لہذا مناسب اور بہتر بات یہ ہے ٹائی کے استعمال سے احتیاط برتی جائے اور مسلم انتظامیہ ٹائی کے استعمال کو لازمی قرار دینے سے اجتناب کریں، کیوں کہ حدیث میں غیر مسلم اقوام سے تشبہ سے منع کیا گیا ہے اور تشبہ کی سب سے بدترین قسم وہ ہے جو دینی اور مذہبی شعار میں ہو اور بہر صورت یہ ممنوع اور غیر پسندیدہ ہے، مثلا ہندوؤں کی طرح ٹیکہ لگانا، سکھوں کی طرح ہاتھ میں بالے پہننا، عیسائیوں کی طرح صلیب لٹکانا یا اس کے متبادل ٹائی کا استعمال کرنا، بحیثیت مسلمان اس طرح کی تمام چیزوں سے بچنا فرض ہے اور اپنے بچوں کو بھی غیر اسلامی طریقہ سے محفوظ رکھنا اسلامی فریضہ ہے، تا کہ ہم خود اور ہمارے بچے مکمل طور پر مذہبی شعائر اور عبادات میں دوسروں سے ممتاز رہیں اور حقیقی مسلمان اور کامل مومن بن کر زندگی گذاریں۔ ☆☆☆

اساتذہ کا نقش بچوں کی زندگی پر

اگر مٹی کو سونا بنانے والے، ذرے کو آفتاب کردینے والے، سنگ ریزوں کو ہیرے کی قیمت دینے والے انسان کا نام پوچھا جائے تو ہر ایک کی زبان پر استاذ، معلم اور ٹیچر ہی کا نام آئے گا، ماں باپ اگر ہمارے جسم وبدن کی پرورش کرتے ہیں تو استاذ ومعلم ہمارے قلب وروح کی تربیت کا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب قلب وروح کا درجہ جسم وبدن سے بڑھا ہوا ہے تو قلب وروح کو غذا فراہم کرنے والوں کا مرتبہ بھی جسم وبدن کی پرورش کرنے والوں سے بلند ہوگا اس لئے کہ ماں باپ ہمیں چلنا ضرور سکھاتے ہیں، لیکن چلنے کا سلیقہ استاذ سکھاتا ہے، والدین ہمیں بولنا ضرور سکھاتے ہیں لیکن بولنے کے اصول وضوابط سے استاذ واقف کراتا ہے، استاذ ایک سایہ دار درخت کے مانند ہوتا ہے، جس کا شفقت بھرا سایہ تلملاتی دھوپ اور گرمی میں سرگرداں اور پریشان حال شاگردوں کے لئے تسلی کا سامان مہیا کرتا ہے، وہ پھل دار درخت کا بدل ہوتا ہے، جس کے پھلوں کی مٹھاس اور شیرینی مفید اور سودمند ہوتی ہے، استاذ اس ٹھنڈے چشمہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے علم کی ٹھنڈک دل ودماغ کو تازگی بخشتی ہے، وہ ایک سمندر ہے جو علم وحکمت کے قسم قسم کے موتی وجواہر سے بھرا ہوتا ہے، جس طرح بارش خشک زمین کو زرخیز بنادیتی ہے، اسی طرح استاذ علم سے خالی معصوم بچوں کے قلوب کو علم کے انوار وبرکات سے زرخیز بنادیتا ہے، ایک طرف ماں کی ''ممتا'' ممتاز ہے تو دوسری طرف استاذ کا ''پیار'' بھی نمایاں اور نایاب ہے۔

استاذی کا پیشہ اسی وجہ سے معزز اور قابل قدر ہے، ہمارے اسلاف نے اس پیشہ کے احترام کا مکمل خیال بھی رکھا اور اس کی قدر کرتے ہوئے اس کا حق بھی ادا کیا، یہی وجہ ہے کہ ماضی میں لوگ

اپنے اساتذہ کے زیادہ قدرداں نظر آتے تھے،لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم منصب کا جو تقدس اور وقار پہلے تھا اس قدر اب باقی نہیں رہا، حالات زمانہ اور روزمرہ کے واقعات اس بات پر شاہد بھی ہیں کہ کسی استاذ نے طالب علم کو اس قدر مارا کہ اس کے جسم کو لہولہان کر دیا، یا اس کے کسی عضو کو ہی ناکارہ بنا دیا،کبھی کسی ٹیچر نے اپنی شاگردہ سے عشق بازی شروع کر دی،تو کبھی اس کی آبروریزی کی کوشش کرڈالی،اس کے علاوہ رشوت ، مالی کرپشن اور وقت کی عدم پابندی نے بھی اساتذہ کی ساخت کو خراب کرنے میں نمایاں رول ادا کیا،بعض اساتذہ نے اپنے اصولوں کو مال وزر کی خاطر توڑ کر اس مقدس پیشہ کو مذاق بنا دیا اور اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اس پیغمبری سنت کا بھی سودا کرڈالا، امانت داری اور سچائی کا گلا دبا دیا، دوسروں کو جلا بخشنے کے بجائے خود روشنی کا محتاج ہو گیا اور آسمان سے گر کر زمین بوس ہو گیا۔

ان سب چیزوں کے باوجود بھی اس زمانہ میں اچھے اور بہتر اساتذہ موجود ہیں،جن کے بارے میں بلا شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس ٹھنڈی ہوا کی طرح ہیں، جو موسم کو خوشگوار بنا دیتی ہے وہ بروقت برسنے والے مینہ کی طرح ہیں،جس کی ہر کوئی خواہش کرتا ہے،جنھیں دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے،جن کی شفقت بھری نظر طلبہ کے لئے راحت بن جاتی ہے،جن کی محبت آمیز ڈانٹ جسم میں لہو بن کر اتر جاتی ہے،جن کی ہر ادا قابل تقلید اور ہر بات قابل عمل ہوتی ہے،طلبہ جن کے علم کے اسیر اور اخلاق سے مسحور ہوتے ہیں اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اپنی زندگی کے نقوش اپنے شاگردوں کے قلوب پر چھاپ جاتے ہیں، یہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس پیشہ کو صرف کمائی کا ذریعہ نہیں سمجھتے ،بل کہ اسے قوم وملت کی عظیم خدمت تصور کرتے ہیں،جن کے قلوب میں معلم عربی ﷺ کا یہ قول ”لا أسئلکم علیه أجرا“ ہمیشہ راسخ رہتا ہے،ایسے ہی اساتذہ قوم کے معمار اور معاشرہ کی اصلاح کے ضامن ہوتے ہیں،انھیں سے نسلوں کو زندگی کا صحیح رخ نصیب ہوتا ہے،انھیں سے انسانیت میں حیات باقی رہتی ہے۔

بلا شبہ ایسے اساتذہ لائق تحسین ہیں اور ان کی قربانیوں کی قدر کرنا ہر ایک کا اخلاقی فریضہ ہے، اس لئے کہ انھیں اپنے فرض منصبی کا خوب احساس ہے اور وہ ساری تکالیف اور نامناسب حالات کا

مقابلہ مال ودولت کے لئے نہیں بل کہ عزت واحترام کے حصول کے لئے کرتے ہیں، یقیناً عزت واحترام ان کا بنیادی حق ہے جو انھیں حاصل ہونا چاہئے ،تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس دنیا میں ایسے لوگوں کو ان کا حق حاصل ہوا ہے اور علم کے میدان میں چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی انھیں افراد نے ترقی کی ہے اور وہی لوگ علم کے آسمان میں سورج بن کر چمکے ہیں، جنھوں نے ایسے اساتذہ کی قدر کی ان کا ادب کیا، ایسے اساتذہ کی خدمت کر کے ان کی دعائیں لیں اور اللہ تعالی نے ان سے ایسا کام لیا کہ تاریخ کبھی اس کو بھلا نہیں سکتی اور اس کی سب سے بڑی مثال صحابہ کرامؓ ہیں کہ انھوں نے اپنے معلم ومربی حضور اقدس ﷺ کا ایسا ادب واحترام کیا کہ دشمن اس بات کے کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ہم نے ایسے شاگردوں کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے بعض دیہاتی شاگردوں کی آواز بلند ہونے لگی تو اللہ تعالی نے استاذ کا ادب یہ سکھلایا کہ استاذ کے سامنے آوازیں پست رکھو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے ان شاگردوں کی مقدس جماعت کو دنیا ہی میں اپنی رضامندی کی خوشخبری سنائی۔

یہ بات حقیقت ہے کہ اوصاف مذکورہ سے متصف استاذ سے وہی طالب علم فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اپنے استاذ کی قدر کرے، استاذ کے جملہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے حصول علم میں مشغول رہے، اس کے آرام وراحت کا خیال رکھے، جس استاذ نے زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھایا ہے اس کا ادب واجب اور ضروری ہے اور باادب ہی اندھیری راتوں میں چراغ روشن کرسکتا ہے، ورنہ اس دنیا میں بے ادب اور نافرمان شاگردوں کی بھی کمی نہیں کہ انھوں نے بے ادبی کی بناء پر اپنے لئے علم سے محرومی متعین کردی، نیز انھوں نے اپنا نقصان تو کیا ہی، ساتھ ہی ساتھ ان سے لوگوں کو بھی نقصان پہنچا، اس لئے اللہ تعالی جسے استاذ کے ادب کی توفیق عطاء فرمائے یقیناً وہ خوش نصیب ہے اور جو اس سے محروم رہے وہ بدنصیب ہے، کیوں کہ بے ادب خدا کے فضل سے محروم رہتا ہے اور استاذ کے فیض سے بھی ناآشنا رہتا ہے۔

ادب ہی سے انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

اور جو اساتذہ اپنے فرائض سے غفلت برتنے کے باوجود قدر ومنزلت کے متلاشی ہیں انھیں اپنے آپ کو پہچاننا ہوگا اور انھیں اپنے کردار کی تجدید کرنا ہوگی، نئی نسل کی تعمیر نو اور صحت مند سماج ومعاشرے کے وجود کی کوشش کرنا ہوگی، اپنی ذات سے لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا ہوگا، اگر ایسا ہوتا ہے تو یقیناً اس مقدس پیشہ کا تقدس واپس لوٹ آئے گا اور پھر ایک بار عزت کی چوٹی پر وہ کھڑا دکھائی دے گا، لہذا اساتذہ اس تقدس کو باقی رکھنے کے لئے جان کی بازی لگائیں اور قوم وملت کے افراد ایسے اساتذہ کی ہمت افزائی کے ساتھ انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھیں، یہی انصاف کا تقاضہ اور زمانہ کا حقیقی دستور اور انسانیت کا قانون ہے۔☆☆☆

عصری درسگاہوں کے طلبہ اپنی تعطیلات کیسے گذاریں؟

چھٹی، فراغت، فرصت اور آرام یہ سب راحت رسانی کے وقت کے مترادف نام ہیں، یہ الفاظ جب بھی کان سے ٹکراتے ہیں ایک عجیب سرور محسوس ہوتا ہے، رخصت کا تعلق صرف اسکول، کالج، ی یونیورسٹی، مدرسہ اور کمپنی ہی سے نہیں بل کہ اس کا تعلق ہر انسان کی زندگی سے ہے، چاہے وہ مزدور ہو یا ملازم، استاذ ہو یا شاگرد، غلام ہو یا آزاد، انسان کی فطرت کا تقاضہ اور اس کی طبیعت کی یہ چاہت ہے کہ اسے کچھ دیر آرام ملے، اسے کچھ دن فرصت ملے تا کہ وہ راحت کی سانس لے سکے، اپنے اہل وعیال کو بھی کچھ وقت دے سکے، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کو ان فرصت کے ایام کا انتظار لگا رہتا ہے، دن بھر کا تھکا ماندہ مزدور بھی شام ہونے کا خواہش مند رہتا ہے، ملازمین کی نگاہیں چھٹی کے متعینہ وقت کی سوئی پر ٹکی رہتی ہیں اور متعینہ وقت کے آتے ہی وہ سکون وراحت کی سانس لیتے ہیں، چھٹی چاہے کم مدت کے لئے ہو یا زیادہ مدت کے لئے، اسلامی تہوار کی مناسبت سے ہو یا غیر اسلامی تہوار کے موقع پر ہو اس کی خوشی میں یکسانیت پائی جاتی ہے، لیکن اگر موقع ہو طلبہ وطالبات کی تعطیل کا تو ان کی خوشی تو ساتویں آسمان کی بلندی پر ہوتی ہے، وہ اپنے لئے چھٹی کو ایک بہت بڑی نعمت تصور کرتے ہیں، ایسے موقع پر ان کے چہروں پر پھیلا سرور دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، خاص طور پر جب سالانہ تعطیلات کا مرحلہ ہو تو اس کی بات ہی کچھ نرالی ہوتی ہے، امتحان کی سخت سے سخت پریشانی کو چھٹی کے حسین خوابوں کی آس میں بسہولت برداشت کر لیتے ہیں، مشکل سے مشکل پرچہ بھی چھٹی کے پر لطف خیالات کو دل ودماغ سے نکالنے پر قادر نہیں ہوتا، آخر امتحان ختم ہو جاتا ہے اور حسین خواب کی تعبیر صداقت کی روشنی کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔

چھٹی فرصت اور فراغت کی شکل میں اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا"نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس الصحة و الفراغ " کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ کوتاہی برتتے ہیں، ایک صحت دوسری فرصت(بخاری:٦٤١٢)حدیث پاک میں فرصت کے زمانہ کو نعمت قرار دیا گیا،طلبہ کے لئے چھٹی اس حیثیت سے یقیناً نعمت ثابت ہوتی ہے کہ انھیں نہ اسکول جانے کی فکر، نہ ٹیوشن کا ٹینشن، نہ ہوم ورک کا دردسر اور نہ اساتذہ کا سامنا لیکن حدیث پاک میں فرصت کو نعمت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ فرصت اور فراغت کے لمحات کا صحیح استعمال کیا جائے ،ان اوقات کو کام میں لایا جائے ،اس لئے کہ یہ تعطیل بھی انسان کی زندگی کا حصہ ہے،حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "يا ابن آدم انما انت أيام فاذا ذهب يوم ذهب بعضك " کہ اے ابن آدم تیری ذات خود ایک زندگی ہے جب ایک دن گذر جاتا ہے تو تیرا بعض حصہ بھی ختم ہو جاتا ہے(قيمة الزمن عند العلماء: ٢٧) اور یہ حقیقت ہے کہ یہ چھٹیاں اس قدر تیزی سے گذر جاتی ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا ،احساس تو اس وقت ہوتا ہے جب اسکول کھلنے کی تاریخ قریب آ جاتی ہے،امام شافعیؒ فرماتے ہیں "صحبت الصوفيةفلم استفد منهم سوا حرفين أحدهما قولهم الوقت سيف فان لم تقطعه قطعك ---و نفسك ان شغلتها بالحق و الا شغلتك بالباطل " کہ میں اللہ والوں کی صحبت میں رہا تو میں نے ان سے صرف دو چیزیں حاصل کی ،ایک وقت تلوار ہے اگر تو نے اس کو نہیں کاٹا (یعنی اچھے کاموں میں استعمال نہیں کیا) تو وہ تجھ کو کاٹ دے گی دوسری چیز نفس ہے کہ اگر تو نے اس کو حق کے ساتھ مشغول رکھا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ تجھ کو باطل کاموں میں مشغول کر دے گا(قيمة الزمن عند العلماء ٢٧) وقت اور چھٹیوں کو کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ ان ایام سے فائدہ اٹھایا جائے، چاہے اس کی جو بھی شکل ہو، چنانچہ آپ اپنی تعطیلات ان کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں۔

☆ جن مضامین میں نمبرات کم ملے ہیں ان پر محنت کر کے پختگی پیدا کر سکتے ہیں۔

☆ اگلے درجہ کے متعلق اساتذہ سے رہنمائی حاصل کر کے محنت شروع کر سکتے ہیں۔

☆ کمپوٹر لائن میں کسی کورس کا انتخاب کر کے اس کی ٹریننگ شروع کر سکتے ہیں۔

☆ دینی کلاسس و سمر کیمپس میں حصہ لے کر دینی تشنگی کی سیرابی کر سکتے ہیں، نیز نماز وغیرہ کی تصحیح کر سکتے ہیں۔

☆ کچھ ایام اللہ کے راستہ میں تبلیغی جماعت میں جا کر ایمان کی پختگی اور اعمال کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

☆ تاریخی مقامات کی زیارت اور صحیح مقصد کی غرض سے شرعی حدود میں رہتے ہوئے سیر و تفریح کا پروگرام بنا سکتے ہیں۔

☆ کتب بینی اور مطالعہ کے ساتھ کسی حساس موضوع پر ایک مقالہ بھی تیار کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی جائز کاموں میں اپنی تعطیل کو خرچ کیا جا سکتا ہے، لیکن اکثر طلبہ اپنی تعطیلات کو بے کار ہی ضائع کر دیتے ہیں، ان کے دماغ میں چھٹیاں گذارنے کے متعلق پہلے سے کوئی پلان، کوئی خاکہ تیار نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے ان کے فرصت کے ایام کھیل کود، بے جا سیر و تفریح کی نذر ہو جاتے ہیں، بعض طلبہ تو اتنے بے حس ہوتے ہیں کہ انھیں اسکول کھلنے کی تاریخ تک یاد نہیں ہوتی اور بعض طلبہ کی چھٹیاں والدین کی نافرمانی، ایذارسانی، بیزاری اور انھیں پریشان کرنے کے لئے بہتر انداز میں استعمال ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں بچوں کے ساتھ والدین بھی قصوروار ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے لئے چھٹیاں گذارنے کے متعلق کوئی منصوبہ تیار نہیں کرتے، جب کہ والدین کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کے وقت کو صحیح استعمال میں لانے کی حتی المقدور کوشش کریں اور اس کے لئے اسباب بھی مہیا کریں، کیوں کہ والدین اور اولاد کے باہمی تال میل سے تعطیلات کو اچھے اور بہتر کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے، اگر اس کی کوشش کی گئی تو یہ تعطیلات عبادات یا کم از کم دنیوی اعتبار سے سودمند بن جائے گی۔ ☆☆☆

دوسرا باب

سماجیات

☆......ڈِبوں کے دودھ کا اثر بچوں کی زندگی پر

☆......بیٹی کی پیدائش زحمت نہیں رحمت

☆......غیر فطری عمل قہر خدا کا باعث

☆......گود میں کتا اور زمین پر بچہ

☆......اولاد کی تمنا

☆......قرض کی عدم ادائیگی جنت سے محرومی کا سبب

☆......انسانی زندگی پر اس کے خاندان کے اثرات

☆......خوشحال ازدواجی زندگی -- چند اصول

ڈبوں کے دودھ کا اثر بچوں کی زندگی پر

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالی نے انسان کو جمیع حیوانات سے ممتاز اور اعلی بنایا اور بہت ساری خوبیوں اور انعامات سے نوازا ہے، یقیناً ان نعمتوں کو انسان شمار نہیں کر سکتا، ان ہی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت دودھ کی ہے، جو خالص سفید اور صاف وشفاف ہوتا ہے، یہ دودھ چاہے عورت کا ہو یا بکری و گائے کا ہو، جو اپنی خصوصیات کی بناء پر اللہ کی قدرت کی ایک نشانی اور قابل عبرت بن گیا ہے۔ ارشاد باری ہے "وان لكم في الأنعام لعبرة نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين"" تمہارے لئے تو چوپایوں میں بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے حلق سے نہایت ہی آسانی سے اترتا ہے (نحل :٦٦)۔ یہی دودھ انسان وحیوان کے لئے مقوی غذا کا کام دیتا ہے، خصوصا نومولود کے لئے تو دودھ کی اہمیت وافادیت کا ہر کوئی قائل ہے اور انسان وحیوان پر اس کے ماں کے احسانات میں سے ایک بڑا احسان دودھ پلانے کا ہے، اللہ تعالی نے اولاد کو ماں کا یہی احسان یاد دل کر غیر معمولی حسن سلوک اور شکر کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی "ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهنا على وهن وفصله في عامين ان شكرلي ولوالديك" کہ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے (دو سال تک دودھ پلاتی رہی) لہذا تو میری اور اپنے والدین کی شکر گذاری کر (لقمٰن :١٤)۔ بچوں کی صحیح نشو ونما کے لئے دودھ اس وقت تک ضروری ہے، جب تک وہ دوسری غذا کھانے کے قابل نہ ہو جائیں، اسی لئے کسی بچہ کو دو سال سے زیادہ مدت تک دودھ پلانے کی ضرورت ہے تو دو سال کے بعد بھی دودھ پلانا جائز

ہے(البیــــان :۱۱/ ۱۲۲)لیکن عام طور پر دوسال کی عمر میں بچے دوسری چیزیں بھی کھانے شروع کرتے ہیں اس لئے مدت رضاعت دوسال متعین کی گئی ہے، جب کہ اس تعیین کا اصل مطلب یہ ہے کہ دوسال کی عمر کے اندر کوئی بچہ کسی عورت سے دودھ پی لے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی اور دوسال کے بعد پی لے تو ثابت نہیں ہوگی۔

ایک نومولود کے لئے دودھ کتنا مفید ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر اس کی ماں کا دودھ اس کے لئے ناکافی ہوجائے تو شرعا کسی دوسری عورت سے دودھ پینا جائز قرار دیا گیا، اسلام سے قبل یہ دستور معروف تھا، جب اسلام کی روشنی نمودار ہوئی تو اسے برقرار رکھا گیا بل کہ اجرت دے کر اپنے بچوں کو دودھ پلوانا مشروع کیا گیا(دیکھئے :البــقـــرہ :۲۳۳) اور اس کی مشروعیت عین فطرت انسانی کے مطابق تھی کہ کبھی بچہ کی پیدائش کے وقت ہی ماں کا انتقال ہوجاتا ہے اور اسے دودھ کی ضرورت ہوتی ہے تو کبھی کسی عورت کی کمزوری دودھ کی کمی کا باعث بنتی ہے اور اس کا بچہ دوسری عورت کے دودھ کا محتاج ہوتا ہے، ایک زمانہ تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ ایسے مواقع پر دوسری عورتوں کے ذریعہ ان نومولود کے دودھ کا انتظام کیا جاتا رہا لیکن دنیا میں جس قدر ترقی ہوتی گئی اسی قدر اس رواج میں تنزلی آتی گئی اور جانوروں کے تازہ دودھ کا حصول بھی ہر جگہ اس زمانہ میں اتنا آسان نہیں رہا، البتہ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے زمانہ نے اس کے بدل کے طور پر دودھ کو تھیلیوں اور ڈبوں میں پیک کرکے لوگوں کے سامنے پیش کیا، کبھی پاؤڈر کی شکل میں تو کبھی اس کی اصلی شکل میں اور لوگوں نے اسے بہت جلد قبول بھی کرلیا، خاص طور پر بچوں کی پرورش کے لئے ماؤوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھانا شروع کیا، بلکہ اس طرح کے دودھ کے استعمال کو اپنے مالدار اور ذی حیثیت ہونے کی علامت سمجھنے لگیں اور اپنا دودھ پلانے یا جانوروں کا تازہ دودھ خریدنے کے بجائے ڈبوں کے دودھ کو پلانا باعث فخر سمجھنے لگیں، یہ آگ صرف غیر اسلامی معاشرہ کو ہی نہیں بلکہ اسلامی معاشرہ کو بھی اپنے لپیٹ میں لے رہی ہے، لہذا اس سلسلہ میں اس بات کی واقفیت انتہائی ضروری ہے کہ ان ڈبوں میں پیک کیا ہوا دودھ انسانی ہے یا جانوروں کا ہے؟ اور کیا اس دودھ کا استعمال مضر ہے یا غیر مضر ہے؟ نیز اسلام نے اس تعلق سے کچھ رہنمائی کی ہے یا نہیں؟ اس کے بغیر آنکھیں بند کرکے مغرب کے

پر رونق مکر و فریب کے جال میں پھنس کر اپنی عاقبت کو خراب کرنا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

ڈبوں کا دودھ اور اس کی خرید وفروخت

ڈبوں اور پیکیٹ میں فروخت ہونے والا دودھ عام طور پر گائے بکری اور بھینس کا ہوتا ہے اس طرح کے دودھ کا استعمال بالکل جائز اور بہتر ہے، لیکن چند سال قبل بچوں کی زندگی میں انسانی دودھ کی اہمیت کے پیشِ نظر بعض مفکرین نے عورتوں کے دودھ کو جمع کرنے اور احتیاط سے اسے ڈبوں میں پیک کر کے فروخت کرنے کی بینک کاری شروع کی، آج یورپ میں انسانی خون کی طرح دودھ کی بینک کاری بالکل عام ہے، یہ بینک عورتوں کا دودھ خرید کر دیگر اشیاء کے ساتھ خلط ملط کر کے اسے پیک کرتی ہے اور مارکیٹوں میں فروخت کرتی ہے، یہ دودھ دراصل انسانی دودھ ہے، اس کی خرید وفروخت باقاعدہ اس زمانہ میں شروع ہوئی، لیکن فقہاء کی عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں بھی انسانی دودھ کی خرید وفروخت کا کسی حد تک رواج تھا، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں" بیع لبن الآدمیات جائز عندنا لا کراهة فيه ...بانه لبن طاهر منتفع به فجاز بيعه كلبن الشاة ، لأنه غذاء للآدمى فجاز بيعه كالخبز" کہ انسان کے دودھ کی بیع بغیر کراہت کے جائز ہے، اس لئے کہ انسان کا دودھ پاک ہے اور قابل انتفاع ہے، اس کی بیع بکری کے دودھ کی طرح جائز ہے اور اس لئے بھی کہ وہ آدمی کی غذا ہے اس کی بیع روٹی کی بیع کی طرح جائز ہے(المجموع :۹/ ۲۱٤)۔

ڈبوں کے دودھ کا استعمال

مذکورہ تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دودھ کی خرید وفروخت تو جائز ہے، البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ کیا اس طرح کے دودھ کا استعمال نقصان دہ ہے؟ اس کا مدار اس دودھ پر ہے کہ اگر وہ دودھ جانوروں کا ہے تو اس میں نقصان کا اندیشہ نہیں، لیکن اگر وہ دودھ انسانی ہے تو اس میں دو طرح کے نقصان کا امکان ہے، ایک نقصان کا تعلق تو بچہ سے ہے یعنی اس دودھ کے استعمال سے بچہ کے اخلاق وعادات میں فساد و بگاڑ پیدا ہوگا، کیوں کہ ایک مومنہ ماں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ کے ایک ایک قطرہ کے ساتھ اللہ ورسول کی

عظمت، دین کی محبت اور ایمان و یقین کے جام سے بھی اسے سیراب کرے اور اچھے اخلاق اور پاکیزہ خیالات کو اس کے قلب وروح میں بسانے کی کوشش کرے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دودھ کا اثر بچوں کی طبیعت اور اخلاق میں ظاہر ہوتا ہے اور ڈبوں میں جمع کیا جانے والا دودھ کس طرح کی عورتوں کا ہے اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، اگر بالفرض یہ دودھ مشرکہ، زانیہ اور فاحشہ عورتوں کا ہو تو دودھ کے ساتھ بچوں کی زندگی میں شرک، زنا اور فحاشی جیسی صفات رذیلہ کا اثر نمایاں طور پر ظاہر ہوگا اور دوسرے نقصان کا تعلق اپنا دودھ فروخت کرنے والی عورتوں سے ہے کہ اگر اس عورت کا بھی بچہ ہو تو اس طرح دودھ کی خرید وفروخت میں اس بچہ کے لئے دودھ کی کمی باعث تکلیف ہوگی، جس سے بچہ کی صحت متأثر ہوگی، مذکورہ طریقہ میں عورتوں کی کرامت کی توہین کا پہلو بھی غالب ہے کہ جانوروں کی طرح عورتوں کا دودھ نکال کر فروخت کیا جائے، اسی طرح خود اس عورت کی صحت بھی متأثر ہوگی کہ جب بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے تو اس کے پستان کو چوستا ہے اور اس عمل سے ماں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن اگر یہ دودھ کسی جدید آلہ سے نکالا جائے تو دودھ کی رگوں کو ضرر پہنچنا یقینی ہے، جس سے اس کی صحت بھی متأثر ہوگی، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ جن عورتوں کا دودھ ڈبوں میں پیک کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی عورت ایسی ہو جو کسی متعدی مرض میں مبتلا ہو اور اس کا یہ مرض دودھ کے ذریعہ بچوں میں منتقل ہوگا اور بچے بھی اس مرض کے شکار ہوں گے، اگرچہ اس بات کا امکان ہے کہ نقصان دہ دودھ کی تشخیص کر لی جاتی ہوگی لیکن بعض مرتبہ تشخیص ناکام بھی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ نقصانات کے پیش نظر اس طرح کے دودھ کا استعمال بغیر ضرورت کے نہیں کرنا چاہئے، بل کہ اس سے اجتناب اور احتیاط ہی اولی ہے اور ان نقصانات سے حفاظت کے لئے اپنا دودھ پلانے کی کوشش کرنا چاہئے اور دودھ کی کمی کو ادویہ اور مقوی غذا سے دور کرنا چاہئے تا کہ ہمارے بچے ذہین وفہیم اور مظبوط وطاقتور بن جائیں، دودھ کے سلسلہ میں اس طرح ترقی کے باوجود اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچہ کے لئے اس کی ماں کے دودھ سے زیادہ بہتر اور مفید کوئی چیز نہیں، لہذا جو عورتیں اپنے حسن وجمال کو باقی رکھنے کے لئے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں، وہ اپنے فرض میں کوتاہی برتتی ہیں اور اپنے بچوں کی حق تلفی کرتی ہیں، اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔☆☆☆

بیٹی کی پیدائش زحمت نہیں رحمت

خوشی اور غم انسانی زندگی کے دو اہم جزء ہیں، ہر انسان کو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ان دو چیزوں سے واسطہ وسابقہ پڑتا ہے، کبھی دن کی ابتداء خوشی سے ہوتی ہے تو انتہاء غم سے کہ رات کی تاریکی ان تمام خوشیوں کو ذبح کر دیتی ہے، کبھی آسمان پر خوشی کے سفید وصاف بادل نظر آتے ہیں، لیکن وہ بادل سیاہ ہو کر خوشی کی میعاد کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہیں، بعض لوگ خوشی کی بارش سے خوب سیراب ہوتے ہیں لیکن اچانک غم کا سیلاب اس خوشی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح بعض لوگ اولاد کی نعمت پا کر خوش وخرم نظر آتے ہیں تو بعض لوگ اس نعمت سے محرومی کے سبب غمگین اور افسردہ دکھائی دیتے ہیں اور بعض والدین تو نرینہ اولاد کی نعمت پر فرحاں وشاداں، لیکن مادہ اولاد کی نعمت پر پریشان اور غمزدہ معلوم ہوتے ہیں، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی خوشی وغم کا مالک وخالق صرف اور صرف اللہ تعالی ہی ہے، اسی طرح لڑکے اور لڑکی کے اعتبار سے اولاد کی تقسیم کا مالک اللہ تعالی ہی ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا "لله ملك السموٰت والأرض يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء إناثا ويهب لمن يشاء الذكور، أو يزوجهم ذكرانا وإناثا ويجعل من يشاء عقيما إنه عليم قدير" آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالی ہی کے لئے ہے، جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا ان کے لئے بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے (الزخرف : ۴۹،۵۰)۔

بیٹی کی پیدائش پر ناراضگی زمانہ جاہلیت کی عادت

زمانہ جاہلیت کی بہت سی بری عادتوں میں سے ایک بری عادت یہ تھی کہ اس زمانہ میں عورت کو

منحوس سمجھا جاتا تھا اور اس کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ دفن کرنے کی تیاری شروع ہوتی اور ایک زندہ روح کو زمین کے حوالہ کیا جاتا، لیکن اسلام کی آمد پر صرف اس قبیح عادت پر بندش ہی نہیں لگی بل کہ لڑکی کی پیدائش کو بابرکت قرار دیا گیا، اس کی پرورش کو باعث ثواب بتلایا گیا، اسے عزت واحترام کا تحفہ عطا کیا گیا اور اس کی توہین وتحقیر کو ناپسند کیا گیا، اس کے جینے کے حق کے غاصب کو مجرم قرار دے کر قابل گرفت بنایا گیا۔ ارشاد باری ہے "وإذاالموءدة سئلت بأي ذنب قتلت" کہ جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی (التکویر:۹،۸)۔ اس سوال سے اصل قاتل کی سرزنش مقصود ہوگی نہ کہ زندہ درگور کی گئی لڑکیوں کی، لیکن زمانہ جاہلیت سے صدیوں دوری کے باوجود آج بھی بیٹی کی پیدائش پر باپ کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، ایک ماں کو صرف اس لئے ذلیل کیا جاتا ہے کہ اس نے بیٹی کو جنم دیا، ایک بیوی اپنے شوہر کے طعن وتشنیع کے تیروں کی شکار صرف اس لئے بنتی ہے کہ اس نے نو ماہ تک اس کے نطفہ کے بوجھ کو بیٹی کی شکل میں اٹھا کر ساری تکلیفوں کو برداشت کیا، یہ سب چیزیں اس ترقی یافتہ دور میں زمانہ جاہلیت کی بہترین نمائندگی اور عکاسی کر رہی ہیں، جو بالکل نامناسب اور نازیبا حرکتیں ہیں اور خدا کے فیصلہ سے کھلی بغاوت ہے اور اگر بالفرض بیٹی کی پیدائش منحوسیت کی علامت ہوتی تو یقیناً اللہ تعالی اپنے پیارے حبیب ﷺ کو بیٹیوں کی نحوست سے محفوظ رکھتے، لیکن اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو نرینہ اولاد عطاء فرمائی تھی اس کو بھی باقی نہ رکھا بل کہ آپ ﷺ کی بیٹیوں نے اپنے باپ سے پرورش پائی۔

بیٹی بھی بیٹے کا بدل بن سکتی ہے

عام طور پر لڑکی کی پیدائش پر آدمی اس لئے ناراض ہوتا ہے کہ وہ نرینہ اولاد سے محروم رہتا ہے، یا کثرت سے مادہ اولاد کی پیدائش والدین کے لئے دردسر بن جاتی ہے، اس لئے کہ والدین کے دل میں بیٹے کے متعلق جو بلند تصورات وخیالات پہلے سے جنم لئے ہوتے ہیں وہ بیٹی کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات تاریک نظر آنے لگتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ تصور قرآنی آیات کے خلاف ہے، قرآن اس بات کا شاہد ہے کہ جو ارادے اور عزائم بیٹے کی پیدائش سے وابستہ ہیں ان کو بیٹی کے ذریعہ بھی مکمل کیا

جا سکتا ہے، اللہ تعالی حضرت عمرانؑ کی بیوی کی نذر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں " إذ قالت امرأت عمران رب إني نذرت لك مافي بطني محررافتقبل مني انك انت السميع العليم ،فلما وضعتها قالت رب إني وضعتها أنثى والله أعلم بما وضعت وليس الذكر كالأنثى "جب عمرانؑ کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو میری طرف سے اس کو قبول فرما یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے، جب اس نے بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی اور اللہ تعالی کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا(آل عمران : ۳۵، ۳۶) ۔دراصل حضرت عمرانؑ کی بیوی نے بیٹے کی امید کے اعتبار سے نذر مانی تھی لیکن جب بیٹی پیدا ہوئی تو بطور افسوس کے کہنے لگی کہ تیری عبادت کا حق جو ایک مرد ادا کرسکتا ہے وہ کمزور عورت ادا نہیں کرسکتی لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی بیٹی جس کا نام مریمؑ رکھا تھا، عبادت الہی کے لئے وقف کیا اور اللہ تعالی نے اسے قبول بھی کیا، اللہ فرماتے ہیں "فتقبلها ربها بقبول حسن وأنبتها نباتا حسنا وكفلها زكريا " کہ اس بیٹی کو اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول کرلیا اور اس کی بہترین پرورش کی اور اس کی خیر خبر لینے کے لئے حضرت زکریاؑ کو ذمہ دار بنایا(آل عمران : ۳۷) اس واقعہ سے پتہ چلا کہ حضرت عمرانؑ کی بیوی نے جن مقاصد کی خاطر بیٹے کی تمنا اور آرزو کی تھی اللہ تعالی نے ان مقاصد کو بیٹی کے ذریعہ مکمل کیا اور تجربہ بھی اس بات کا گواہ ہے کہ بیٹی کسی بھی طرح ایک بیٹے سے کم نہیں ہوتی ، کیونکہ بہت سی ایسی لڑکیاں ہیں جنھوں نے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عزم وحوصلہ سے یہ ثابت کردکھایا کہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ سماج ومعاشرہ کی اصلاح کی طاقت رکھتی ہیں، علم کے میدان میں بھی وہ کسی سے کم نہیں، بس والدین کے اعتماد اور بھروسہ کی ضرورت ہے پھر وہ اپنا مقام خود بنالیتی ہیں۔

رحم مادر میں بیٹی کا قتل انتہائی سنگین جرم

رحم مادر میں پرورش پانے والے نومولود کا اصل حق تو یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں آئے، اپنے والدین

کی شفقت اور ممتا کے سایہ میں پرورش پائے، اس دنیا کی چمک دمک کو محسوس کرے، اسی مقصد کی خاطر شریعت نے رحم مادر میں پرورش کے مراحل سے گذرنے والے بچہ کی حفاظت کی غرض سے جو احکام مرتب کئے ہیں ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک جنین (انسانی جان) کی کتنی اہمیت ہے، چنانچہ اللہ نے فرمایا "وان کن اولات حمل فأنفقوا علیهن حتی یضعن حملهن" (الطلاق:٦)۔ کہ طلاق بائن ومغلظہ کی صورت میں اگر عورت حاملہ ہے تو اس حمل کی صحت کی خاطر بچہ کی پیدائش تک اس کی ماں کے نفقہ کو شوہر پر واجب کیا گیا ہے، اسی طرح اگر کسی عورت پر قصاص واجب ہو جائے، یا کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو جائے، لیکن وہ مذکورہ صورتوں میں حاملہ ہو تو حمل کی حفاظت کی خاطر اس پر وضع حمل تک نہ قصاص واجب ہوگا اور نہ کسی قسم کی سزا اور حد جاری ہوگی، چنانچہ منقول ہے "ولا یقتص من حامل حتی تضع" کہ حاملہ عورت سے وضع حمل تک قصاص نہیں لیا جائے گا "ولا ترجم الحامل حتی تضع" زنا کی وجہ سے حاملہ عورت کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، "ولا یجلد ....المرأة فی الحبل حتی تضع" کہ زانیہ کو دوران حمل کوڑے نہیں لگائے جائیں گے (عمدة السالك: ۲۲۱/۱۱)۔ ایک طرف شریعت نے حمل کی حفاظت کا اتنا اہتمام فرمایا تو دوسری طرف پوری دنیا میں اسقاط حمل کی جو لہر جاری ہے وہ حیران کن ہے، غیر تو غیر مسلمان عورتیں بھی دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ہیں، بیٹے کی خواہش مند عورتیں پیدائش سے قبل ہی الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ حمل کے متعلق معلومات حاصل کرتی ہیں اور بیٹی ہونے کی صورت میں اپنا حمل ساقط کرا دیتی ہیں، جب کہ حمل کی مدت ایک سو بیس دن ہو جانے کے بعد اسقاط حمل بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے، "أجمع فقهاء المذاهب الاسلامية من السنةعلى حرمة قتل الجنين بعد نفخ الروح أى بعد مرور مائة وعشرين يوما منذ التلقيح ، ولا يجوز قتله بأى حال من الأحوال" کہ اہل سنت والجماعۃ کے تمام مذاہب کے فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بچہ میں روح پھونکنے کے بعد اس کو اسقاط حمل کے ذریعہ قتل کرنا حرام ہے اور اسے کسی بھی حالت میں زندگی سے محروم کرنا جائز نہیں ہے (احکام الجنین:١٦٩)۔ اور نفخ روح سے پہلے بھی بغیر ضرورت کے اسقاط حمل کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ قتل نفس کے مشابہ ہے،

چنانچہ علامہ یوسف قرضاویؒ فرماتے ہیں ”الاصل فی الاجهاض الحرمة وان كانت الحرمة تكبر وتعظم كلما استقرت حياة الجنين ، فهو فی الأربعين الاولى أخف حرمة فقد يجوز لبعض الأعذار المعتبرة وبعد الأربعين تكون الحرمة أقوى ، فلا يجوز الا عذار أقوى يقدر أهل الفقه وتتأكد الحرمة وتتضاعف بعد مائةوعشرين يوما حيث يدخل فی مرحلة نفخ الروح“ کہ اصل اسقاط حمل کا حکم حرام ہی ہے، اگر چہ یہ حکم اس وقت سخت ہوتا ہے جب جنین میں جان پڑ جاتی ہے، اسقاط حمل کی حرمت حمل کے ابتدائی چالیس دنوں میں کم رہتی ہے اور اس دوران بعض اعذار کی بناء پر جو شرعی اور طبی اعتبار سے بھی عذر ہو اسقاط حمل جائز بھی ہوتا ہے، چالیس دنوں کے بعد یہ حرمت بڑھ جاتی ہے، اتنی مدت کے بعد فقہاء کے نقطہ نظر سے قوی اعذار کے بغیر اسقاط حمل کی اجازت نہیں ہے اور ایک سو بیس دن یعنی نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کی حرمت بہت زیادہ سخت اور مؤکد ہو جاتی ہے(احکام الجنین:١٦٦)۔

اسقاط حمل کے خلاف حکومت کا بہترین اقدام

حکومت نے ۲۴/ جنوری کو ”یوم دختران“ کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے، اس موقع پر لڑکیوں کی پیدائش پر خوشیاں منائی جائیں گی اور دختر کشی کی سماجی لعنت کے بارے میں شعور پیدا کیا جائے گا، یہ اعلان یقیناً خوش کن ہے اور مایوسی کے اندھیرے میں روشنی کی کرن ہے، لیکن یہ روشنی کی کرن اس وقت مفید ثابت ہوگی، جب اس کے مطابق عمل بھی کیا جائے ، یعنی اس برے فعل کو قانونا جرم قرار دیا جائے، اس کے مرتکب پر دیگر مجرمین کی طرح کسی دفعہ کے تحت سخت سزا مقرر کی جائے اور عوام کو بھی حکومت کا تعاون کرنا چاہئے کہ ایسے والدین کی فورا نشاندہی کریں تا کہ اس سنگین جرم پر قابو پایا جاسکے، تا کہ اللہ کی ناراضگی سے بچا جائے ، اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو وہ وقت دور نہیں کہ اس دنیا کی رونق ختم ہو جائے گی ، اور اس کائنات کا جس چیز سے تصور ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

غیر فطری عمل.......قہر خداوندی کا باعث

ماہ مئی کی ایک رات میں اپنے دن بھر کی تمام مشغولیات سے فارغ ہو کر بستر پر دراز مسنونہ اذکار پڑھ کر سونے کی کوشش کر رہا تھا، رات کے تقریبا ساڑھے گیارہ بج چکے تھے، نیند مجھے اپنی آغوش میں لینا ہی چاہتی تھی کہ قریب میں رکھے ہوئے موبائل کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی، میں نے جلدی سے فون ریسیو کیا، سلام علیک کے بعد ایک جانی پہچانی آواز لگی، میرے مخاطب ایک نوجوان تھے، انھوں نے خیریت دریافت کی اور کہا کہ ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، میں نے ان سے کہا کہ پوچھئے، ان کا سوال یہ تھا کہ اگر دو نوجوانوں کے آپسی تعلقات کی وجہ سے منی خارج ہو جائے تو اس وقت جو غسل کیا جائے گا اس میں نیت کس طرح کی جائے، مجھے ان کے سوال سے بہت زیادہ حیرت ہوئی، لیکن میں نے ان سے پوچھا کہ کیا اس طرح کے حالات مسلم نوجوانوں میں پیش آرہے ہیں تو ان کے جواب سے میرے ہوش اڑ گئے، ان کا کہنا تھا ایسے واقعات کی مسلم نوجوانوں میں ابتداء نہیں بلکہ انتہا ہوگئی ہے، اس گفتگو کے بعد نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی، کافی جدوجہد کے بعد مجھے نیند تو آئی لیکن اس بات کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا اور اسی نے مجھے جنبش قلم پر مجبور کر دیا۔

مذکورہ فعل کی نسبت قوم لوط کی طرف ہوتی ہے، اس لئے کہ حضرت لوطؑ کی قوم کافر ہونے کے علاوہ ایسی خبیث بدکاری و بے حیائی میں مبتلا تھی، جو دنیا میں پہلے کبھی نہیں پائی گئی تھی، جس سے جنگل کے جانور بھی نفرت کرتے تھے کہ مرد مرد کے ساتھ منہ کالا کریں جس کا وبال وعذاب عام بدکاری سے بدرجہا زیادہ ہے، اسی لئے اس قوم پر ایسا شدید عذاب آیا جو عام بدکاری و بے حیائی کرنے والوں پر کبھی نہیں آیا جس کی تفصیل سورہ ہود میں موجود ہے، نیز انبیاء سابقین کی جن جن قوموں پر بھی عذاب نازل

ہوااس میں صرف ان کے کفر کا دخل تھا لیکن قوم لوط پر عذاب کا سبب کفر کے ساتھ ان کا یہ خبیث فعل بھی تھا، اس عذاب کے ساتھ قوم لوط ہمیشہ کے لئے ہلاک ہوگئی جو اس فعل کی عادی تھی، جن کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے عورتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں، لیکن یہ فعل قوم لوط کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوا بلکہ کسی نہ کسی حد تک اس کا وجود باقی رہا اگر چہ اس کا نام تبدیل ہوتا رہا اور آج یہ فعل بالکل عام ہوگیا ہے، بعض یورپی ممالک میں تو حکومتی سطح پر اس کی اجازت ہے، اور اس فعل کا مرتکب قانون کے ہاتھوں سے آزاد ہے، البتہ ہمارے مہذب ملک میں قانونی اعتبار سے اس فعل میں ملوث افراد ''دفعہ ۳۷۷'' کے تحت مجرم قرار دیئے جاتے تھے، لیکن افسوس کہ حکومت ہند کی عدالتوں نے بھی اس دفعہ میں ترمیم کر کے اس قبیح فعل کے جواز کو فراہم کیا، عدالت کے اس فیصلہ پر بعض یورپی ممالک میں جشن منائے گئے تو ہندوستان کے شریف و مہذب لوگوں نے اس پر ماتم کیا اور ان فیصلہ کرنے والے جج حضرات پر لعنت وملامت کی، کئی جگہوں پر احتجاجی مظاہرے کئے گئے، کئی دنوں تک اخبارات میں اہل قلم حضرات نے اس کی مذمت پر مضامین لکھے، جمعیۃ علماء ہند نے ہم جنسی کو لعنت، فطرت انسانی کا بگاڑ اور اخلاقی اقدار کا زوال قرار دیتے ہوئے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ ''دفعہ ۳۷۷'' میں ترمیم نہ کرے اور ہم جنسی کے جائز قرار دینے کے ہر اقدام پر روک لگائے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے حالیہ اکیسویں اجلاس عام میں ہندوستان کے مغرب کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اپنی سماجی قدروں سے منہ موڑنے پر تشویش ظاہر کی گئی، جس کی واضح مثال ہماری معزز عدالتوں کا ہم جنسی پر مبنی تعلقات کے جواز کا فیصلہ ہے، اس فیصلے کے اثر کو زائل کرنے کے سلسلہ میں حکومت کی عدم دلچسپی اور بے توجہی بھی ایک اخلاقی المیہ سے کم نہیں ہے، ایک محبّ وطن شہری اور ملک کے بہی خواہ کی حیثیت سے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ایسے مخرب اخلاق فیصلوں کو روکیں اور ان کے خلاف سد راہ بن جائیں، نیز ہم اپنی معزز عدالتوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ایسے فیصلوں سے گریز کریں جو مذہب کی مسلمہ قدروں اور ملک کی اخلاقی روایت کے خلاف ہیں، نیز اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ ان کا منصب قانون کی تشریح ہے نہ کہ وضع قانون۔

الغرض صرف ہندوستان کی عدالت ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کی عدالتیں اس طرح کے فیصلے سے

پوری انسانیت کو شرمناک کریں اور تہذیب وشرافت کے سرمایہ کو دفن کریں اور ایک متفق علیہ حرام چیز کو حلال کر دیں، مگر مذہب اسلام جو دائمی وازلی مذہب ہے جس کے اصول وقوانین مبنی بر انصاف اور انسانیت کے عقل ومزاج کے مناسب ہیں، ان اصولوں میں کسی قسم کی تبدیلی وانحراف کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ایسے مذہب میں ایک حرام چیز کیسے جائز ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالی نے انسان کے اندر خواہشات ودیعت کی تو اس کی تکمیل کے لئے عورت جیسی عظیم نعمت کا انتظام کیا اور اس میں بھی انسانی فطرت کا خیال رکھتے ہوئے غیر فطری طریقہ سے خواہشات کی تکمیل کو حرام کیا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''نساء کم حرث لکم فاتو حرثکم انی شئتم'' (تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتی میں جدھر سے چاہو آؤ) اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے دبر (پچھلی شرمگاہ) میں جماع کرنا حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اس جگہ جماع کی اجازت دی ہے جو کھیتی کی جگہ ہے اور وہ اگلی شرمگاہ ہے، وہیں جماع کرنے سے اولاد ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میں ہلاک ہوگیا آپ ﷺ نے پوچھا کس چیز نے تم کو ہلاک کر دیا تو انھوں نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے اپنی سواری کو الٹ دیا تھا، یعنی پیٹ کے بل لیٹی ہوئی حالت میں جماع کیا آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں آگے سے پیچھے سے جیسے چاہو آؤ لیکن دبر اور حالت حیض سے بچے رہو (سنن ترمذی: ۲/ ۱۲۷)۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب بیوی کے ساتھ پچھلی طرف سے اپنی خواہشات کی تکمیل کی اجازت نہیں تو اپنے ہی ہم جنس کے ساتھ اس طرح کا فعل عقلا وشرعا حرام ہونے کا متقاضی ہے، اسی لئے اس فعل کی سزا اور گناہ شریعت اسلامیہ میں زنا کی سزا کے قائم مقام ہے، کہ جس طرح ایک شادی شدہ زانی کو سنگسار (پتھر مار کر ہلاک کرنا) کیا جائے گا اسی طرح شادی شدہ ہم جنس پرستی کے فعل کے مرتکب کو یہی سزا دی جائے گی اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مار کر ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا، لیکن آج کے حالات میں ہر ایک اس بات سے واقف ہے کہ یہ سزائیں قرآن

وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں اور اس سے بڑھ کر کبھی کبھی علماء کرام اور دیندار لوگوں کی تقاریر میں ان سزاؤں کو سننے کا موقع ملتا ہے، مگر اس طرح کی سزا نہ کسی کو دی جاتی ہے اور نہ کسی کو اس طرح کی سزا کا خوف ہے، کیونکہ اس کے علاوہ جو جرائم قانونا قابل سزا وتعزیر ہیں، ان جرائم کے کرنے والوں میں سے صرف ایک دو فیصد ہی لوگوں کو اپنے انجام کی فکر ہوتی ہے، باقی سارے مجرمین آزادانہ طور پر گھومتے رہتے ہیں اور یہ فعل تو آج نہ قانونا جرم رہا ہے اور نہ نوجوان لڑکوں اور نوخیز بچوں کا آپس میں گھومنا پھرنا معاشرے میں معتوب ومعیوب ہے، اس بناء پر یہ فعل بکثرت بلا خوف وخطر وجود میں آسکتا ہے۔

لیکن یہ معاملہ دنیا کی حد تو ٹھیک ہے کہ ہم اس فعل قبیح کی وجہ سے نہ مجرم قرار دیئے جائیں گے اور نہ سزا کے مستحق ہونگے ،مگر ایک مسلمان جو اخروی انعام وسزا پر یقین رکھتا ہے اس کے باوجود بھی اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس گناہ کی سزا کا وہ مستحق ہوگا اور کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالی ہم جنس پرستی کے قائلین اور اس فعل کے مرتکبین پر دنیا ہی میں عذاب مسلط کردے، سورہ ہود میں قوم لوط کے عذاب کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: وما ھی من الظلمین ببعید (پتھراؤ کا عذاب آج بھی ظالموں سے کچھ دور نہیں) یعنی جو لوگ اس قوم کی طرح ظلم وبے حیائی پر جمے رہیں، وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے دور نہ سمجھیں آج بھی یہ عذاب آسکتا ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں کچھ لوگ وہ عمل کریں گے جو قوم لوط کرتی تھی جب ایسا ہونے لگے گا تو انتظار کرو کہ ان پر بھی وہی عذاب آئے گا جو قوم لوط پر آیا تھا (**معارف القرآن:٤/٧٢**) ۔لہذا ایسے عذاب کے آنے سے پہلے اور اللہ تعالی کے غضب ولعنت کے مستحق ہونے سے قبل ہم متنبہ ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ سے اس قبیح فعل سے حفاظت مانگیں، خصوصا والدین وسرپرست اپنے بچوں کی صحیح نگہداشت کریں، رات میں اپنے بچوں کو کافی دیر تک گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہ دیں اور ان کے دلوں میں ہم جنس پرستی کے نقصانات کو راسخ کرائیں تاکہ ہمارے نوجوان فساد وبگاڑ کی راہ اختیار کرنے کے بجائے صالح کردار کے مالک بن جائیں اور ایک صحیح مومن بن کر اپنی زندگی کے ایام گذاریں۔☆☆☆

گود میں کتا اور زمین پر بچہ

اللہ تعالی نے اس دنیا میں جتنی مخلوقات پیدا فرمائی، ان تمام میں انسان کو مکرم و معزز، اعلی وارفع بنایا، یہاں تک کہ فرشتے جیسی معصوم مخلوق پر بھی انسان کو فوقیت دی اور دنیا کی تمام چیزوں کو انسان کے تابع بنایا، اس کے برعکس تمام مخلوقات میں کتے کو سب سے زیادہ غلیظ اور ناپاک بنایا، اس کے پیشاب پاخانہ کے علاوہ اس کا پورا جسم اور اس کی تھوک و رال کو اس قدر ناپاک بتایا کہ صرف ایک مرتبہ دھونے سے کام نہیں چلے گا بلکہ سات مرتبہ دھونا اس میں بھی ایک مرتبہ مٹی ملے ہوئے پانی سے دھونا ضروری قرار دیا گیا، نیز گھروں میں کتے کے وجود کو فرشتوں کے عدم دخول کا سبب بتایا گیا، چنانچہ ایک حدیث پاک میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا ہوگا اس میں فرشتے داخل نہیں ہوں گے (مسلم :٥٥١٤)۔اسی طرح کھیتی و جانوروں کی حفاظت اور شکار کے علاوہ کسی اور مقصد کی خاطر کتا پالنا انسان کے اعمالہ صالحہ میں ثواب کی کمی کا باعث ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کتے کو مذکورہ اسباب کے بغیر پالتا ہے تو ہر دن اس کے عمل کا ثواب دو قیراط (دو پہاڑ) کے بقدر کم ہو جاتا ہے (مسلم :٤٠٢٥)۔نیز قرآن کریم میں اللہ کے اس نافرمان بندہ کی مثال جس پر نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی کتے کے ساتھ دی گئی ہے، کہ جس طرح کتے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اسے ڈانٹو ڈپٹو یا اس کے حال پر چھوڑ دو دونوں حالتوں میں وہ بھونکنے سے باز نہیں آتا ہے، وہ شکم سیر ہو یا بھوکا، تندرست ہو یا بیمار، ہر حال میں زبان باہر نکالے رہتا ہے، یہی حال اس نافرمان کا ہے جسے نصیحت کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے (الاعراف:١٧٦)۔اس تمہید کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ کتا اپنی بہت سی منفرد خصوصیات کے باوجود باعث مذمت اور سب سے زیادہ نجس ہے۔

کتے کی نجاست اوراس سے کراہت صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ دیگر مذہب کے لوگوں میں بھی نظر آتی ہے، جولوگ کھیتیوں وگھروں کی حفاظت کی خاطر کتا پالتے ہیں وہ بھی اپنے کتے کو گھروں کے باہر ہی باندھتے ہیں اور بچا ہوا کھانا اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں، یا کچھ لوگوں کو کتے سے زیادہ ہی انسیت ہوتو وہ کتے کی گردن میں زنجیر باندھ کر اسے صبح وشام تفریح کراتے ہیں، الغرض یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہمارا ملک اور ہمارے ملک کے لوگ تہذیب وثقافت میں مغربی ممالک سے ممتاز ونمایاں ہیں اور ہندوستانی تہذیب تو بطور نمونہ ومثال پیش کی جاتی ہے،لیکن صد حیف کہ آج مغربی کلچر یہاں کے لوگوں میں اس طرح حلول کر گیا ہے کہ اس کا اپنا کلچر خود اس کی نگاہ میں بے حیثیت ہو کر رہ گیا،تہذیب جدید نے اس ممتاز قوم کی نگاہیں اور عقل ودماغ کو اس طرح خیرہ کر دیا کہ اسے وہی نظر آتا ہے جو مغربی تہذیب وثقافت پیش کرتی ہے اور وہ اسی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اسی کی فکر سے سوچتی ہے، اور لوگ اپنے رہن سہن میں مغربی کلچر کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں چاہے اس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو،اس سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

مغربی کلچر کے ذریعہ بہت سی چیزیں ہمارے معاشرے میں داخل ہو کر اسے دیمک کی طرح کھا رہی ہیں، ان چیزوں میں سے ایک کتے کو پالنے کا شوق ہے اور اس شوق نے کتے کو اس قدر عزت وتوقیر عطا کی کہ جو کتا ہمیشہ سڑکوں اور محلّہ کی گلیوں میں نظر آتا تھا آج عمدہ کاروں میں انسان کے ساتھ بیٹھا نظر آتا ہے، جو اپنی بھوک روٹی کے چند ٹکڑوں اور بچی ہوئی ہڈیوں کے ذریعہ مٹاتا تھا، آج اپنے مالک کے گود میں بیٹھ کر عمدہ سے عمدہ چیزیں کھاتا نظر آتا ہے، گویا وہ گھر کا ایک فرد ہے، بعض مرتبہ کتے کے محبین اس کے مرنے سے بیمار ہو جاتے ہیں اور کبھی دم ہی توڑ دیتے ہیں، خاص طور پر عورتوں کو کتے سے بڑی محبت ہوتی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عورتیں اپنی ہوس کی تکمیل کے لئے کتے کو ایک بہترین آلہ کے طور پر استعمال کرتی ہیں، اس بات کی طرف فقہاء کرام نے اشارہ فرمایا ہے اور اگر کسی عورت کو کتے کے ذریعہ بشکل انسان بچہ پیدا ہو تو اس کے تعلق سے مسائل کو بھی بیان کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض عورتوں کو کتا اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ہے، حالانکہ عورت کو اپنی اولاد سے زیادہ

کوئی چیز پیاری نہیں ہوتی، کیونکہ وہ نو ماہ تک اپنے بچہ کو پیٹ میں رکھ کر مختلف قسم کی تکالیف کو برداشت کرتی ہے تاکہ اسے ماں بننے کا شرف حاصل ہو اور اس کی پرورش کے لئے وہ اپنی پوری توانائی صرف کرتی ہے، لیکن آج یہی عورت مغرب کی اندھی تقلید میں بہہ کر اور اس کے کلچر سے متاثر ہو کر ایسی اندھی ہوگئی کہ اسے اپنے بچہ سے زیادہ کتا اچھا لگنے لگا اور بچہ کی تکلیف کے مقابلہ میں کتے کی تکلیف کا احساس رہنے لگا، جس کی واضح مثال وہ تصویر ہے جو ۳ جون ۲۰۰۸ء کو ریاست کرناٹک کے ایک مشہور اخبار (اُدَیوانی) میں پہلے ہی صفحہ پر شائع ہوئی تھی جس میں ایک عورت اپنے کتے کو گود میں اٹھائے اور اپنی کمسن بچی کا ہاتھ پکڑ کر چلاتے لے جارہی تھی، یہ صورت حال انسانیت کے لئے باعث تشویش اور قابل افسوس ہے۔☆☆☆

اولاد کی تمنا

لفظ''ماں'' سے، ماں کی ممتا ابھر کر سامنے آجاتی ہے، کیونکہ ماں کی ممتا کا دنیا میں بدل نہیں، ماں خیر و برکت کا حسین پیکر ہے، ماں اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ایک ایسا بیش بہا عطیہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں، ماں بننے کی یہی خواہش صنف نازک کی اہم خواہشات میں سے ہے، نکاح کے بندھن کے بعد جنس لطیف کی یہی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی گود میں جلد از جلد کوئی پھول کھلے، جس کے کانٹوں کی چھبن کو پھول کی خوشبو کی طرح محسوس کرے، اس لئے کہ نکاح کے بعد جب کسی لڑکی کی تمنا برآور ہوتی ہے تو اس کی خبر خوشبو کی مانند پھیل جاتی ہے، خاندان ومحلّہ میں اس کا مقام اونچا ہوجاتا ہے، قریب و دور کے رشتہ دار براہ راست یا فون کے ذریعہ اسے مبارکباد پیش کرتے ہیں، وہ خود کو بھی دنیا کی خوش نصیب لڑکیوں میں تصور کرتی ہے اور بڑی ہی مسرت وفخر کے ساتھ اپنے شریک سفر کو اپنے ماں بننے کی اطلاع دیتی ہے، پھر اس کے سر تاج اور والدین کا سر اس عظیم دولت کی وجہ سے اونچا ہوجاتا ہے، پھر نو ماہ تک اس کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے، نیز ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس کے لئے مختلف قسم کی ادویہ اور غذا کا اہتمام کیا جاتا ہے، کیونکہ بچہ کی پیدائش کا مرحلہ جتنا پر مسرت ہے اتنا ہی پر خطر بھی ہے، اس لئے کہ اس نازک مرحلہ سے بچہ اور ماں دونوں کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے ایک عظیم نعمت ہیں، اس لئے کہ جس گھر میں بچے نہ ہوں وہ گھر ویران لگتا ہے، کیونکہ بچوں ہی کے ذریعہ گھر کی رونق دوبالا ہوتی ہے، گھر میں بچوں کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان میں تارے جگمگ کررہے ہوں، ایک ماں بہت سی مرتبہ اپنی زندگی کے سارے غم اپنے بچوں سے شیئر کرتی ہے، شوہر کا انتقال ہوجائے یا اس سے کسی وجہ سے جدائی ہوجائے تو وہ اپنی ساری جوانی

اپنے بچوں کے لئے قربان کرنے پر تیار ہو جاتی ہے، وہ اس دھرتی پر اپنے بچوں کے لئے ہی جیتی ہے، وہ تمام تکالیف و مشکل حالات کا مقابلہ کرتی ہے، وہ اپنی کوکھ سے جنم دیئے ہوئے چمکتے ستاروں اور مہکتے پھولوں کو دیکھ کر سکون کی سانسیں لیتی رہتی ہے۔

اولاد کی خوشی اللہ تعالیٰ بہت سی عورتوں کو بہت جلد عطا فرماتے ہیں اور بعض کو جلدی نہیں تو تاخیر سے یہ خوشی حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس کائنات میں ان عورتوں کی کمی نہیں جن کی روحیں عمر بھر ماں بننے کے لئے ترستی رہتی ہیں، جن کا دل اس خواہش کی تکمیل کے لئے تڑپتا رہتا ہے، جن کے شوہروں کے کان اس خوش خبری کو سننے کے لئے متمنی رہتے ہیں، جن کے انتقال کے بعد اولاد کی شکل میں کوئی وارث اور دعائے مغفرت کرنے والا نہیں رہتا، بڑھاپے میں ان کے لئے لکڑی کے سہارے کے علاوہ کوئی سہارا نہیں رہتا، وہ ماں جیسے شیریں لفظ کی مٹھاس سے ناآشنا ہوتی ہیں، صاحبِ اولاد لوگوں کو دیکھ کر رشک کرتی ہیں، وہ اللہ سے اس نعمت کے حصول کے لئے دعائیں کرتی ہیں اور حتی المقدور کوشش کر گزرتی ہیں، پھر بھی ان کا یہ حسین و سنہرا خواب پورا نہیں ہوتا، نتیجتاً جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو وہ اپنے پیچھے کوئی نشانی نہیں چھوڑ پاتیں، البتہ بعض عورتیں اپنی ممتا کی شدید پیاس بجھانے کے لئے کسی دوسرے کے بچے کو لیکر پالتی پوستی ہیں۔

یہاں پر چند امور بہت ہی اہم اور قابل توجہ ہیں۔

☆ کیا اولاد کا نہ ہونا معیوب ہے؟ جیسا کہ معاشرہ میں بے اولاد عورتوں کو معیوب سمجھا جاتا ہے تو شریعت کی رو سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اولاد کے نہ ہونے میں کوئی عیب نہیں، کیونکہ یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کے فیصلہ کے نافذ ہونے میں کوئی عیب نہیں، اس لئے کے کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اس کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا، کیونکہ ان باتوں کا انحصار صرف مقدر پر ہے اور تقدیر پر کس کا زور چل سکتا ہے؟ اور کبھی قدرت انسان کو اگر کسی چیز سے محروم رکھتی ہے تو بہت کچھ عطا کر کے تلافی بھی کر لیتی ہے، سورہ شوریٰ آیت نمبر ۵۰ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جن کو صرف بیٹے دیئے، دوسرے وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے وہ جن کو بیٹے بیٹیاں

دونوں اور چوتھے وہ جن کو بیٹا نہ بیٹی، لوگوں کے درمیان یہ فرق وتفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوتِ الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے، یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے، اسی طرح باپ کے اعتبار سے بھی انسان کی چار قسمیں ہیں (۱) آدمؑ کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا نہ باپ ہے نہ ماں (۲) حضرت حوا کو آدمؑ سے، یعنی ان کی ماں نہیں ہے (۳) حضرت عیسیٰؑ کو صرف عورت سے یعنی ان کا باپ نہیں ہے (۴) باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے، یعنی ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی، آپ ﷺ کو صرف حضرت خدیجہؓ ہی سے اولاد پیدا ہوئی، بقیہ کسی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اگر اولاد کا نہ ہونا معیوب ہوتا تو یقیناً اللہ تعالی ازواج مطہرات کو اس عیب سے پاک فرماتے اور اپنے محبوب کی تمام بیویوں کو اولاد عطا فرماتے، اس سے پتہ چلا کہ اس چیز کو معیوب سمجھنا معاشرتی غلط فہمی ہے، اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆اگر کسی کو انتھک کوشش کے باوجود بھی اولاد نہ ہو تو اسے مایوس ہونا چاہئے؟ نہیں بالکل نہیں، کیونکہ ہر تاریک اندھیرے کے بعد ایک روشن اور چمک دار اجالا ضرور نمودار ہوتا ہے، اس لئے ناامیدی کا دامن تھامنے کے بجائے روشن صبح کی تلاش میں رہنا چاہئے، اسی کو حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:" وأن الفرج مع الكرب " (مسند احمد:٢٨٠٤)۔جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مسلمان پر مصائب و پریشانیاں آتی ہیں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے سمجھتا ہے اور ناامید نہیں ہوتا تو پھر اللہ کی عنایتوں ونوازشوں کی اس پر بارش ہوتی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے لئے حضرت زکریاؑ کی دعا اور ان کو یحییٰؑ کی صورت میں بیٹے کا پیدا ہونا سبق آموز ہے، چنانچہ سورہ مریم کی ابتدائی آیات اور سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰ میں جو مضمون مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے خالو حضرت زکریاؑ نے جب ان کی کرامت دیکھی کہ ان کے پاس بے موسم پھل ہیں تو حضرت زکریاؑ کے دل میں بوڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالی مجھے اولاد سے نوازے، اس لئے حضرت زکریاؑ نے اولاد کے لئے خفیہ دعا کی، آپؑ نے خفیہ دعا اس لئے کی تھی کہ لوگ انھیں بے وقوف قرار نہ دیں کہ یہ بوڑھا اب بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے،

جب کہ اولاد کے تمام ظاہری امکانات ختم ہوچکے ہیں، نیز سورہ ہود کی آیت ۷۱ تا ۷۳ میں حضرت ابراہیمؑ اوران کی بیوی حضرت سارہؓ کا تذکرہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؓ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تو اللہ تعالی نے ان کو اولاد کی خوشخبری دی جس پر حضرت سارہؑ کو تعجب ہوا اور تعجب کیوں نہ ہوتا! اس لئے کہ ایسی عمر میں اولاد ہونے والی ہے جس میں اولاد کی کوئی توقع نہیں رکھ سکتا، کیونکہ اس عمر میں اولاد کا ہونا عادۃً محال ہوتا ہے لیکن اللہ کی ذات اسبابِ عادیہ کی محتاج نہیں، لہذا ہر حال میں اللہ سے امید رکھنا چاہئے۔

☆اگر کسی عورت کو اولاد نہ ہو اور شوہر اولاد کے لئے دوسرا نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہو تو پہلی بیوی کو اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ نکاح کے مقاصد میں سے ایک مقصد افزائشِ نسل ہے، لہذا اگر اس مقصد کے لئے کوئی شخص دوسرا نکاح کررہا ہو تو کوئی بری بات نہیں ہے، لیکن ایک عورت کے لئے اپنے شوہر کی طرف سے پہونچنے والی ہر تکلیف کو برداشت کرنا، بھوکا پیاسا رہنا آسان ہوتا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی دوسری عورت سوکن کی شکل میں داخل ہو یہ نا قابل برداشت ہوتا ہے، اس لئے شوہر کو اس معاملہ میں اپنی پہلی بیوی کو مکمل طور پر اعتماد میں لے کر اگلا قدم اٹھانا چاہئے، نیز شرعی حقوق کی مکمل ادائیگی اور حسن سلوک میں مساوات کی طاقت بھی ہونا چاہئے، ورنہ زندگی جنت بننے کے بجائے جہنم بن جائے گی۔

لہذا اگر کسی کو اللہ نے اولاد عطا کی ہے تو اس پر شکر ادا کرے اور اگر اولاد نہیں ہے تو قضا وقدر پر راضی ہو کر اپنی زندگی گزارے، اپنی زبان پر ناشکری کے ایسے الفاظ نہ لائے جس سے دنیا و آخرت برباد ہوجائے، بلکہ اللہ سے ہر وقت دعائیں کرتی رہے۔☆☆☆

قرض کی عدم ادائیگی جنت سے محرومی کا سبب

انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک اہم اور ضروری چیز مال ہے، جس کے پاس مال ہے اسے امیر اور جس کے پاس مال نہیں اسے غریب کہا جاتا ہے اور یہ امیری وغریبی کی تقسیم نظام قدرت کے کمال کی خصوصیت ہے، اس لئے کہ سب کے سب امیر ہی ہوتے تو پھر کوئی بھی محکوم نظر نہیں آتا، جس کی بناء پر بہت سارے نقصانات کو برداشت کرنا لازمی ہوجاتا، الغرض غریب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے مال نہ ہو اور اسے قرض کی ضرورت پڑتی ہو، انہیں ضرورت منداور حاجت مندوں کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے زکوۃ، صدقہ اور قرض جیسی چیزوں کو مشروع کیا اور زکوۃ وصدقہ کی طرح قرض کو بھی باعث ثواب قرار دیا، کیونکہ قرض کے ذریعہ پریشان حال اور فاقہ مست افراد کی طرف دست تعاون دراز کرکے آپسی اخوت اور بھائی چارگی کے رشتہ کو مضبوط کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کی پریشانیوں کو دور کیا جاسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله كربةمن كرب يوم القيامة (**مسلم** ۷۰۲۸) کہ جو کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی تکالیف کو دور کرے گا، اس حدیث سے پتہ چلا قرض دینا بھی ایک مستحسن اور مستحب عمل ہے۔

بعض موقعوں پر محتاج وتنگدست حضرات بلاسودی قرض نہ ملنے کی وجہ سے سودی قرض لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں تو کچھ افراد وادارے ان محتاجوں وتنگدستوں کی مجبوری کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ ایک طرف بینکنگ نظام نے سودی قرضہ سے لوگوں کے خون کو اس طرح چوسنا شروع کیا کہ لوگ یا تو خودکشی کرنے پر مجبور ہوگئے یا اپنے اہل وعیال کو فروخت

کرنے کے لئے تیار ہو گئے تو دوسری طرف بعض لوگوں نے اپنے آپ کو بینک بنا کر خود سے سود پر قرضہ دینا شروع کیا، حالاں کہ ایک زمانہ تک نہ بینک کا نام ونشان تھا اور نہ اس طرح کا کوئی کاروبار، اس کے باوجود محتاجوں کو برابر قرض مل رہا تھا اور لوگ اللہ کی رضاء کے لئے غریبوں کو بغیر سود کے قرض دیتے آرہے تھے، لیکن سوال یہ ہے آج مسلمانوں کے اندر سے قرض دینے کا مستحسن عمل کیوں متروک ہورہا ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ قرض لینے والوں نے باوجود قرض کی ادائیگی پر قدرت کے بروقت قرض ادا کرنے میں کوتاہی اور تساہل سے کام لینا شروع کیا، حالانکہ قرض لینا مباح ہے اور جائز کام ہے، اس میں کوئی شرمندگی نہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے بھی قرض لیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کے پاس سے تیس صاع جو قرض لئے تھے اور اس کے بدلے آپ ﷺ نے اپنی زرہ رہن میں رکھی تھی (سنن ابن ماجہ:۲۴۳۹)۔ لیکن قرض کی ادائیگی واجب اور ضروری ہے اور عدم ادائیگی باعث گناہ ہے۔

قرض ادا نہ کرنے اور قرض کی ادائیگی کا ارادہ نہ رکھنے والے کے سلسلہ میں حدیث پاک میں وعید آئی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه" (سنن ابن ماجہ :۲۴۱۳)۔ علامہ عراقیؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب نقل کیا ہے کہ مقروض میت کے بارے میں نہ نجات کا فیصلہ ہوگا اور نہ ہلاکت کا یہاں تک کہ یہ دیکھا جائیگا کہ اس کی طرف سے قرض ادا کیا گیا یا نہیں (تحفة الاحوذی: ۴/ ۱۶۴)۔ علامہ خطیب شربینیؒ نے اس حدیث کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ جب کوئی شخص مقروض ہونے کی حالت میں مرتا ہے تو اس کی روح قبر میں محبوس ہوتی ہے اور عالم برزخ میں دیگر روحوں کے ساتھ اسے کشادگی حاصل نہیں ہوتی اور اسے جنت کی سیر سے محروم رکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی طرف سے قرض ادا کیا جائے (مغنی المحتاج :۳/ ۹۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس پر ایک دینار یا درہم قرض باقی ہو تو اس وقت جب درہم ودینار کام نہیں آئے گا اس کی نیکیوں کے ذریعہ قرض ادا کیا جائیگا (سنن ابن ماجہ:۲۴۱۴)۔ اسی طرح ایک حدیث میں بغیر قرض کے مرنے والے کو اللہ

کے رسول ﷺ نے دخول جنت کی بشارت سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی روح اس کے جسم سے اس حال میں جدا ہو کہ اس پر کسی کا قرض نہ ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا (سنن ابن ماجہ:٤١٢)۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے قرض ادا نہ کرنے والوں کو اس فعل سے بچنے اور اس سے باز آنے کی طرف توجہ دلانے نیز اس فعل کے سخت گناہ ہونے کو بتلانے کے لئے ایک مقروض پر نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کو یہ حکم دیا کہ تم پڑھ لو (شرح مسلم:٥٤/٤)۔

اس کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں کئی مقامات پر قرض کی ادائیگی کا وقت ہونے پر قرض ادا نہ کرنے والے کے حق میں سختی کا معاملہ کیا گیا ہے، منجملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کا وقت ہونے کے بعد دائن (قرض دینے والے) کو اس بات کا مکمل اختیار ہے کہ وہ مقروض کو سفر کرنے سے روکے، یہاں تک کہ وہ قرض ادا کرے پھر سفر کرے (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ٤٥٩/٥) اسی طرح باوجود قرض کی ادائیگی پر قدرت کے جو قرض ادا نہ کرے یا ٹال مٹول کرے تو اسے قاضی کے حکم سے قید کیا جائے (الفقہ الاسلامی وادلتہ :٤٦٢/٥)۔نیز اسلام میں چور کی سزا یہ ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں لیکن جب مقروض قرض ادا نہ کرے جس کی بناء پر قرض دینے والا مقروض کا مال اپنے قرض کے بقدر چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے نہیں جائیں گے (الفقہ الاسلامی وادلتہ:١١٨/٦)۔اسلام میں جہاد جیسے اہم وعظیم کام کی فضیلت واہمیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن قرض کی ادائیگی کو جہاد پر مقدم کیا گیا ہے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں " والدین الحال یحرم سفر جہاد وغیرہ الا باذنہ غریمہ" کہ قرض کی ادائیگی کا وقت ہونے کے بعد قرض دینے والے کی اجازت کے بغیر جہاد کی غرض سے سفر کرنا حرام ہے (منہاج الطالبین:٢٦١/٣)۔اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "القتل فی سبیل اللہ یکفر کل شئ الا الدین " کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے سوائے قرض کے (مسلم :٤٨٨٤)۔لہذا قرض کی ادائیگی اس پر لازم ہونے کے بعد جہاد جیسے کام کے لئے ادائے قرض کو ترک نہیں کیا جا سکتا، اس کے علاوہ بھی اس طرح کے کئی مسائل ہیں جن کا احاطہ ناممکن ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرض ادانہ کرنے کا گناہ کتنا سخت ہے اور مذہبِ اسلام میں قرض ادانہ کرنے والے کے ساتھ کس طرح سخت رویہ اختیار کیا گیا ہے، لہذا قرض لینے والوں کو چاہئے کہ وعدہ کے مطابق قرض کو ادا کرنے کوشش کریں تا کہ قرض دینے والے آئندہ بخوشی قرض دے سکیں، آج اگر سارے قرض لینے والے پوری ایمانداری ودیانت داری کے ساتھ قرض ادا کرنے لگیں تو مالداروں کو بھی قرض دینے میں کوئی پریشانی نہ ہوگی اور سود جیسے بڑے گناہ سے حفاظت بھی ہوگی، البتہ قرض دینے والوں کو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مقروض اگر حقیقت میں قرض کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے تو اسے کچھ دنوں تک مہلت دیں، اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے "وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة " کہ اگر وہ تنگ دست ہیں تو انھیں خوشحال ہونے تک مہلت دو(**البقرہ: ۲۸۰**)نیز نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا" ومن یسر علی معسر یسر الله علیه فی الدنیا والآخرة" کہ جو کسی تنگ دست پر آسانی کا معاملہ کرے گا اللہ تعالی اس کے ساتھ دنیا وآخرت میں آسانی کا معاملہ فرمائے گا(**مسلم :۷۰۲۸**)اللہ تعالیٰ ہمیں قرض کے ادائیگی کی توفیق عطا فرمائیں۔☆☆☆

انسانی زندگی پراس کے خاندان کے اثرات

کسی شریف انسان کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ کسی شریف اور نیک خاندان کا چشم وچراغ ہے،کسی بچہ کے اچھے اخلاق سے متأثر ہوکراس کے والدین کے صلاح وتقوی کا فیصلہ کیا جاتا ہے،کسی نیک سیرت عورت کے متعلق عام خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ کسی دیندار شوہر کی بیوی ہے،گرچہ یہ اندازہ،تأثر،خیال اور فیصلہ اکثر درست بھی نکلتا ہے،لیکن کبھی صورت حال اس کے برخلاف بھی ہوتی ہے کہ کبھی شرابی کی اولاد بااخلاق تو کسی نیک اور صالح والدین کی اولاد شرابی،کبھی اوباش اور بدمعاش شخص کی بیوی نیک خاتون تو کسی پاکباز اور عفیف عورت کا شوہر زانی اور بدچلن،کبھی علمی اور دینی خاندان سے دین کا دشمن اور خدا کا باغی تو کبھی خلاف توقع اللہ تعالی کے نافرمان اور سرکش خاندان سے اللہ تعالی کامحبوب اور دین الہی کا محافظ پیدا ہوتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اچھے اور صاف ستھرے ماحول،دیندار اور شریف خاندان،مومن اور متقی والدین،صحیح تعلیم و پرورش،حلال اور پاکیزہ غذا کا انسان کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے،لیکن بعض مرتبہ انسان کے لئے یہ سب کچھ میسر ہونے کے باوجود اس کی زندگی ان تمام چیزوں سے غیر متأثر رہتی ہے،اسے نہ اچھا اور سازگار ماحول راس آتا ہے،نہ اس کو اپنے والدین کی دینی پرورش پسند آتی ہے اور نہ اس کا دل اچھی بات کو قبول کرنے پر راضی رہتا ہے اور لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اصل مقصد میں ناکامی ہی مقدر بنتی ہے اور ایسے موقع پر قرآن کریم کی اس آیت کی صداقت ظاہر ہوجاتی ہے،جس میں نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ ہدایت آپ کے ہاتھ میں نہیں بل کہ اس پر پورا اختیار ہمارا ہے چنانچہ اللہ فرماتے ہیں " انك لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء وهو أعلم

بـالـمهتدين“ کہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بل کہ اللہ تعالی ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں سے وہی خوب آگاہ ہے(**القصص : ٥٦**)اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ہر طرح کی مثالیں دے کر انسان کے عجز اور بے بسی پر اور اپنی قدرت اور طاقت پر استدلال کیا ہے۔

نیک باپ کا برا بیٹا

حضرت نوحؑ نے ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی ،لیکن پوری قوم میں سے چندلوگ ہی ایمان لائے ،ایمان لانے والوں میں آپؑ کا خاندان بھی تھا،لیکن آپ کے بیٹوں میں سے کنعان نامی بیٹے پر اس نیک باپ اور اللہ کے نبی کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا، یہاں تک کہ جب طوفانِ نوح کا وقت قریب آیا اس وقت بھی اس شفیق باپ نے اسے ان الفاظ میں سمجھایا”ونـادى نـوح ابنـه وكـان فى معزل يبنى اركب معنا و لا تكن مع الكفرين “ کہ نوحؑ نے اپنے بیٹے کو جو الگ ایک کنارہ پر کھڑا تھا پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں میں شامل نہ ہو جاؤ(**هـــــود : ٤٢**) لیکن اس نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ نافرمانوں کے ساتھ غرق ہو گیا،جس بیٹے کا باپ وقت کا نبی تھا، پوری زندگی سمجھا تا رہا وہ نہ سمجھا ،اللہ کے عذاب کے وقت سمجھایا پھر بھی نہ سمجھا، یقیناً اللہ کی مشیت کو کوئی انسان تبدیل نہیں کرسکتا۔

برے باپ کا نیک بیٹا

حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش ایسے گھر میں ہوئی تھی جہاں سے بتوں کی سپلائی ہوتی تھی ، خود حضرت ابراہیمؑ کے والد بتوں کے تاجر اور پجاری تھے،لیکن اس بت پرست باپ کو اللہ تعالی نے ایسا نیک اور صالح بیٹا عطا فرمایا جس کی زندگی کو قیامت تک کے لئے نمونہ قرار دیا گیا اور شریعت محمدی کو اس کا عکس بتلایا گیا، چنانچہ اس بردبار بیٹے نے اپنے والد کو جو حکیمانہ نصیحت کی ہے اس کو قرآن نے یوں بیان کیا”اذ قـال لأبيه يأبت لم تعبد مالا يسمع و لا يبصر و لا يغنى عنك شيئا“ کہ ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے ابا جان آپ ان بتوں کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں

اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتے ہیں(مــریـم :٤٢)لیکن حضرت ابراہیمؑ کے والد نے کہا”قـال أراغـب أنـت عـن آلهتـي ياابراهيم لئن لم تنته لأرجمنك واهجرني مليا“ کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کرر ہاہے،سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مارڈالوں گا جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ(مریم : ٤٦)۔

نیک خاوند کی بری بیوی

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ دونوں اللہ کے نیک اور مقرب بندے اور پیغمبر تھے،لیکن ان دونوں کی بیویاں اللہ کی ناپسندیدہ اور اپنے شوہر کی نافرمان اور خائن تھیں، کہ زوجۂ نوح لوگوں کو اپنے شوہر کے بارے میں کہتی کہ یہ دیوانہ اور مجنون ہےاور حضرت لوطؑ کی بیوی اپنے شوہر کی چغلی کرتی اور گھر میں آنے والے مہمانوں کے متعلق قوم کو باخبر کرتی ،اللہ تعالی نے ان دونوں کی حالت کوقرآن میں بیان فرمایا”ضـرب الـلـه مثـلا للذين كفروا امراة نوح وامراة لوط كانتا تحت عبدين من عبادنا صـالـحيـن فخانتٰهمافلم يغنيا عنهمامن الله شيئاو قيل ادخلاالنار مع الداخلين“ کہ اللہ تعالی نے کافروں کے لئے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان کی، یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھروں اور ماتحتی میں تھیں، پھرانھوں نے ان کے ساتھ خیانت کی تو یہ دونوں نیک بندے اللہ کے عذاب سے ان کو بچا نہ سکے اور حکم دیا گیا کہ تم دوزخ میں جانے والی عورتوں کے ساتھ دوزخ میں چلی جاؤ(التـحـريـم : ١٠) وقت کے پیغمبر جو اپنی قوم کی اصلاح اور اسے تاریکی سے نکالنے کا اہم فریضہ انجام دیتے تھے،لیکن ان کی اپنی بیویوں کی زندگی تاریک ہی رہی اور انھیں اپنے شوہر کا صلاح وتقوی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکا۔

برے خاوند کی نیک بیوی

فرعون اپنے وقت کا بہت بڑا ظالم تھا اور اپنے آپ کو لوگوں کا رب کہتا ، اللہ تعالی نے ایک طرف ایسے جابر بادشاہ کے گھر میں حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی پرورش کا انتظام فرمایا تو دوسری

طرف فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کو نیک اور ایماندار عورت بنایا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے ہی شوہر کے ظلم وستم کی تاب نہ لاکر اپنے دائمی مسکن کی طرف کوچ کر گئیں، اللہ تعالی نے ایمان والوں کے لئے اس خاتون کو بطور مثال پیش کیا کہ استقامت فی الدین اور شدائد میں صبر کے لئے حضرت آسیہ ایک نمونہ ہیں اور کفر کی صولت وشوکت میں اور اللہ کے نافرمان کے گھر میں بھی نورِ ایمانی حاصل ہوسکتا ہے، اللہ فرماتے ہیں" وضرب الله مثلا للذين ا منوا امراة فرعون اذ قالت رب ابن لی عندك بيتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظلمين " اللہ تعالی نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کو بطور مثال پیش کیا، جب کہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے(التحریم :۱۱)۔

نیک گھر کی نیک عورت

حضرت مریم بنت عمرانؑ ایسے خاندان میں سے تھیں جو فرماں بردار، عبادت گذار اور صلاح وطاعت میں ممتاز تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت مریمؑ کی پیدائش سے قبل ان کی ماں حضرت عمرانؑ کی بیوی نے ان الفاظ میں نذر مانی " إذ قالت امرأة عمران رب إنی نذرت لك مافی بطنی محررافتقبل منی انك انت السميع العليم ،فلما وضعتها قالت رب إنی وضعتها أنثی والله اعلم بما وضعت وليس الذكر كالأنثی "جب عمرانؑ کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو میری طرف سے اس کو قبول فرما یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے، جب بچی کو جنا تو کہنے لگی کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں(ا ل عمران : ۳۵) حدیث پاک میں جنت کی افضل ترین عورتوں میں حضرت مریم کا بھی شمار ہے، اسی پاکیزہ اور طاہرہ کو اللہ کے نبی حضرت عیسیٰؑ کی ماں بننے کا شرف حاصل ہے۔

مذکورہ مثالوں سے اس بات پر پختہ یقین ہوجاتا ہے کہ کسی کو نیک بنانے کی انسان کی کوشش اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب اللہ تعالی کا فیصلہ اس کی کوشش کے مطابق ہو، اسی لئے انسان کوشش کرے اور اللہ سے اچھے فیصلے کی امید رکھے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کسی برے گھر کا کوئی فرد نیک بن جائے تو وہ سب کی تعریف کا مستحق ہوتا ہے اور خدا کی قدرت کا کرشمہ سمجھا جاتا ہے، اس کے برخلاف جب کسی نیک گھر کا کوئی فرد غلط راہ اختیار کرے تو پورے گھرانے پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے، اس کے والدین کی طرف سے صحیح پرورش نہ ہونے کا شور کیا جاتا ہے، ایسے موقع پر اللہ کی قدرت کا استحضار نہیں ہو پاتا، لہذا ایسے حالات میں ہمیں مذکورہ قرآنی مثالوں میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اللہ تعالی کی قدرت کے سامنے انسان کا عجز ظاہر ہوجائے اور کوئی انسان اپنی کوششوں پر نازاں اور فرحاں نہ ہو پائے۔☆☆☆

خوشحال ازدواجی زندگی.........چند اصول

دنیا میں ازدواجی زندگی ایک ایسا رشتہ اور ایک ایسا تعلق ہے جس کی بنیاد اللہ رب العزت نے انسانیت کی ابتداء کے وقت رکھی جب کہ حضرت آدمؑ کو پیدا فرمانے کے بعد ان کی پسلی سے حضرت حواؑ کو پیدا فرمایا، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے'' (سورۃ نساء:۱) پھر اللہ نے رشتہ ازدواج کے دوارکان میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دیا، یعنی جس طرح بدن کے لئے لباس کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے ضرورت کی چیزیں ہیں، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو'' (سورۃ بقرہ:۱۸۷) اور ازدواج یہ ایک ایسا مقدس ربط اور بندھن ہے کہ جس کی وجہ سے بیوی اپنے شوہر کے لئے شریک حیات بن جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے ذہنی طور پرسکون کا ذریعہ اور دوست ہوتے ہیں، پھر یہ دوستی آپسی انس وقربت کا باعث بنتی ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اپنے جوڑے سے انس حاصل کر لے پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو ہلکا سا حمل رہ گیا سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گذاری کریں گے (سورۃ

اعــــــراف:۱۸۹) اس بندھن میں وہ جسمانی طور پر ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں، یہ رفاقت کا ایسا اخلاقی اگریمنٹ ہے جس کی اجازت اللہ پاک نے دنیا کے ہر جوڑے کو دی ہے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے ''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ'' (سورہ بقرہ:۲۲۳) نکاح اس مصروفیت کا نام ہے جو نہایت ہی پاکیزہ ہے اور یہ اللہ کی اجازت کے سایہ میں انجام دیا جاتا ہے اور حدیث پاک میں اسے باعث اجروثواب بلکہ صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے، مزید برآں میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کے لئے جذبات وکشش، باہمی پیار ومحبت اور فطرت کے تقاضوں کو جوڑا بن کر پورا کرانا ان سب چیزوں کو اللہ نے اپنی قدرت کی نشانیوں اور واضح نمونوں میں شمار کیا جیسا کہ اللہ خود فرمارہے ہیں کہ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اس سے آرام پاؤ، اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں'' (ســـورہ روم : ۲۱) اتنی اہمیت کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے جوڑے مختلف قسم کے اختلافات کے شکار ہیں جو بسا اوقات ایسا خطرناک رُخ اختیار کرتے ہیں جس سے گھر کا سکون برباد ہوجاتا ہے، رشتوں میں دوری پیدا ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے سے بات چیت بند کردی جاتی ہے، پھر کبھی کبھار یہ رشتے ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاتے ہیں، کیوں کہ یہ رشتہ جتنا مقدس اور اہمیت کا حامل ہے اتنا ہی امتحانات سے بھرا ہوا ہے، اور اس کے بعض پرچے ایسے مشکل ہوتے ہیں کہ انسان پھولوں کے سیج سے ہوتے ہوئے کانٹوں کے فرش پر چلنے کے لئے مجبور ہوجاتا ہے، اس لئے میاں بیوی کو گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہموار ہوکر چلنا چاہیئے، ورنہ زندگی کی گاڑی دھکا اسٹارٹ کا نمونہ اختیار کرسکتی ہے، اگر آپ نہیں چاہتے کہ آپ کی زندگی کی گاڑی دھکا اسٹارٹ کی طرح جابجا رکتی رہے بلکہ فراٹے مارتے ہوئے منزل مقصود کو پالے اور کامیابی وکامرانی آپ کے قدم چومے، آپ کی زندگی کی ہر تاریکی تابناکی میں بدل جائے، آپ کو ساری رعنائیاں وشادمانیاں حاصل ہوجائیں، تمام مشکلیں حل ہوتی نظر آئیں اور آپ خوشحال زندگی گذار سکیں تو مندرجہ ذیل باتوں پر عمل ضروری ہے، ورنہ آپ کو زندگی سے نفرت ہوجائے گی، آپ خوشی کی محفلوں میں رہو گے مگر آپ کی روح تلملاتی اور روتی

رہے گی، آپ ہنسنا چاہیں گے مگر ہنس نہ سکیں گے، رونا چاہو گے تو رو نہ سکو گے، سونا چاہو گے تو سو نہ سکو گے۔

حسن انتخاب

یہ عنصر نو جوان جوڑے کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا، جس انتخاب میں ذرا غلطی ہو تو وہ رشتہ ازدواج کے خاتمہ کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے نکاح کے پاکیزہ بندھن میں جڑنے سے پہلے خوب چھان بین کرلے، شریعت نے بھی اس معاملہ میں احتیاط سے کام لینے کا حکم دیا ہے، ایک طرف بہترین صفات والی لڑکی کے انتخاب کے ساتھ اس کی رضامندی کے حصول کی ترغیب اور حکم دیا گیا ہے تو دوسری طرف والدین کو اس بات کا مکلّف بنایا گیا کہ لڑکی کے لئے ایسے لڑکے کا انتخاب کیا جائے جو اس کے لئے کفوء (صفات میں برابری والی) ہو اور صفات میں بھی صفت عفت اور پاکدامنی اور دینداری کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ ان چیزوں کا خیال رکھے بغیر سماجی دباؤ اور خاندان ووالدین کے جبر و اکراہ کے تحت کی جانے والی شادی عام طور پر نا کام ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس صورت میں دو خاندانوں کے درمیان تو رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے، مگر میاں بیوی کا دل رشتہ ازدواج کی خوشبو سے خالی رہتا ہے، نکاح میں بنیادی چیز یہ ہے کہ زوجین کے دل کا سنگم ہو کیوں کہ انھیں زندگی بھر ایک ساتھ رہنا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس سلسلہ میں والدین کو نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ ان سے مشورہ کر کے شریعت کے احکام، حکمتوں اور مصلحتوں کا بھی پاس ولحاظ کر کے اگلا قدم اٹھائے اور کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی پسند مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکے تو اگر آپ کا ساتھی پاکدامن ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور ایسے ساتھی کی قدر کرے کہ اس پرفتن زمانہ میں پاکدامن شریک حیات کا ملنا بہت بڑی نعمت ہے۔

باہمی اعتماد ودوستی

زوجین کے لئے ایک دوسرے پر اعتماد ضروری ہے تا کہ ہر ایک دوسرے کے متعلق مطمئن اور

مامون رہے اور شک وعدم اعتماد جگہ نہ بنا پائے، نیز ازدواجی تعلق میں ایک دوسرے کا دوست بن کر رہنا کامیاب شادی کے رازوں میں سے ایک راز ہے، اس لئے دوستی کے تعلق کو پروان چڑھانے اور اس کو ہر طریقہ سے مضبوط کرنے کے لئے مواقع تلاش کریں، جس کے لئے ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنا بہت ضروری ہے، اگر مزاج میں مساوات نہ ہوتو خلاف مزاج باتوں کو نظر انداز کرنا بھی بہت ضروری ہے، جس طرح ایک سچا دوست اپنے دوست کے عیوب اور غلطیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کے اچھے پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے، اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرکے اچھے اور بہتر اوصاف پر نظر رکھیں، لہذا زوجین ایک دوسرے کی خامیوں کو خوردبین والی عینک سے ہرگز نہ دیکھیں، ورنہ کون ہے جو کمیوں سے پاک ہے، لہٰذا ان کمیوں اور کوتاہیوں کو دھیرے دھیرے دور کرنے کی کوشش کریں، دونوں طرف سے ایک دوسرے کی خدمت میں محبت وعقیدت کی سوغات کی بارش ہوتی رہے تو آپسی اعتماد میں اضافہ ہوگا اور زندگی کا یہ سفر بڑی آسانی سے پورا ہوگا۔

سلیقہ مند بحث ومباحثہ

کسی بھی معاملہ میں آپسی تکرار ومباحثہ تہذیب وشائستگی کے دائرے میں ہو، دونوں طرف سے زبان کا استعمال مہذب انداز میں ہو، تاکہ دوسروں کو ان کے کسی بھی معاملہ میں دخل اندازی کا موقع نہ ملے، لہذا اپنے اختلافات پر قابو پائیں، نرمی اور درگذر سے کام لیں، صبر وضبط کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، کیونکہ کوئی بھی ازدواجی تعلق ایسا نہیں پایا جاتا جہاں اختلافات نہ ہوتے ہوں، لیکن یہ اختلافات اس وقت پروان چڑھتے ہیں جب زبان کا غلط استعمال ہوتا ہے، زبان بے قابو ہوجاتی ہے، پھر ذرا سی بات طلاق اور خلع کے ناپسندیدہ نتیجہ تک پہنچادیتی ہے۔

ایک دوسرے سے تعامل میں مثبت رویہ

یہ حقیقت ہے کہ عورت اپنے شوہر پر اپنا حکم ہرگز چلا نہیں سکتی اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شوہر بیوی کے لئے ڈکٹیٹر بن جائے کہ اس کے سامنے بیوی کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو، لہذا دونوں ایک دوسرے کو

سمجھنے کی کوشش کریں اور ہمیشہ کسی بھی معاملہ کو مشترکہ بات چیت اور باہمی مفاہمت سے طے کریں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے راز دار بنیں، جب دونوں طرف سے اپنی بات منوانے کے لئے حدود کو پار کیا جاتا ہے تو بنتی بات بگڑ جاتی ہے، خیر کی جگہ شر آجاتا ہے، کیوں کہ آگ کو بجھانے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اس کے مقابلہ میں آگ ہو تو سب کچھ ویران اور خاک ہو جائے گا، کیوں کہ دنیا میں وہ کونسا ایسا انسان ہے کہ جس کی ہر بات پوری ہوتی ہے، بات صرف اللہ کی پوری ہوتی ہے، لہذا اگر کبھی خلاف عادت وفطرت کوئی بات نہ پوری ہو سکے تو اس کو قدرت کا فیصلہ سمجھ کر سکوت اختیار کرے یا انتظار کرے، جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ شوہر کرے اور نہ بیوی کرے، بل کہ زوجین میں سے ہر ایک کو ایثار وقربانی کے لباس میں ملبوس رہنا ضروری ہے، کیونکہ ایثار ہی آپ کی زندگی میں مشعل راہ ثابت ہوگا اور ازدواجی زندگی کی کامیابی وکامرانی کا ضامن ہوگا۔

ایک دوسرے کو اللہ کی نعمت سمجھے

اس بات کو یاد رکھیں کہ اپنا شوہر خدا کی طرف سے دیا گیا عطیہ ہے شوہر ہی ایک ایسا ساتھی ہے جو آپ کا آخری گھڑی تک ساتھ دیتا ہے وہی ہے جو سکھ، دکھ، آرام وراحت میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے، نیز آپ کے کنبے کو روٹی کمانے کے لئے کیا کیا تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے، اسی طرح بیوی بھی شوہر کے لئے اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے، جو اس کی خدمت کرتی ہے، اس کو سکون پہنچاتی ہے اور اس کے بچوں کی پرورش کرتی ہے، اس بیوی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شوہر زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گذارے اس کی پسند اور ناپسند کو اہمیت دے، لہذا شرعی حدود میں رہتے ہوئے بیوی کی خواہش و پسند کا احترام کرنا قابل ستائش ہے، نیز بیوی کے لئے بھی اپنے شوہر کی پسند کو اپنی پسند اور اس کی ناپسند کو اپنی ناپسند سمجھنا اطاعت وفرمانبرداری ہے۔

شوہر کے والدین کی خدمت

ایک خداترس بیٹے کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیوی اس کے والدین کی مکمل خدمت

کرے ،لہذا بیوی اپنے شوہر کے والدین کو اپنے والدین کے مانند سمجھے اپنے آپ میں انکساری پیدا کرے، کہتے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہے، ہاں واقعی صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور اگر آپ خوشحالی چاہتے ہیں تو اپنی خواہشات کو اپنے سینوں میں دبا کر جینا سیکھو دوسروں کے ساتھ اچھائی کرو لیکن ان سے اچھائی کی توقع مت رکھو، اپنے لئے تو سب جیتے ہیں، لیکن دوسروں کے لئے جینا بہت کم لوگوں کو آتا ہے، کامیاب انسان تو وہی ہے جو دوسروں کے لئے زندہ رہے، زندگی دکھوں اور مصیبتوں کا گہوارہ ہے، دنیا ایک آزمائش گاہ ہے، بہت خوش نصیب ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جنہیں سسرال میں ہر سو خوشیاں ملتی ہیں ورنہ کون سا سسرال ایسا ہے جہاں تھوڑی بہت پیچیدگی اور پریشانی نہ ہو۔

اس کے علاوہ بھی حالات اور وقت کے اعتبار سے بہت کچھ مفید ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے جس کو اپنانا ہمارا فرض ہے اور مسلسل ان باتوں پر عمل کرتے رہنا چاہئے ،ورنہ سالہا سال کے رشتے معمولی سی بات پر ختم ہو جاتے ہیں، کیونکہ زندگی میں بہاروں کو آنے کے لئے سالوں لگ جاتے ہیں لیکن آن واحد میں خزاں آدھمکتی ہے،اس لئے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہئے کہ کہیں زندگی کی پرخار وادیاں آپ کو لہولہان نہ کردیں۔☆☆☆

تیسرا باب

تجزیات

☆ ......تم نے عہد توڑا تو ہم نے دشمن مسلط کر دیا

☆ ......موجودہ بدعنوانیاں .....اور اسلامی حکمراں

☆ ......الٹی ہوگئی سب تدبیریں

☆ ......جاپان کے زلزلے امم سابقہ کے عذابات کے نمونے

☆ ......عرب حکمرانوں کی ہٹ دھرمی کا انجام

☆ ......ان کی تباہی پر ہماری ذمہ داری

☆ ......آزمائشیں ....ابھی ختم نہیں ہوئیں

تم نے عہد توڑا، ہم نے دشمن مسلط کردیا

افغانستان اور عراق پر ظالمانہ وجابرانہ حملہ کے بعد پوری دنیا کے سامنے امریکہ کہ ایسی بدنامی ہوئی کہ اس بدنامی کو نیک نامی سے بدلنے کے لئے امریکہ کو کئی جھوٹ اور حیلوں کا سہارہ لینا پڑا، ان دونوں اسلامی ملکوں کی بربادی کے بعد امریکہ اور ایران کی لفظی جنگ شروع ہوگئی، امریکی سابق صدر جارج بش اور ایرانی سابقہ صدر احمدی نزاد کے ایک دوسرے کے خلاف جو بیانات پوری دنیا کے سامنے شائع ہورہے تھے ان سے ایک وقت ایسا لگ رہا تھا کہ عراق کے بعداب ایران کی باری یقینی ہے، چند ہی دنوں میں عراق کی طرح ایران کی سڑکیں بھی لاشوں سے بھری نظر آئیں گی، وہاں کی گلیوں سے معصوم بچوں کی چیخ وپکار سنائی دے گی، کئی عورتیں اپنی عزت وعصمت کے قیمتی جوہر سے محروم ہوجائیں گی، کئی نوجوان لڑکیاں درندہ صفت امریکی فوجیوں کی ہوس کی شکار بن جائیں گی، کئی عورتیں بیوہ اور کئی بچے یتیم ہونگے، بےشمار لوگ ابدی نیند کی آغوش میں چلے جائیں گے اور نہ معلوم کیا کیا خطرات اور اندیشے ہر ایک کے قلب ودماغ میں ایران کے متعلق پیدا ہورہے تھے اور کبھی احمدی نژاد کی دھمکیوں کے پیش نظر ایسا محسوس ہورہا تھا کہ اب ظلم حد سے زیادہ ہوگیا ہے اور ایران پتھر کا جواب پتھر سے دینے کے لئے تیار ہوچکا ہے، افغانستان اور عراق کا بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے، امریکہ کا سارا غرور خاک میں ملنے والا ہے، بعض مبصرین اور تجزیہ نگاروں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر امریکہ نے ایران پر حملہ کیا تو عراق وافغانستان کی طرح ایران کی سرزمین اسے راس نہیں آئے گی، بلکہ اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا اور اسے اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، لیکن یہ سارے خدشات پانی کے بلبلے ثابت ہوئے، اس لئے کہ جارج بش ایران کے خلاف بیانات دیتے رہے، لیکن حملہ کرنے سے پہلے ہی ان کو اقتدار اور صدارتی کرسی سے ہاتھ دھونا پڑا، اس کے بعد بھی لفظی جنگ

نے ختم ہونے کا نام نہیں لیا، بل کہ اوباما بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایران کے خلاف بیانات دیتے رہے، لیکن امریکہ صرف اب تک بیانات اور دھمکیوں پر ہی اکتفاء کرتا رہا، جب کہ اس نے افغانستان اور عراق پر حملہ کرنے میں اس طرح پس وپیش سے کام نہیں لیا، آخر اس تاخیر کی کیا وجہ ہے، کیا واقعتاً امریکہ ایران سے خائف ہے؟ یا عراق اور افغان جنگ کے بعد امریکہ مالی بحران کا شکار ہے؟ یا پھر ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور اس کہاوت کے مانند امریکہ اور ایران ظاہرا تو دشمن ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں؟ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے، لیکن اصل حقیقت کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور ان اسباب میں سے کونسا سبب ایران پر حملہ کے لئے مانع ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ امریکہ کو بالواسطہ جس ملک سے خطرہ ہے اس سے بے فکر ہو کر وہ لیبیا کے داخلی معاملات میں خلل انداز ہو کر لبیاء کی عوام کو معمر قذافی کے فوجیوں کی گولیوں سے حفاظت اور ان کو انصاف دلانے کے نام پر آسمان سے آگ کے گولے برسا کر انھیں ختم کرنے پر تل گیا ہے اور اس کا فیصلہ بھی اتنی ہی جلدی کیا گئی جتنی جلدی میں عراق اور افغانستان پر حملہ کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا، افغانستان اور عراق پر حملہ کرتے وقت بھی لیبیا ہی کی طرح طالبان سے افغانیوں کو اور صدام حسین سے عراقیوں کو انصاف دلانے کا دعوی کیا گیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ کے حملے کے بعد افغانی اور عراقی عوام کو انصاف ملا، انھیں راحت وسکون نصیب ہوا، یا ان کی زندگی پہلے سے زیادہ بے سکون بن گئی؟ تو عراق اور افغانستان کی موجودہ صورت حال اس بات کی گواہ ہے کہ حالات سدھرنے کے بجائے بگڑ گئے ہیں کیونکہ بم دھماکہ اور خودکش حملے سورج اور چاند کے غروب وطلوع کی طرح ان کی زندگی کے معمولات میں داخل ہو گئے ہیں اور اگر بالفرض حالات اچھے ہو بھی جاتے تو اس سے پہلے جن معصوم اور بے گناہ انسانوں پر جو ظلم کیا گیا ہے اور ناحق ان پر بم برسا کر ان کے بدن کو بھون دیا گیا ہے اس کا کفارہ کیسے ادا ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر امریکہ، برطانیہ اور دیگر اسلام دشمن ملکوں کی مداخلت سے معمر قذافی کی حکومت کو شکست ہو جاتی ہے تو یہ بات یقینی ہے کہ لبیا کے کئی باشندوں کو امریکہ کی بربریت کا شکار ہونا پڑے گا، اور اس کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، میڈیا کی اطلاعات کے مطابق معمر قذافی کی فوج

نے پہلے ہی ہزاروں کی تعداد میں لیبیائی باشندوں کو ہلاک کر دیا ہے اور اب امریکہ و برطانیہ کے حملوں سے کئی لوگوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑ رہا ہے، جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایک طرف معمر قذافی اپنی آمریت اور حاکمیت کی بناء پر تو دوسری طرف امریکہ اور اس کے ساتھ دیگر مما لک قذافی کے ظلم و جبر سے آزادی کے نام پر لیبیائی عوام کو قتل و غارت کے غار میں ڈھکیل رہے ہیں۔

الغرض لیبیا میں مسلمان آپس میں بھی اور دشمن کے ہاتھوں بھی مارے جا رہے ہیں اور بحرین، یمن، شام اور دیگر اسلامی مما لک میں عوامی مظاہروں میں ہزاروں لوگ اپنوں ہی کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں، جب کہ قرآن نے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست اور بھائی قرار دیا ہے، اس کے باوجود اس طرح کے حالات کہ ایک طرف دشمن سر پہ سوار تو دوسری طرف مسلمانوں کا آپسی قتل و قتال، یہ عالم اسلام کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے، اس لئے سب سے پہلے ہمیں اس طرح کے حالات کے اسباب کو جاننا ہوگا، ان اسباب اور اس پر مرتب ہونے والے حالات کی ہمارے پیارے آقا ﷺ نے ہنے اپنی زندگی ہی میں نشاندہی فرمائی تھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا" ولم ینقصوا المکیال والمیزان الا أخذوابالسینین ...وجورالسلطان علیهم...ولم ینقضوا عهدالله وعهد رسوله الا سلط الله علیهم عدوا من غیرهم فأخذوا مافی أیدیهم ومالم تحکم أئمتهم بکتاب الله ویتخیروا بما أنزل الله الا جعل الله بأسهم بینهم" کہ جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتے ہیں تو قحط سالی میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور ان پر ظالم بادشاہ مسلط کئے جاتے ہیں اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان کو توڑنے لگتے ہیں تو ان کے اوپر غیروں میں سے دشمن مسلط کئے جاتے ہیں، جو ان کی بعض چیزوں (دولت وحکومت، سلطنت وقوت) پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جب ان کے حکمراں اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کے نازل کردہ احکامات کو اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالی ان کے (اور عوام) کے درمیان اختلاف و پھوٹ ڈال دیتے ہیں (ابن ماجه : ٤٠١٩)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے قریب ''ھرج'' پیش آئے گا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ ھرج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قتل تو

بعض مسلمانوں نے کہا ہم ابھی اتنے اتنے مشرکین کوقتل کرتے ہیں (تو کیا اسی تعداد میں ہم کو بھی قتل کیا جائے گا) تو آپ نے فرمایا "لیس بقتل المشرکین ولکن یقتل بعضکم بعضا حتی یقتل الرجل جارہ وابن عمہ وذاقرابتہ" کہ مشرکین تم کو قتل نہیں کریں گے بل کہ تمہارے آپس میں قتل وقتال میں نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ آدمی اپنے پڑوسی، چچازاد بھائی، اوراپنے رشتہ دار کوقتل کرڈالے گا(ابن ماجہ :۱۲۰۸)۔نیز ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "اذامشت أمتی المطیطاء وخدمھا أبناء الملوك أبناء فارس والروم سلط شرارھا علی خیارھا" کہ جب میری امت تکبر میں مبتلا ہوگی اور میری امت کی خدمت بادشاہوں کی اولادیعنی روم اور فارس کے بسنے والے(یہودی اورعیسائی) کرنے لگے گیں تو اس امت کے برے لوگوں کواچھے لوگوں پر مسلط کیا جائے گا(ترمذی :۲۲۶۱)۔

مذکورہ احادیث سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان سارے حالات کے ذمہ دار خود ہم ہی ہیں،اس لئے کہ ہم نے اوراسلامی ممالک میں رہنے والے ہمارے بھائیوں نے اللہ اوراس کے رسول کے عہدو پیمان کوتوڑ دیا،اس لئے امریکہ ودیگر اسلام دشمن ممالک ہم پر مسلط ہوچکے ہیں اور تیل اور دیگر معدنیات کے ذخائر کواپنے قبضہ میں کررہے ہیں،اسلامی حکمرانوں نے قرآن وسنت کوچھوڑ دیا اورعیش وآرام اوردنیوی موج مستی میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالی ان کی رعایا کوان کے خلاف کردیا جس کے نتیجہ میں کئی اسلامی ملکوں میں مظاہرے ہورہے ہیں اورمغربی ممالک نے عرب حکمرانوں کی شاہی مہمان نوازی اور خدمت گزاری کرکے ان کی زبان کولگام لگادی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں بہت حدتک کامیاب ہوتا جارہا ہے، نیز یہ حالات قرب قیامت پر بھی دلالت کرتے ہیں،لہذا اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے رب کے مطیع وفرمانبردار بن جائیں،خصوصا اسلامی حکمراں اپنے قلب ودماغ کو اللہ اوراس کے رسول کی محبت سے منورکریں اوراپنا ہر فیصلہ اور ہرکام شریعت کے مطابق کریں،اپنی عوام میں عدل وانصاف قائم کریں تو یقیناً یہ سب مظاہرے بھی بند ہوجائیں گے، دشمن کا تسلط ختم ہوکراس کے دل میں ہماری طاقت کی دہشت بیٹھ جائے گی، تیل کے ذخائر بھی ہمارے پاس محفوظ رہیں گے اور ہرایک کو امن وسکون نصیب ہوگا، اللہ کی رحمت ونصرت کی بارش ہوگی، اللہ کرے ایسا ہی ہوجائے۔☆☆☆

موجودہ بدعنوانیاں.......اور اسلامی حکمراں

اس دنیا میں غربت کے ساتھ مالداری بھی نظام قدرت کی ایک دلیل ہے، ہر زمانہ میں کچھ لوگ غربت وافلاس کے شکار رہے ہیں تو کچھ لوگ مالداروں کے نام سے پہچانے گئے ہیں، ان مالداروں میں سے بعض مالدار تو وہ ہیں جن کو مالدار بننے کے لئے بڑی محنت ومشقت کرنا پڑی، جنھوں نے ایک ایک پیسہ جمع کیا اور کئی قربانیوں کے بعد مالداری نے ان کے قدم چومے، نیز انھوں نے اس منزل پر پہنچنے تک ہمیشہ سچائی، راست گوئی اور ایمانداری کو ملحوظ رکھا، جھوٹ، دھوکہ دہی، لوٹ مار اور ظلم وستم سے کنارہ کش رہے، یقیناً ایسے مالدار حضرات قابل مبارک باد ہیں، لیکن بعض مالدار وہ بھی ہیں جن کی مالداری کئی مظلوموں کی آہوں، کئی غریبوں کی بددعاؤں، کئی لوگوں کے آنسوؤں اور کئی معصوم اور بے گناہ جانوں کی دین ہے، اس لئے کہ حرص اور طمع نے ان کو ایسا اندھا بنا دیا ہے کہ وہ مال کے لئے انسانی رشتوں کے تقدس کو پامال کرنے اور اس کی دھجیاں اڑانے کے لئے بے خوف وخطر ہر وقت تیار رہتے ہیں، انھیں نہ کسی کی تکلیف کا احساس، نہ کسی کے درد وغم کا خیال اور نہ کسی کی بھوک وپیاس کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، اگر یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہوں جن کا قوم وملت سے کوئی واسطہ نہ ہو اور قوم وملت کو ان سے کوئی امید اور تمنا نہ ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اس کے برخلاف اگر ایسے مالدار ان لوگوں کی فہرست میں نظر آئیں جن کو لوگوں نے اپنے لئے رہبر وپیشوا مشکل کشا ومہرباں سمجھ کر اپنے قیمتی ووٹوں سے حکومت کی گدی وکرسی تک پہنچایا تھا، جو اپنے فرض کو بھول کر عوام کے خون وپسینہ کی کمائی کی بھیک سے اپنے اور اپنے اہل وعیال اور خاندان کے مستقبل کو سنوارنے میں مصروف نظر آئیں تو یقیناً ایسے لوگ قابل مذمت وملامت ہیں۔

اس وقت پورے ہندوستان میں اخبارات، نیوز چینلوں اور ہر عام وخاص کی زبان پر جو باتیں اور خبریں گشت کر رہی ہیں وہ حکومت کے کارندوں کے گھپلوں کے متعلق ہیں، جن کو سن کر اور پڑھ کر ہر ہندی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، لیکن گھپلہ کرنے والے بڑی ہی بے شرمی کے ساتھ سینا تان کر بیانات دینے سے تھکتے نظر نہیں آتے، یہ گھپلہ کرنے والے وہی لوگ ہیں جن سے لوگوں کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں، کئی تمنائیں ان سے متعلق تھیں، جن پر لوگوں کو اعتماد تھا، انھوں نے عوام سے کئی جھوٹے وعدے کرکے ووٹوں کی بھیک مانگی تھی، اگر یہ وعدے پورے نہ بھی کرتے تب بھی کوئی شکوہ نہ تھا، لیکن غم اور افسوس اس بات کا ہے کہ انھوں نے عوام کے حقوق ومطالبات پورا کرنے کے بجائے عوام کے ہی مال سے اپنے اور اپنی اولاد کے خزانہ کو ایسا بھر دیا کہ نسل درنسل کسب معاش کی فکر سے آزاد ہوگئی، یہ ایسا دھوکہ ہے جسے حدیث پاک میں سب سے بڑا دھوکہ کہا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ألا ولا غادر أعظم غدرا من أمير عامة" کہ سنو کسی حاکم اور ذمہ دار سے زیادہ دھوکہ دینے والا کوئی نہیں (مسلم: ۴۵۳۸) ۔یعنی اگر کوئی حکمراں یا حاکم دھوکہ دیتا ہے تو یہ سب سے بڑا دھوکہ ہے، اسی لئے اس گھناؤنے فعل کو عوام تو کیا ان کا اپنا ضمیر بھی انھیں معاف نہیں کرے گا اور اس بدنما داغ کو آب زمزم سے بھی دھویا جائے تو صاف نہیں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کا ضمیر باوقار اور باعزت عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود اس طرح کی رذیل اور قبیح حرکتیں کرنے کو کیسے قبول کرتا ہے؟ تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ ان کا دل ذات باری پر ایمان ویقین کی دولت سے خالی ہے، جس کی بناء پر یہ لوگ خشیت الٰہی کی نعمت سے محروم ہیں، صداقت وراست گوئی سے انھیں نفرت ہے، دھوکہ دہی اور خیانت ان کا بہترین شیوہ ہے، وعدہ خلافی اور بے ایمانی ان کی پہچان ہے، اس کے برعکس جو شخص خدا ترس ہو، جسے اپنے انجام کی فکر ہو، قوم وملت کی خدمت جس کا شعار ہو، جس کی نظر خلفاء راشدین کی تاریخ پر ہو وہ کبھی بھی عوام کے مال سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا، تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ماضی میں اس دھرتی پر جب بھی سچے اور امانت دار حاکموں نے حکمرانی کی ہے، لوگوں نے خوشحال اور پرسکون زندگی گذاری ہے، بطور نمونہ حضرت عمر

فاروقؓ اور عمر ثانی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حالات ہی کافی ہیں۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب قحط پڑا تو آپؓ کی عجیب حالت رہی، آپؓ نے گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہیں کھائی، نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے، اے خدا محمد ﷺ کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ فرما، اسلم ان کے غلام کا کہنا ہے کہ قحط کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کو جو تردد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاسکتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوا تو وہ اسی غم میں ہلاک ہوجائیں گے، ایک دفعہ آپؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے، پاس جا کر کہا ''داہنے ہاتھ سے کھاؤ'' اس نے کہا جنگ مؤتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا، حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوئی، اس کے برابر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر کو مقرر کیا اور اس کے لئے تمام چیزیں خود مہیا کردیں، آپؓ کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے سامان لانا ہو تو میں لادوں، وہ لونڈیاں ساتھ کردیتیں، آپؓ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالے کرتے، مقام جنگ سے قاصد آتا اور مجاہدین کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچاتے اور فرماتے کہ فلاں تاریخ کو قاصد واپس جانے والا ہے، تم جواب لکھو، کاغذ قلم خود مہیا کرتے، جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا تو خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے، ان باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؓ کو اپنی رعایا کے آرام و آسائش اور خبر گیری کی کس قدر فکر تھی، اسی لئے آپ کو اس بات کی سخت فکر لگی رہتی تھی کہ کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، یہ اس شخص کی زندگی کے چند حالات ہیں جس کی خلافت و حکومت میں تقریباً پوری دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہوچکی تھی اور ہر طرف اسلامی پرچم لہلہا رہا تھا، جس کے نام سے بڑی بڑی سلطنتوں کے طاقتور بادشاہ اور ملوک کانپ جاتے تھے، لیکن اس نے اپنی پوری زندگی کو خدمت خلق کے لئے ایسا وقف کردیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے حاکموں کے لئے ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ حکومت کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے ایک صاحب ذوق امیرانہ

مزاج اور نفیس طبع نو جوان تھے، وہ جس راستہ سے گذرتے تھے دیر تک اس کی مہک بتلاتی تھی کہ ادھر سے عمر گذرے ہیں، ان کی چال مشہور اور نوجوان کا فیشن تھی، لیکن زمام حکومت ہاتھ میں آتے ہی فوری طور پر چند عمال حکومت کو معزول کر دیا جو سخت ظالم اور ناخدا ترس تھے، ان کے سامنے شاہی تزک واحتشام کا جو سامان پیش کیا گیا تھا اس کو بیت المال میں جمع کیا اور ثابت کیا کہ وہ عمر بن خطابؓ کے جانشین ہیں، انھوں نے تمام مظالم کا تصفیہ کیا، اپنی مجلس کو سنت اور خلافت راشدہ کے نمونہ کے مطابق سادہ بنادیا، اپنی جاگیر مسلمانوں کو واپس کر دی، بیوی کا زیور بیت المال میں داخل کیا، آپؒ نے ایسی زاہدانہ زندگی اختیار کی جس کی مثال درویشوں اور فقراء میں بھی ملنا مشکل ہے، لباس میں ایسی کمی کہ بعض اوقات کرتا سوکھنے کے انتظار میں جمعہ میں جانے کے لئے تاخیر ہو جاتی، بیت المال سے اپنا نپا تلا حصہ لیتے، ایک مرتبہ اپنی بچیوں سے ملنے گئے تو دیکھا کہ بچی بات کرتے وقت منہ پر ہاتھ رکھتی ہے، سبب دریافت کیا تو معلوم ہو کہ آج بچیوں نے صرف دال اور پیاز کھائی ہے، رو کر فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اقسام وانواع کے کھانے کھاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جائے، یہ سن کر وہ بھی رو پڑیں، یہ وہ شخص ہے جو اس وقت روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کا حکمراں تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کی حکومت میں ہر آدمی خوش تھا، کسی کو حکومت سے نہ کوئی اعتراض تھا اور نہ شکوہ، اور جس خوش نصیب قوم کو اس طرح کے حکمراں میسر آجائیں تو ان کو کیونکر اپنے بڑوں سے شکایت ہو سکتی ہے؟

اگر آج بھی ہمارے حکمراں اور سیاست داں کم ازکم ان حضرات کی تاریخ سے سبق وعبرت حاصل کرلیں، خصوصا وہ مسلم حکمراں جن کو خدا نے یہ موقع دیا ہے اور مکمل نہیں تو کسی حد تک ہی اپنی اصلاح کرلیں تو یقیناً عوام کے حقوق ومطالبات بھی پورے ہونگے، مہنگائی کی مصیبت سے نجات ملے گی، غربت وافلاس میں کمی ہوگی، لوگ خودکشی جیسے حرام کام سے بچ جائیں گے، عورتوں کو اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرنا آسان ہوگا، الغرض لوگوں کے چہروں پر سے غم کے بادل چھٹ کر خوشی کی بادل سایہ فگن ہوں گے اور اہل سیاست اور ارباب حکومت کو بھی حقیقی سکون نصیب ہوگا۔☆☆☆

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں.....

(مکہ مسجد بم دھماکہ کے مشتبہ ملزم شیخ عبدالکلیم کی رہائی -- خدائی تدبیر)

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دینِ اسلام کے فروغ اوراس کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کواورآپ کے صحابہؓ کوجن تکالیف اور حالات کا سامنا کرنا پڑاان کی مثال تاقیامت نہیں مل سکتی، ان سارے حالات کاتعلق حق وباطل کے درمیان معرکہ آرائی سے تھااوران حالات میں ہمت وجرأت کے ساتھ حق پر جمے رہنے والوں کواللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ ابتداء اسلام میں باطل کا مقابلہ آپ کی ذات اقدس اور صحابہ کی مقدس جماعت سے تھا، نیز وہ زمانہ نزول قرآن کا تھا، اس لئے اس وقت جابجا اللہ کی طرف سے اہلِ حق کوکبھی تسلی، توکبھی رہبری، توکبھی خوشخبری اورکبھی اس بات کا وعدہ کیا جاتا کہ اگرتم ثابت قدم رہوں گےاوران باطل طاقتوں کی وجہ سے تمہارے عزم واستقلال میں ذرا بھی جنبش اور لچک پیدا نہ ہو پائے تو ان باطل طاقتوں کو نیست ونابود کردیا جائے گااوران کی ساری تدبیروں اورسازشوں کوناکام کردیا جائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پرالگ الگ انداز اورالگ الگ الفاظ سے اس کا اعلان کیا ہے، ایک جگہ اللہ فرماتے ہیں" ولا یحزنك قولهم ان العزة لله جميعا هو السميع العليم"(سورہ یونس: ٦٥) کفارقریش نبی اکرم ﷺ کواپنی قوت وطاقت سے ڈراتے تھےاورطرح طرح کی دلخراش باتیں کہتے تھے، اس لئے اس آیت میں آپ کوتسلی دی گئی کہ یہ لوگ آپ کے قتل کی کتنی تدبیریں کرلیں اورآپ ﷺ کو ڈرائیں مگر وہ آپ ﷺ پر غالب نہیں آسکتے، اللہ آپ کو غلبہ اورعزت عطا کرے گااورآپ کے دشمنوں کوذلیل کرے گا، دوسری جگہ کفار کی سازشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا" وقد مکروامکرهم

وعنداللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام" (سورہ ابراھیم: ۴۶-۴۷) اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیعؒ صاحب لکھتے ہیں کہ جب کفار نے دین حق کو مٹانے کے لئے اور دعوت حق قبول کرنے والے مسلمانوں کو ستانے اور ایذاء پہچانے کے لئے بھرپور تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ کے علم سے یہ تدبیریں مخفی نہیں ہیں اور اللہ تعالی ان تدبیروں کو ناکام بنانے پر قادر ہے، اگر چہ ان کی یہ تدبیریں ایسی عظیم اور سخت تھیں کہ ان کے مقابلہ پر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسولوں سے جو فتح اور نصرت کے وعدے کئے ہیں وہ ان کے خلاف کرے گا بلاشبہ اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے (معارف القرآن: ۱۹۵/۴)۔

قرآن کریم ایک ابدی اور اصولی کتاب ہے، یہ سب سے افضل اور اشرف کتاب ہے، اگر چہ قرآن کریم کے مخاطبینِ اول آپ ﷺ اور صحابہؓ ہیں لیکن قرآن کا پیغام لازوال اور لافانی ہے، اس کی آیات میں آپ ﷺ کے زمانہ میں جتنی سچائی اور حقانیت تھی آج بھی اسی طرح ہے، اس کے احکام جن مصالح پر مبنی تھے آج بھی ان مصالح پر مبنی ہیں، اس اعتبار سے قیامت تک آنے والے تمام انسان اس کتاب کے مخاطب ہیں اور اس میں پوری انسانیت کے لئے رہبری ہے، البتہ قرآن کی جو آیات اہل حق اور اہل ایمان کے متعلق نازل ہوئی تھیں ان کا تعلق اہل ایمان سے ہے اور جن آیات کا تعلق کفار اور مشرکین سے تھا آج بھی انھیں سے ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اور پروپیگنڈے کئے جا رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، اگر ہم دنیا کے دیگر ملکوں کو چھوڑ کر صرف اپنے اس ملک ہندوستان کا ہی جائزہ لیں تو یکبارگی دل ڈر جاتا ہے، ہاتھ لرز جاتے ہیں، بدن میں کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے اور ایک خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، خاص طور پر بابری مسجد کی شہادت کے بعد پورے ملک میں منصوبہ بندی کے ساتھ فسادات برپا کئے گئے جس میں ہزاروں معصوم لوگوں کو اپنی قیمتی جان سے ہاتھ دھونا پڑا، جس کے نتیجہ میں کئی عورتیں بیوہ اور کئی بچے یتیم ہو گئے اور بے شمار مسلم عورتوں کو اپنی عزت وعصمت کے قیمتی

جو ہر سے محروم ہونا پڑا اور مسلمانوں کی کروڑوں روپیوں کی املاک تباہ و برباد ہوگئی، جس کی تلافی شاید سالہا سال تک نہ ہو سکے، اس کے بعد ان فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جس میں گجرات کے فسادات سب سے دل سوز اور لرزہ خیز تھے، اس پر مزید ظلم یہ کہ دشمنانِ اسلام نے فسادات کرانے کے لئے از خود مختلف قسم کی تدابیر اختیار کیں اور ان کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا، ان تدابیر میں سب سے انوکھی اور نرالی تدبیر یہ تھی کہ ملک کے مختلف شہروں میں بڑی ہی چالاکی سے بم بلاسٹ کے ذریعہ معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون خرابہ کیا جائے اور اس کا الزام مسلم تنظیموں کے سر ڈال کر قوم کا سرمایہ اور ستون و بنیاد سمجھے جانے والے نوجوانوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا جائے اور ان کی قیمتی زندگی کو خراب کیا جائے، یہ ہمارے دشمنوں کی سب سے بڑی کامیاب سازش تھی، اسی لئے مالیگاؤں، مکہ مسجد، اجمیر درگاہ شریف، سمجھوتہ ایکسپریس بم دھماکوں کے علاوہ ملک کے دیگر بم دھماکوں کے فوراً بعد ٹی وی و انٹرنیٹ اور اخبارات کے ذریعہ پوری دنیا کو یہ باور کرایا گیا کہ اسلام اور مسلمان دہشت گرد ہیں اور مسلم نوجوان بے گناہ لوگوں کے قاتل ہیں اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ جب جھوٹ کو کثرت سے بولا جائے تو وہ سچ کا روپ اختیار کرتا ہے اور ان واقعات میں بھی یہی سب ہوا یہاں تک کہ اکثر پڑھے لکھے مسلمان بھی یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ ان دھماکوں میں لشکر طیبہ، سیمی اور فرضی انڈین مجاہدین کے نوجوان شامل ہیں جب کہ حقیقت بالکل اس کے خلاف تھی۔

اللہ تعالیٰ کا نظام قدرت بھی بڑا عجیب ہے، وہ اپنے نافرمانوں کی سازشوں کو اس طرح ناکام کرتا ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا " ومکروا ومکر الله والله خير الماكرين"(ال عمران : ٥٤) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ کفارِ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کروانے کی سازش کی اور اس وقت کے کافر بادشاہ سے شکایت کی کہ ایک آدمی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور انھیں بادشاہ کی اطاعت سے روکتا ہے، عوام میں اختلاف پیدا کرتا ہے، بادشاہ نے ان باتوں کو سننے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا حکم دیا، جب لوگ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے جمع ہو گئے تو اس سازش کے سرغنہ کو اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کے مشابہ بنا ڈالا اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھالیا، لوگوں

نے اس سرغنہ کو پکڑ کر اس کی خوب اہانت کی اور سولی پر چڑھا دیا، اس طرح حضرت عیسیٰ کے خلاف کی جانے والی سازش اللہ کی تدبیر کے سامنے نا کام ہوگئی، اسی طرح اللہ تعالی ہمیشہ اپنے نیک بندوں کے خلاف ہونے والی سازشوں کو اپنی قدرتی تدابیر سے نا کام اور بے کار کرتے رہتے ہیں، چند دنوں سے اخبارات کی سرخیوں میں اور الیکٹرانک میڈیا کی خبروں میں اس طرح کی ایک خبر گشت کر رہی ہے کہ ہندوستان کے تقریباً تمام بم دھماکوں میں بطور ملزم جن مسلم نوجوانوں کو قید کیا گیا تھا ان میں سے مکہ مسجد بم دھماکہ کے مشتبہ ملزم عبدالکلیم اپنی زندگی کے قیمتی ایام جیل میں گذار رہے تھے کہ ان کی ملاقات بم دھماکوں کے کلیدی ملزم سوامی اسیمانند سے ہوگئی، اسیمانند عبدالکلیم کے اخلاق و عادات سے ایسے متأثر ہوئے کہ جب انھوں نے عبدالکلیم کی داستانِ الم سنی تو ان کا ضمیر جاگ اٹھا اور انھوں نے ان تمام بم دھماکوں کی ذمہ داری قبول کر لی جن کے الزامات مسلم نوجوانوں پر لگے تھے، مزید برآں ان دھماکوں سے ہونے والی تباہی و بربادی اور ہلاکتوں کے لئے باقاعدہ اس وقت کی صدرِ ہند پرتیبھا پاٹل اور سابقہ صدرِ پاکستان آصف زرداری کو خط لکھ کر معافی طلب کی۔

اس اعتراف کے بعد ایک طرف مسلمانوں کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس ملک ہی میں نہیں بل کہ پوری دنیا کے سامنے مسلمانوں کی برأت کا اعلان ہوا، نیز عبدالکلیم کو رہائی نصیب تو ہوئی ہی ساتھ ہی ساتھ دوسرے مسلم نوجوانوں کی رہائی کی امید بندھ گئی اور ان کی رہائی کا مطالبہ اور ان کے بے قصور ہونے کو ثابت کرنے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا، تو دوسری طرف مسلمانوں اور اس دیش کے دشمن اس ملک کو ہندو راشٹر بنانے والے اور اس ملک کے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینے والوں کی سالہا سال کی منصوبہ بندی پر پانی پھیر گیا اور ان کے غبارہ کی ہوا نکل گئی اور بولتی بھی بند ہوگئی، یہ اچھی خبر ہے کہ اس اعتراف کے بعد تحقیق تیز ہوگئی ہے، جس سے امید ہے کہ ہندو دہشت گردی کا نیٹ ورک مکمل طور پر عیاں ہو جائے گا اور ان کو تعاون کرنے والوں کا چہرہ بھی بے نقاب ہو جائے گا، جو ابھی تک قانون کی گرفت سے محفوظ ہیں، یقیناً یہ بات سچ ہے کہ اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اور اللہ تعالی جلدی نہیں تو تاخیر ہی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی واضح کر دیتے ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ دورِ رسالت سے لیکر آج تک اللہ تعالی نے اس طرح کے فیصلے اور اس طرح کی تدابیر کے ذریعہ ان لوگوں کی مدد کی ہے جو اللہ کے مطیع وفرمانبردار اور اچھے اخلاق واطوار کے عادی ہوں، عبدالکلیم کو بھی جس کی وجہ سے جج نے بری قرار دیا ہے وہ اس کے اچھے اخلاق ہی ہیں، اس لئے کہ انسان اپنے اچھے اخلاق کے ذریعہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے، لہذا ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع کردیں اور اپنے آپ کو بااخلاق بنائیں تو ہم کو بھی اللہ تعالی دشمن کی تمام سازشوں اور پریشانیوں سے محفوظ رکھے گا اور امن وسلامتی عطا فرمائے گا۔☆☆☆

جاپان کے زلزلے امم سابقہ کے عذابات کے نمونے

دنیا کا یہ دستور ہے کہ ہر بڑے شخص کی دلی خواہش اور دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اس سے چھوٹا اور کم درجہ کا انسان اس کی بات مانے، اس کی فرمانبرداری کرے، اسی لئے والدین اپنی اولاد سے، اساتذہ اپنے تلامذہ سے، شوہر اپنی بیوی سے، بادشاہ اپنی رعایا سے، حاکم اپنے محکوموں سے، مالک اپنے نوکروں سے، صاحبِ منصب اپنے ماتحتوں سے الغرض ہر بڑا اپنے چھوٹے سے اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ میری اطاعت وتابعداری تم پر فرض اور لازم ہے اور میری خوشی اور رضا مندی میری اطاعت پر ہی موقوف ہے، اسی اصول کے مطابق اللہ تعالی بھی اپنے بندوں سے اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں " وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" کہ میں نے انسانوں اور جنات کو میری اطاعت وبندگی کے لئے پیدا کیا ہے (الذاریات:٥٦)۔اور اسے اپنے بندوں کی نافرمانی سے غیرت آتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان الله يغار وغيرة الله أن ياتي المرء ماحرم الله" بےشک اللہ تعالی کو غیرت آتی ہے اور اس کی غیرت یہ ہے کہ آدمی وہ کام کرے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے(بخاری :٥٢٢٣) ۔ اور اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی مقصد اور اصول کی یاد دہانی کے لئے الگ الگ قوموں کی طرف مختلف وقتوں میں مبعوث فرمایا، انبیاء نے اپنی قوموں کو اللہ کی الوہیت وخالقیت، ربوبیت ووحدانیت اور اس کی ملوکیت وسلطنت پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن چند لوگوں کے علاوہ اکثر لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر ایمان لانے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالی نے زبردست وخطرناک عذابات کے ذریعہ ان کو بے خبری کی حالت میں ہلاک وبرباد کر دیا، قرآن کریم نے ان عذابات کا تذکرہ مختلف جگہوں پر مختلف انداز میں کیا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں "وكم من قرية أهلكنٰهافجائها باسنا بياتا أوهم قائلون " بہت سی بستیوں کو ہم نے تباہ وبرباد کر دیا اس طرح کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے

وقت آ پہنچا یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے(اعراف : ٤) قومِ عاد کے عذاب کے متعلق فرمایا گیا ” وقطعنا دابرالذین کذبوا باٰیتناوما کانوا مومنین“ کہ ہم نے قومِ عاد کی جڑ کاٹ دی کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے(اعراف: ۷۲) ۔کہ اس قوم پر تیز ہوا کا عذاب آیا جو سات دن مسلسل رہا جس نے ہر چیز کو تہس نہس کردیا جب کہ انھیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا،قومِ ثمود کے عذاب کے سلسلہ میں فرمایا گیا”فأخذتهم الرجفة فأصبحوافي دارهم جٰثمين“ پس ان کو زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے(اعراف: ۷۸)۔دوسری جگہ فرمایا ” وأخذالذين ظلموا الصيحة فأصبحوا في ديارهم جٰثمين“ قومِ ثمود کے ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے آدبوچا پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے(ھود :٦٧)۔اسی طرح قومِ لوط کو ہلاک کرنے کے لئے اللہ نے پتھروں کی بارش کا انتظام فرمایا،ارشاد باری ہے ” فلما جاء أمرنا جعلنا عاليها سافلها وأمطرنا عليها حجارة من سجيل منضود“ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو نیچے کردیا(الٹ دیا)اور ان پر کنکر یلے پتھر کی بارش برسائی جو تہہ بتہ تھے(ھود:۸۲)۔ان کے علاوہ بھی کئی طرح کے عذاب کا تذکرہ قرآن میں ملتا ہے جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالی ہر طرح کے عذاب کے نازل کرنے پر قادر ہیں۔

امم سابقہ کے نافرمانوں اور مجرموں پر نازل ہونے والے عذاب کو ہم صرف قرآن کریم کی تفاسیر، کتب احادیث اور دیگر دینی کتابوں میں پڑھتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان عذابات کا نزول یقیناً ہوا ہے،البتہ یہ بات حقیقت ہے کہ ہم نے ان عذابات کا عینی مشاہدہ نہیں کیا ہے اور نہ ہم ان عذابات کی دہشت اور وحشت سے واقف ہیں لیکن پچھلے چند سالوں سے پوری دنیا کے مختلف ممالک اور فی الحال جاپان میں زلزلوں اور سنامی کی شکل میں اللہ تعالی کا جو عذاب اور قہر نازل ہوا ہے وہ ماضی کے تمام عذابات کی عکاسی اور تصویر کشی کرتا ہے اور امم سابقہ کے عذابات کو پڑھنے اور سننے کے بعد ذہن میں جو تصورات قائم ہوئے تھے ان کی تصدیق کرتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ زلزلے ایک طرف قیامت کے متعلق قران میں مذکور آیات کا ایک واضح منظر تو دوسری طرف امم سابقہ کے عذابات کے نمونے اور

تمثیل ہیں، اگرچہ ان عذابات کی کیفیت موجودہ عذابات کی کیفیت سے جداگانہ رہی ہو لیکن نتائج کے اعتبار سے سب یکساں ہیں، کیونکہ ماضی میں بھی بستیاں اور گاؤں تباہ و برباد ہو گئے تھے تو اس وقت بھی کئی گاؤں زلزلوں کی زد میں آچکے ہیں، جس طرح ماضی میں اللہ کے عذاب سے بچنے اور سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا اس وقت بھی عذابِ الٰہی نے انھیں اچانک آگھیرا ہے، انسانی جانوں کا اتلاف اور مالی نقصانات میں بھی مکمل طور پر یکسانیت پائی جارہی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ماضی اور حال میں نازل ہونے والے عذابات کے اسباب بھی ایک ہی طرح کے ہیں؟ تو غور کرنے سے بغیر شک وشبہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ماضی اور حال کے اسبابِ عذاب میں بھی یکسانیت ہے، اسی وجہ سے ہمارے پیارے رسول ﷺ نے اپنی امت کو متنبہ کیا تھا کہ جو گناہ اور جرائم عذابِ الٰہی کے وقوع کے لئے سبب اور ذریعہ بنتے ہیں ان سے بچتے رہنا ورنہ تم پر بھی اللہ کا عذاب اور قہر نازل ہوگا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا"اذا اتخذ الفیء دولا والأمانة مغرما وتعلم لغیرالدین وأطاع الرجل امرأته وعق أمه وأدنى صدیقه وأقصىٰ أباه وظهرت الأصوات فی المساجد وساد القبیلة فاسقهم وكان زعیم القوم أرذلهم وأكرم الرجل مخافة شره وظهرت القینات والمغازف وشربت الخمور ولعن آخر هذه الأمة أولها فالیرتقبوا عند ذلك ریحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا وآیات تتابع كنظام بال قطع سلكه فتتابع، جب لوگ قومی مال کو اپنا ذاتی مال سمجھنے لگیں، امانت کو اپنا حق سمجھنے لگیں، زکوۃ کی ادائیگی کو جرمانہ اور ٹیکس سمجھنے لگیں، آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور والدین کا نافرمان بن جائے، اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے والد کے ساتھ برا سلوک کرنے لگے، مساجد میں شوروغل کیا جانے لگے، قوم کا سردار قوم کا سب سے بدترین شخص بن جائے، لوگوں کے شر سے حفاظت کی خاطر ان کی تعظیم کی جائے، شراب خوری عام ہو جائے مرد ریشم کا استعمال کرنے لگے، ناچنے گانے والی عورتوں اور لہو ولعب کے آلات کا چلن عام ہو جائے اور اس امت کے بعد کے لوگ پہلے لوگوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو ایسے وقت میں سرخ آندھیوں، زلزلوں، اور سنامی کا انتظار کرنے لگو(سنن ترمذی :۲۲۱۰)۔دوسری روایت میں آپ ﷺ نے انھیں چیزوں کے ساتھ مزید ایک چیز کہ دینی علم کو دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کیا جائے کا تذکرہ

کرتے ہوئے فرمایا ایسے وقت میں لوگوں کو سرخ آندھی، زلزلہ، دھنسادئے جانے، صورت کی تبدیلی، پتھر کے برسائے جانے کے عذاب کا انتظار کرنا چاہئے اور ایسے عذابات کا جو اس طرح مسلسل آنے لگیں جیسے کہ پرانا ہار جب اس کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے تو اس کی موتیاں ایک ایک کرکے بکھرنے لگتی ہیں (سنن ترمذی :۲۲۱۱)۔یعنی ان حالات کے بعد قیامت کی نشانیاں کثرت سے وجود میں آئیں گی۔

آپ ﷺ کی ذات اقدس اپنوں کے علاوہ غیروں میں بھی صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھی، آپ ﷺ نے جو فرمایا وہ سچ ہوکر رہے گا اس بات پر ایک سچے مومن کا یقین ہونا ضروری ہے، اس وقت صرف جاپان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا حدیث میں ذکر کردہ گناہوں کی مرتکب اور آماجگاہ بن چکی ہے، جس کی بناء پر وہ عذاب الٰہی کے آمد کی منتظر ہے، تو پھر اس طرح کے زلزلوں کے آنے میں کیا تعجب ہے، بل کہ یہ زلزلے انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی سزا اور بدلہ ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے امم سابقہ کے عذابات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا" و کذلك أخذ ربك اذا أخذالقریٰ وھی ظالمة ان أخذه الیم شدید" کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو ورنہ جس طرح گذشتہ بستیوں کو اللہ تعالی نے اپنے عذاب سے تباہ وبرباد کیا ہے اس طرح تمہارے نافرمان بننے کی صورت میں تم کو بھی برباد کردے گا اور اس کی پکڑ انتہائی سخت ہے (ھود :۱۰۲) اس لئے ہمیں جاپان اور دیگر ملکوں کے حالات سے عبرت حاصل کرکے اپنی زندگی کو سدھارنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وپیروی کرنا لازم ہے، ہمیں زلزلوں کے آنے کے بعد افسوس اور ڈر تو محسوس ہوتا ہے، اپنے بھائیوں کی بربادی کا غم لاحق ہوتا ہے، لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا اس کے بعد ہمارے گناہوں میں کمی واقع ہوتی ہے، اطاعت خداوندی میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ سے قرب اور توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے، اس کے برعکس صورت میں ہمیں قرآن کے فرمان کے مطابق زلزوں کا انتظار کرتے رہنا چاہئے، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں "فلیحذر الذین یخالفون عن امره أن تصیبهم فتنة أو یصیبهم عذاب الیم" کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ ان پر زلزلے نہ آجائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آپہنچے (النور :۶۳) اللہ تعالی تمام لوگوں کو زلزلوں اور سنامی سے محفوظ رکھے۔☆☆

عرب حکمرانوں کی ہٹ دھرمی کا انجام

انسان مختلف جرائم کا عادی ہوتو مجرم کہلاتا ہے، بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جو ادنی اور حقیر لوگوں کی پہچان ہوتی ہے، لیکن بعض جرائم معاشرے کے ان افراد کی خصوصیت ہوتے ہیں جو اعلیٰ عہدوں اور بلند منصب پر فائز ہوتے ہیں، لیکن یہ عہدے اور منصب ان جرائم پر ایک متعین مدت تک بہترین غلاف کا کام انجام دیتے ہیں، جس کی بناء پر ان جرائم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کو کئی مرتبہ مجبورا خاموشی میں ہی عافیت نظر آتی ہے، انھیں جرائم میں سے ایک جرم ہٹ دھرمی ہے، انسان اپنی طاقت، دولت، منصب، عہدے اور حکومت کے نشہ میں ہٹ دھرم بن جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ صرف خدا کا ہی نہیں بل کہ انسانیت کا دشمن اور باغی بن جاتا ہے، کیوں کہ وہ اپنی کرسی اور عہدہ کے لئے پوری قوم کی دشمنی مول لینے کو ترجیح دیتا ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات بالکل صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالی نے جن سابقہ قوموں کو مختلف عذاب کے ذریعہ ہلاک کیا ہے ان کی ہلاکت کے پیچھے اس قوم کے سرداروں کی ہٹ دھرمی اور من مانی کا کردار کارفرما تھا، انبیاء کی دعوت پر قوم کے سرداروں کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ اللہ نے مختلف مقامات پر کیا ہے، حضرت نوحؑ کی قوم کے سرداروں نے کہا" قال الملأ من قومه انا لنرٰك فی ضلٰل مبین "ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں(**اعراف : ٦٠**) قوم عاد کے سرداروں نے حضرت ہود سے کہا"قال الملأ الذین کفروا من قومه انا لنرٰك فی سفاهة وانا لنظنك من الکذبین"ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم تم کو بے شک جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں (**اعراف :٦٦**) حضرت موسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر

ایمان لانے کے بجائے فرعون اورقوم فرعون کے سرداروں نے اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا"ان ھذا لسٰحر علیم" کہ یہ موسیٰ تو بڑا جادوگر ہے (اعراف : ۱۰۹)اسی طرح ہر مہلوک قوم کے سرداروں کا حال تھا ،قریش کے سردار بھی اس طرح کی ہٹ دھرمی میں مست ہوکر آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ طرح طرح کی گستاخیاں کرتے تھے اوران پر آپ ﷺ کی حکیمانہ اور ناصحانہ باتیں یہاں تک کہ کھلے معجزات بھی کسی قسم کا اثر نہیں کرتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قوم کے سرداراور پیشوا کبر وعناد، سرکشی اور ہٹ دھرمی کے مرض میں مبتلا ہوں ان سے کسی اچھی اور خوشگوار بات کی امید رکھنا بنجر زمین میں فصل کی ،خشک درخت سے تازہ پھلوں کی اورایلوے سے مٹھاس کی امید رکھنے کے مترادف ہے، کیوں کہ جس کا دل ضدی اور سخت بن جائے وہ دل نہ کسی کے درد میں تڑپنے سے آشنا ہوتا ہے، نہ اسے دوسروں کے کرب والم کا کبھی احساس ہوتا ہے بل کہ ایسا دل معصوم اور بے گناہ لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے پر فخر محسوس کرتا ہے،جس کی درندگی سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، وہ دولت اور حکومت کے نشہ میں کئی بے گناہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرنے سے گریز نہیں کرتا، اس لئے کہ جس کا دل ہی برا اور خناس بن جائے تو اس کے کام بھی دل کے شیطانی فیصلوں کے مطابق ہونگے کہ دل انسان کا حاکم اور قاضی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا " ألاوان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح فی الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله ألا وهی القلب " کہ سنو انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو پورا جسم بھی درست ہوگا اور جب وہ فاسد ہوگا تو پورا جسم بھی خراب ہوگا اوراس سے مراد قلب ہے(بخاری : ۵۲)۔

پچھلے چند مہینوں سے عالم اسلام کے بعض مما لک میں جو حالات پیش آئے ہیں اوروہاں کی عوام نے اپنے حاکموں کے خلاف بغاوت کا جو مظاہرہ کیا ہے جس کے نتیجہ میں سالہا سال تک حکومت کرنے والوں کی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا ، چاہے وہ لیبیا کے معمر قذافی ہوں یا مصر کے حسنی مبارک ہوں یا شام کے بشار الاسد ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں، اگر غور کیا جائے کہ آخر ان جیسے حکمرانوں

کے خلاف ان کے ملک میں رہنے والی عوام اس قدر باغی اور ان کی جان کی پیاسی کیوں ہوئی؟ تو اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ طاقت اور دولت کے نشہ نے ان کے دلوں کو ہٹ دھرم بنا دیا تھا وہ باوجود مسلم ملک کے بادشاہ ہونے کے اسلامی تعلیمات اور اقدار سے بالکل خالی تھے، اسلامی حمیت اور غیرت کو ان سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا، جن کے دل فاسد خیالات اور باطل افکار کی غلاظت سے بھرے پڑے تھے، یہی سبب تھا کہ عوام کی طرف سے صلح کی پیش کش کو بھی انھوں نے رد کر دیا، اس کے بعد کئی دنوں تک حکومت اور فوج کے درمیان جو تصادم ہوا اس سے ہر ایک واقف ہے اور فوجی کاروائی کی بناء پر انصاف پسند عوام پر تشدد کے جو پہاڑ ٹوٹے اور عوام پر جو ظلم کیا گیا وہ انتہائی شرمناک فعل تھا لیکن اللہ تعالی نے اس کی سزا انھیں بہت جلد ہی دے دی کہ بعض کو اپنے ملک کو چھوڑ کر جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہونا پڑا تو بعض کو ذلت کی موت کا سامنا کرنا پڑا۔

ان کی ضد نے ڈبو دیا ان کو
ورنہ وہ بھی آدمی تھے کام کے

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآن میں فرمایا ہے "فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدو فى الارض و تقطعوا أرحامكم ،اولئك الذين لعنهم الله فأصمهم وأعمىٰ أبصارهم أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها" کہ تم سے یہ بات بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے، کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں(محمد : ٢٢، ٢٣ ، ٢٤) یقیناً ان حکمرانوں کی سماعت بھی بے کار ہوگئی تھی اور آنکھ کی روشنی بھی چھین لی گئی تھی اور ان کے دل مقفل ہو گئے تھے جس کا لازمی نتیجہ اللہ کی پکڑ اور لعنت کا واقع ہونا تھا جو ہو گیا۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

لیکن یہ حقیقت ہے کہ صرف معمر قذافی اور حسنی مبارک جیسے چند لوگوں کے ختم ہونے سے راحت کی سانس نہیں لی جاسکتی بل کہ اس طرح کے ظالم وجابر، سرکش وضدی اور انسانیت کے قاتلوں کی دنیا میں کمی نہیں، کیوں کہ ہر ملک ہر ریاست، ہر گاؤں اور ہر محلّہ میں اس طرح کے کچھ نمونے ہمیں یقیناً نظر آئیں گے، اس وقت مصر کی ظالم فوج کے حکمرانوں اور شام کے بشار الاسد اور اس کے ساتھیوں کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں سے ہے جو اپنی انا اور ہٹ دھرمی کی بناء پر سب کے لئے تکلیف اور مصیبت بنے رہتے ہیں، اپنی طاقت کے زور پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ، ناحق کو حقدار اور مجرم کو غیر مجرم، ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم قرار دیتے رہتے ہیں، جن کے سامنے حق گوئی جرم عظیم کے مترادف ہوتا ہے، اور اپنے برے کرتوتوں کو مالداری کے حسین غلاف سے ڈھانپ دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو سابقہ ظالم افراد کے عبرت ناک انجام سے عبرت اور سبق ضرور لینا چاہئے اور اپنی روش کو اللہ کی پکڑ سے قبل تبدیل کر لینا چاہئے، اس لئے کہ حالات سے عبرت لینا یہ عقلمند کی علامت ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں قوموں کی ہلاکت وبربادی کی مثالوں کو بطور موعظت کے پیش کیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا ہے کہ ان مثالوں میں عبرت اور نصیحت صرف عقلمندوں کے لئے ہی ہے اور جو عبرت حاصل نہیں کرتا وہ غافل اور جاہل ہے، اسے اس دن کا انتظار کرتے رہنا چاہئے جو دن اس کی زندگی کا تاریک دن ثابت ہوگا اور اسے اپنے انجام بد کا سامنا کرنا پڑے گا اور قیامت تک کے لئے رسوائی اور ذلت کا قبیح لیبل اس کے نام کے ساتھ جڑ جائے گا اور یہ خود بھی دوسروں کے لئے نشان عبرت بن جائے گا۔☆☆☆

ان کی تباہی پر ہماری ذمہ داری

اترا کھنڈ میں آئی قدرتی آفات نے سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، ہزاروں لوگ موت کو گلے لگا چکے ہیں، بے شمار لاپتہ ہیں اور بے حساب اب تک اس عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں، قہرالٰہی کی اس معمولی جھلک کا ظہور ایسی جگہ پر ہوا ہے جو برادران وطن کی مذہبی اور مقدس جگہ ہے اور اس غضب الٰہی کے شکار وہ لوگ ہوئے ہیں جو ملک کے کونے کونے سے اپنی مذہبی عبادت گاہوں کی سیر کے لئے گئے ہوئے تھے، قرآن کے پس منظر اور نظام قدرت کے تحت اس واقعہ کا جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کی جانب سے ایک پکڑ اور تنبیہ ہے، کیوں کہ رب کائنات کا یہ اصول ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو اپنے غضب سے دوچار کرتا ہے تا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہوجائے، وہ اپنی زندگی کا محاسبہ کریں، غفلت شعاری سے باز آجائیں، ظلم و بربریت کو ترک کریں۔

موجودہ تباہ کن طوفان وسیلاب میں اگر چہ مسلمانوں کا جانی مالی نقصان نہیں ہوا ہے بل کہ یہ عذاب بظاہر خالص مسلمانوں کے دشمنوں پر ہی نازل ہوا ہے جیسا کہ اس سے قبل بھی لاتور اور عثمان آباد میں عین گنپتی کے تہوار کے موقع پر ایک تباہ کن زلزلہ نے برادران وطن کے بہت بڑے اجتماع کو اپنا نوالہ بنایا تھا، نیز چند سال قبل گجرات میں یوم جمہوریہ کے موقع پر ہونے والے زلزلہ کی دہشت اب بھی گجراتیوں کے ذہنوں میں محفوظ ہے، لیکن اس مصیبت کی گھڑی میں مذہب وملت کی تفریق کے بغیر تمام انسانوں کی مدد کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے، کیوں کہ اس سے جہاں انسانی خدمت اور انسانی ہمدردی کا فریضہ ادا ہوگا وہیں برادان وطن سے تعلقات استوار ہوں گے، نفرت وشکوک وشبہات کی جو کھیتی فرقہ پرستوں نے برادران وطن کے دلوں میں بوئی ہے اس کی بیخ کنی ہوگی، اعتماد ومحبت کے پھول کھلیں گے،

اور دعوت کے مواقع پیدا ہوں گے، نیز ایسے حالات میں حکومت کی طرف سے اس سیلاب سے متأثرین کو جو امداد اور تعاون پیش کیا جا رہا ہے اس کا بھی جائزہ لیا جائے کہ اگر وہ امداد ضرورت سے کم ہے تو مسلمانوں کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ صحیح طور پر تعاون پیش کرے، حکومت کی بے توجہی پر سخت تنقید کی جائے تا کہ حکومت کی نظر میں مسلمانوں کی طرف سے یہ پیغام جائے کہ مسلمان ملک کے دشمن نہیں بل کہ ملک کے امین اور محافظ ہیں اور انسانیت کے دوست ہیں، اس سے انکار نہیں کہ ملک میں جب بھی اس طرح کے حالات پیدا ہوتے ہیں تو مسلم تنظیمیں بغیر کسی تفریق مذہب کے مصیبت زدہ لوگوں کا تعاون کرتی ہیں، جس سے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے تعلق سے خوشگوار جذبات پائے جا رہے ہیں، اور پہلے کے مقابلہ میں دعوتی میدان بھی ہموار ہوتے جا رہے ہیں۔

اس طرح کے واقعات کو اتفاقی اور طبعی کہنے والوں کی سمجھ پر اور حکومت کی نا اہلی اور کوتاہی کی طرف منسوب کرنے والوں کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح کے عذاب اس دنیا میں اس سے پہلے بھی نافرمان قوموں پر آ چکے ہیں اور بڑی بڑی قومیں تباہ و برباد ہو چکی ہیں اور یہ اللہ تعالی کی طرف سے ظلم نہیں تھا بل کہ لوگوں کے اپنی جانوں پر ظلم کا نتیجہ تھا، آج بھی جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے، دنیا معصیت کی آماجگاہ بن جاتی ہے تو قہر الٰہی جوش میں آ جاتا ہے، پھر نافرمانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلم کش فسادات میں شریک اور مسلمانوں کی بے بسی پر خوشیاں منانے والوں کو سیکنڈوں میں نیست و نابود کر دیتا ہے، ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف زہر آلود بیانات دینے والوں اور مسلمانوں کی مذہبی چیزوں کو نشانہ بنانے والوں کو اس کائنات کا رب یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ گئے تھے بھگوان کو منانے لیکن بھگوان ہم سے روٹھ کیوں گیا؟ اس موقع پر ان اسلام دشمنوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا جائے یا ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے کہ کہیں بھگوان کے ناراض ہونے کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کے جذبات کو ہمیشہ ٹھیس پہنچائی، ان کے ساتھ ہم نے ہمیشہ ناروا سلوک رکھا، ان کے مذہب پر ہم نے قدغن لگایا، کبھی ہم نے پوچھا کہ مسلمانوں کا اللہ کہاں ہے۔

موجودہ طوفان کی تباہی اور سنگین حالات میں ایک طرف انسانی ہمدردی کا نظارہ بھی کرنے کو ملا

تو دوسری طرف انسانیت کے دشمن اور درندہ صفت لوگوں کی درندگی بھی منظر عام پر آئی کہ جان بچانے کے لئے تڑپتی بعض نوجوان لڑکیوں کو ہمدرد بن کر جانے والوں نے اپنی ہوس کا شکار بنایا، عصمت دری کے کئی واقعات پیش آئے تو بعض لوگوں نے مجبوری کا فائدہ اٹھا کر معمولی معمولی چیزوں کو مہنگے دام میں فروخت کر کے انسانیت کا سر شرم سے جھکا دیا، حقیقت یہی ہے کہ جب دل مر جاتے ہیں تو برے اور بھلے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے، وقت اور حالات کی سنگینی بھی سخت دلوں کو نرم نہیں کر پاتی، ان کو دوسروں کی نہیں اپنی ہی پڑی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں۔

ایسے موقع پر خود مسلمانوں کو بھی اپنا جائزہ لے کر اپنے برے اعمال کی شامت آنے سے پہلے ہی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے ہمارے اعمال ہی عذاب الٰہی کو دعوت دیتے ہیں، نیز انسانی اخوت کے رشتہ کو تھام کر نفرتوں کے آتش فشاں کو محبت کی شبنم سے بجھانے کی فکر بھی کرنا چاہئے، ورنہ یہ آگ پوری انسانیت کو خاکستر کر دے گی، پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا اس کے بعد کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ☆☆☆

آزمائشیں.......ابھی ختم نہیں ہوئیں

جس سال حضرت اسماعیلؑ کی تاریخی قربانی کا واقعہ پیش آیا تھا انسانی تاریخ کے اوراق پر سال کے آخری مہینہ میں حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی عظیم ابتلاء وآزمائش اور اس میں کامیابی کے گہرے نقوش ثبت ہو چکے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالی کے اس خلیل کی اس بڑی آزمائش کے بعد آزمائشوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی خاردار وادیوں سے بھری رہی، اسی طرح لوح محفوظ میں یہ طے ہو چکا تھا کہ سال کی ابتداء میں بھی اللہ تعالی کے اور ایک پیارے بندے کو آزمائش اور ابتلاء کی آگ سے گذرنا ہوگا اور اس کرب وبلاء کے لئے اللہ تعالی نے کربلا کے میدان کا انتظام کر رکھا تھا، جس میں جنت کے نوجوانوں کے سردار، نواسہ رسول اور ان کے اہل وعیال کو پیاس وبھوک اور سخت تکلیف کی حالت میں جام شہادت نصیب ہونے والا تھا، اگر چہ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش سیدنا حضرت حسینؓ کی آزمائش سے ظاہراوصورتا مختلف ہے لیکن مقصد میں موافق ہے۔

واقعہ کربلا کے تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کچھ اپنوں نے ہی دغا کی تھی کہ طاقت اور اقتدار کے نشہ اور ہوس نے انھیں حضرت حسینؓ کا دشمن بنا دیا تھا، اس کے علاوہ آپؓ کو کوفہ آنے کی دعوت کے لئے بے شمار خطوط لکھنے والے اپنے ہی تھے، جن میں سے اکثر مخلص تھے، لیکن جب حالات حضرت حسینؓ کے مخالف ہو گئے تو اصل امتحان کے وقت میں انھوں نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا اور اپنوں کی دغا کی کشمکش ہمیشہ سے چلتی آرہی ہے، جس کے نتیجہ میں ہمیشہ بے قصور اور بے گناہ لوگ شہید ہوئے ہیں،

اقتدار اور حکومت سے منصف مزاج لوگوں کو محروم کر دیا گیا ہے، حضرت حسینؓ سے بھی لوگوں کو عقیدت تھی، لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے لئے بے تاب تھے، لیکن جان و مال کی حفاظت کی خاطر یا ظالم حکمران کے جبر و دھمکی کی بناء پر یا حضرت حسینؓ کی حمایت کا موقع نہ ملنے کی بناء پر نہ ان کے دل میں نواسہ رسول کی محبت جاگ اٹھی، اور نہ حق کی حمایت میں ان کی تلواریں میان سے باہر آئیں، کاش کہ اس وقت حق کی حمایت میں لوگ میدان کربلا میں کود جاتے تو یہ دردناک واقعہ پیش نہ آتا اور رہتی دنیا تک کے لئے ایک مثبت اور اچھا سبق مل جاتا، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

جس جگہ کئی سال پہلے واقعہ کربلا پیش آیا تھا آج اس جگہ ہر دن واقعہ کربلا کا منظر پیش آرہا ہے کہ عراق کے مشہور شہر بغداد اور کوفہ میں جو تباہی کی لہر امریکہ کے حملہ کے بعد شروع ہوئی ہے اور اہل اسلام کی آزمائشوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ لامتناہی ہے، کہ اب عراق میں حکومت امریکہ کے پالتو جانوروں اور غیر دین داروں کی ہے، جس کا واحد مقصد اہل اسلام سے عداوت اور ان کا قلع قمع کرنا ہے، اسی طرح دیگر اسلامی ممالک جس میں شام اور مصر میں بھی ہر دن کربلا کا دن ہے، شام سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر صرف مصر کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ایک سال جمہوری طور پر اخوان المسلمون کے ہاتھوں اقتدار آیا تھا اور ساٹھ سالہ آزمائشوں کا سلسلہ تھوڑی مدت کے لئے تھم گیا تھا لیکن متحدہ عرب امارات اور سعودی عربیہ کے مالی تعاون و منافقانہ کردار اور امریکہ و برطانیہ کی سازش کے نتیجہ میں اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندوں کی حکومت کا تختہ پلٹ کر اخوان المسلمین پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان پر آسمان بھی اشک بار ہے اور زمین بھی سوگوار ہے اور مصر کا ہر ہر ذرہ ان کی کارستانیوں سے متنفر ہے، جس سے اخوانیوں کو یہ سمجھ میں آگیا ہے کہ آزمائشیں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں، یقیناً حضرت حسینؓ کی طرح اخوان المسلمین بھی بے گناہ اور معصوم ہیں وہ نواسہ رسول کی طرح اسلامی اقدار کے پاسدار ہیں، حضرت حسینؓ کی طرح اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلامی قدروں کی حفاظت جان بچانے سے نہیں بلکہ جان دینے سے حاصل ہوتی ہے، نواسہ رسول نے میدان کربلا میں جو درس دیا تھا اخوان اس کے امین و محافظ ہیں کہ رنج و الم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹتے رہیں، آزمائشیں اور ابتلاء کی آندھیاں چلتی

ہیں تو چلتی رہیں، جان جاتی ہے تو جاتی رہے، لیکن نبی کا دین کسی قیمت پر بھی خطرہ میں نہ پڑے، یزید اوراس کے حکمرانوں نے حضرت حسینؓ کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا تو اخوان کوسعودی حکومت نے اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا اوران کے ساتھ سب سے بڑا دغا کیا، اخیر حافظ قرآن صدرمرسی آل سعود کی آنکھوں کے لئے کیوں کانٹا بنے، وجہ صرف ایک ہے کہ صدرمرسی اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنے پر کامیابی کا یقین رکھتے ہیں اورآل سعود یہود ونصاری سے دوستی رکھنے پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں نہ اسلام پسند افراد کو اور نہ ان کی حکومت کو پسند کرتی ہے، یا تو اسلامی حکومتوں کو اپنا ہمنوا بنالیتی ہیں، یا جوان کے آنکھوں سے آنکھیں ملائے اس کو برباد کرنے کا فیصلہ کردیتی ہیں، اس وقت اہل اسلام کو دشمن کی سازشوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، خصوصا اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو بہت زیادہ اس طرف توجہ کی ضرورت ہے ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ بچے ہوئے اسلامی ممالک میں خونریزی اور قتل وقتال کا منظر کو دیکھنے ملے، لہذا ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان حکمرانوں کے مردہ ضمیر پر حق کی دستک دیں، انھیں خواب غفلت سے بیدار کریں، نیز اخوان المسلمون کے ساتھ اپنے دلی جذبات کا کھلے عام اظہار کریں اورسعودیہ کی اس منافقانہ حرکت سے نفرت کریں، کہ یہ بھی دین کی بقاء اوراس کی ترقی کے لئے جہاد کے مانند ہے۔ ☆☆☆

چوتھا باب

فکریات

☆......مسجد کی بے احترامی اور ہماری ذلت کا سبب

☆......بارش نعمت بھی درس عبرت بھی

☆......نیا سال قدرت کی نشانی

☆......ماضی....حال و مستقبل کے لئے آئینہ ہوتا ہے

☆......سال کی تکمیل...خوشی یا غم کی سالگرہ

☆......اسلامی کیلنڈر کا آغاز اور اس کی ضرورت

☆......ان آنکھوں کے آنسو تھمتے نہیں

مسجد کی بے احترامی........ہماری ذلت کا سبب

اس دنیا میں سب سے زیادہ قابل تعظیم واحترام مساجد ہیں، جن سے مسلمانوں کے دلی جذبات وابستہ ہیں، مساجد سے مسلمانوں کے شعار اور وقار کا دائمی تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان مسجد کے نفع ونقصان کو اپنا ذاتی نفع ونقصان تصور کرتے ہیں، ایک سچے مسلمان کے لئے اپنی جان سے زیادہ مسجد عزیز اور پیاری ہوتی ہے، وہ مسجد کی حفاظت اور اسے ہر قسم کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے اور وقت پڑنے پر سب کچھ قربان کر کے شہید بھی ہو جاتا ہے، جو اس کے ایمان کی علامت ہوتی ہے اور جہاں کہیں بھی مسجد نظر آتی ہے تو یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہاں مسلمان موجود ہیں، یا جب کسی ویرانے میں مسجد پر نظر پڑتی ہے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں پر کسی زمانہ میں مسلمان بستے تھے، الغرض مسجد سے مسلمانوں کا بہت ہی گہرا رشتہ ہے، مسجد مسلمانوں کی پہچان اور علامت ہے، مسجد ہی سے مسلمانوں کو روحانی اور باطنی غذا حاصل ہوتی ہے، اسی جگہ سے لوگوں کے قلوب واذہان میں دینداری کی سپلائی ہوتی ہے، یہیں سے زندگی گذارنے کا سلیقہ اور خدا کی معرفت وپہچان حاصل ہوتی ہے، معصوم اور کم سن بچوں کو مسجد ہی کے ذریعہ اپنے اور اپنے آباء واجداد کے مذہب کا پتہ چلتا ہے، نیز ان کی دینی تربیت واصلاح کے لئے مسجد کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے، یہ بات الگ ہے کہ اس وقت ہماری مساجد کا دائرہ کار بہت محدود ہو گیا ہے، ورنہ دور رسالت پر اگر نظر دوڑائی جائے تو ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد نبوی بیک وقت مدرسہ، دارالقضاء، خانقاہ، اجتماع گاہ جیسے دینی عظیم مراکز کا مجموعہ تھی، نیز آپ نے صحابہؓ کے دل میں مسجد کا احترام اور ادب جس انداز سے اپنے ارشادات کے ذریعہ بٹھایا تھا وہ یقیناً قابل عمل اور قابل تقلید ہے، ان ارشادات پر اور مسجد کے ساتھ

ہمارے سلوک ورویہ پر ذرا غور کیا جائے تو ایک بہت بڑا فرق محسوس ہوتا ہے اور سر شرم سے جھک جاتا ہے، اس لئے کہ ہم نے مسجد کے آداب واحترام کو پامال کیا ہے جس کی بناء پر ذلت ورسوائی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔

مساجد میں شوروغل

مساجد اللہ تعالی کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں، اللہ نے فرمایا " وأن المسجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا" کہ مساجد تو اللہ کی عبادت کے لئے ہیں ان میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت جائز نہیں (الجن:۱۸) اللہ نے دوسری جگہ مسجد کے مقصد کو اس طرح واضح کیا " فی بیوت أذن الله أن ترفع ویذکر فیها اسمه" (النور : ۳۶) کہ مساجد اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان میں اللہ نے اپنے نام وذکر کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان بنانا کافی نہیں، آپ ﷺ نے اسی مقصد کو ان الفاظ میں فرمایا" انما هی لذکر الله تعالی وقراءة القرآن " کہ مساجد تو اللہ تعالی کے ذکر اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں(مسلم : ٦٦١) امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مسجد کو شوروغل، بلند آواز اور جھگڑوں، خرید وفروخت اور تمام اس قسم کے معاملات سے بچانا ضروری ہے(شرح مسلم: ۲/ ۱۹٤) کیونکہ مسجد میں کسی قسم کا شور مسجد کے ادب واحترام کے منافی اور اس کے مقصد کے خلاف ہے اور مسجد میں شور کرنے والے کو تنبیہ کرنا ضروری ہے، ایک مرتبہ مسجد نبوی میں طائف کے رہنے والے دو شخص بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو بلا بھیجا اور فرمایا " لو کنتما من أهل البلد لأوجعتکما ، ترفعان أصواتکما فی مسجد رسول الله ﷺ" کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو ضرور سزا دیتا کہ تم مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کر رہے ہوں(بخاری:٤٧٠) اس کے علاوہ دیگر احادیث میں مسجد میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنے، خرید وفرخت اور اس کے متعلق گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے، نیز اسکی خلاف ورزی کی صورت میں دیگر لوگوں کو گم شدہ چیز کے نہ ملنے اور تجارت میں نفع نہ ہونے کی بدعا کرنے کا بھی

حکم دیا گیا ہے(مسلم:۱۲۶۰، ترمذی:۱۳۲۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ضروری امور کے متعلق گفتگو کی اجازت نہیں ہے تو مسجد میں لغو اور فضول باتیں،شور وغل اور بے کار باتیں کرنا بدرجہ اولی منع اور ناجائز ہوگا،اس وقت ہماری اکثر مساجد میں شور وغل کے ساتھ چند امور اہتمام کے ساتھ انجام دیئے جاتے ہیں جن کا شرعی اعتبار سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

مساجد میں شادی بیاہ اور دکان ومکان کے افتتاح کا اعلان

بہت سی مساجد میں نماز جمعہ کے بعد گاؤں کا کوئی ذمہ دار یا خود امام صاحب مختلف قسم کے اعلانات کرتے نظر آتے ہیں،ان اعلانات میں کبھی شادی کا اعلان تو کبھی کسی دکان ومکان کے افتتاح کا اعلان کرتے ہیں تو کبھی ان اعلانات کے علاوہ فقیر ومحتاج حضرات فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اپنے تعاون ومدد کے لئے اعلان کرتے نظر آتے ہیں جب کہ ان اعلانات سے نہ اسلام کا کوئی فائدہ متعلق ہے اور نہ تمام مسلمانوں کا کوئی عمومی نفع متعلق ہے،جس حدیث میں مسجد میں گم شدہ اعلان کرنے کی ممانعت وارد ہے اس کی توضیح میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ہر وہ عمل جس میں تمام مسلمانوں کا فائدہ مقصود ہے وہ مسجد میں جائز ہے اور اس کے برعکس صورت ناجائز ہے (شرح مسلم:۳/ ۶۱) اس اعتبار سے مذکورہ اعلانات کی عدم گنجائش واضح ہے،جیسا کہ شیخ ابن بازؒ سے مذکورہ قسم کے اعلانات کو مسجد میں کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس طرح جواب دیا”لا یجوز أن یعمل ذلك فی المسجد ولا فی حرمه الذی یحسب منه لأن المساجد بنیت لعبادة الله وتعلیم العلم وتعلمه ....ویمکن أن یلصق الاعلان خارج باب المسجد فی مکان معین لیعرفه الناس وبهذا تدرأالمفسدة من المسجد ویحصل المصلحةمن الاعلان“ مسجد میں ہر قسم کا غیر دینی اعلان وکام ناجائز ہے،اس لئے کہ مسجد دینی علم کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے بنائی گئی ہے،اس لئے اعلان کو مسجد کے باہری حصہ میں ایسی جگہ چسپاں کیا جائے یا لٹکا دیا جائے جہاں سے سب لوگ اس اعلان سے واقف ہوسکیں،اس سے مسجد بھی ایک ناجائز کام سے پاک رہے گی اور اصل مقصد بھی

حاصل ہوگا(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء ٦/ ٣٠٠)

مساجد میں گاؤں کی سالانہ میٹنگ

بعض مساجد میں ہر سال تکمیل سال پر گاؤں کی سالانہ مشورہ ومیٹنگ منعقد ہوتی ہے جس میں گاؤں کی نئی کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے اور سالانہ حساب وکتاب پیش کیا جاتا ہے اور کئی امور پر بحث ومباحثہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی دوران سال وقتاً فوقتاً تنازع کی صورت میں فریقین کے مابین صلح وصفائی جیسے اہم امور کی خاطر اس طرح کی میٹنگ منعقد ہوتی ہے، اس موقع پر اختلاف کی صورت میں بحث ومباحثہ میں اس قدر شور بڑھ جاتا ہے کہ مسجد کے ادب واحترام کا کسی کو پاس ولحاظ نہیں ہوتا اور اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہیں، اس لئے بہتر اور مناسب بات یہ ہے کہ اس میٹنگ کے لئے الگ سے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے جیسا کہ بعض علاقوں میں جماعت روم کے نام سے ایک کمرہ رہتا ہے جس میں اس طرح کے امور انجام دیئے جاتے ہیں، تاکہ مسجد کی بے حرمتی سے ہم محفوظ رہیں، خود حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں مسجد کو شور شغب سے محفوظ رکھنے کے لئے مسجد کے کنارہ پر ایک چبوترہ بنادیا تھا اور اس کا نام بطیحاء رکھا تھا، اس کے بننے کے بعد آپؓ نے اعلان کیا کہ جس کو بلند آواز سے بات کرنی ہو یا شور وغل کرنا ہو وہ اس چبوترہ پر جا کر کرے(روضۃ الصالحین:٦/ ٢١٧)

مساجد کی صفائی اور اس کی ذمہ داری

ایک شریف اور خوش طبع انسان کی فطرت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ وہ خود اور اس کے ارد گرد کا ماحول، اس کا گھر، صحن، بلکہ ہر چیز صاف ستھری رہے، نیز ہر چیز سلیقہ وترتیب سے ہو، تو کیا وہ خالق ومالک، طاہر ومطہر ذات اس بات کا تقاضہ نہیں کرتی کہ اس کا گھر بھی صاف ستھرا رہے؟ یقیناً کرتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا" ان ھذہ المسجد لا تصلح لشیء من ھذا البول والقذر" کہ یہ مسجدیں پیشاب وگندگی کے لئے موزوں نہیں ہیں(مسلم: ٦٦١) اور دیگر حدیث میں

مسجد کی صفائی پر ملنے والے اجر کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، آج اگر چہ مساجد کی صفائی وستھرائی کا بہت حد تک خیال رکھا جاتا ہے، لیکن یہ صرف انھیں مساجد میں جہاں پر صفائی کے لئے الگ سے خادم مقرر ہو، یا مسجد کی صفائی مؤذن کے ذمہ ہو، مگر غم اور دکھ اس بات کا ہے کہ مؤذن وخادم کو صفائی کا اس طرح ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ قیامت کے دن صرف انھیں سے پوچھ ہونے والی ہے اور مسجد کی صفائی کے متعلق جتنی احادیث ہیں ان کے مخاطب بھی صرف مؤذن وخادم ہی ہیں، دیگر لوگوں اور خصوصا مسجد کے ذمہ دار وٹرسٹیوں کو اس کار خیر میں شریک ہونے کی ذرا توفیق نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو صرف صفائی میں مؤذن وخادم کی ذراسی کوتاہی پر ڈانٹ ڈپٹ کو اپنی ذمہ داری واخلاقی فریضہ تصور کرتے ہیں، جب کہ مسجد کی صفائی کا ہر وہ مسلمان ذمہ دار ہے جس کو اس گندگی کا علم ہو، جیسا کہ فقہاء نے اس بات کی اس طرح صراحت کی ہے " ویجب اخراج نجس منه فورا عینیا علی من علم به وان أرصد لازالته من یقوم بها بمعلوم" کہ مسجد سے نجس اور گندگی کو نکالنا فوری طور پر اس شخص پر واجب ہے جس کو اس کے بارے میں معلوم ہو جائے اگر چہ صفائی کے لئے تنخواہ پر کوئی خادم متعین ہو (**اعانة الطالبین:۱/۲۲۵**) ان حضرات کے لئے میرے آقا کا عمل باعث عبرت ونصیحت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہے" أن رسول الله ﷺ رأی بصاقا فی جدار القبلة أو مخاطا ، أو نخامةفحکه" کہ آپ ﷺ نے مسجد کے قبلہ والی دیوار پر ناک کی گندگی یا تھوک یا بلغم کو دیکھا تو اس کو کھرچ کر صاف کیا (**مسلم: ۱۲۲۷**) اور خود آپ ﷺ مسجد میں جھاڑو لگایا کرتے تھے(**معارف السنن: ۵/۱۲۷**) بہت سے لوگ مسجد کی صفائی تو نہیں کرتے لیکن مسجد میں بیٹھ کر ناک صاف کر کے تو کبھی مچھر وکیڑے مار کر گندگی پھیلاتے ہیں، جب کہ یہ مسجد کی حرمت کے خلاف ہے، اسی لئے صاحب فتح المعین نے مچھر کو مسجد میں مار کر وہیں پھینک دینے کو حرام لکھا ہے"ویحرم ...رمی نحو قملة فیه میتة وقتلها فی أرضه وان قل دمها " کہ مسجد میں مردار مچھر کو ڈالنا اور اس کے اندر مارنا حرام ہے اگر چہ اس مچھر میں معمولی ہی خون کیوں نہ ہو(**فتح المعین مع اعانه:۱/۲۲۵**)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسجد کا احترام وصفائی ہر چھوٹے بڑے، غریب

ومالدار، جوان بوڑھے ہر ایک پر فرض اور واجب ہے، دراصل ہم نے خدا کے گھر کی صفائی وستھرائی اور اس کا ادب واحترام کرنا چھوڑ دیا جس کی بناء پر آج دشمن ہم پر حاوی ہے اور کئی مساجد ہمارے ہاتھوں سے نکلتی جارہی ہیں اور بابری مسجد کی شہادت اوراس کے بعد کے فسادات وحالیہ ہائی کورٹ کا مسلمانوں کے خلاف فیصلہ یہ سب ہماری عبرت کے لئے کافی ہیں، اس لئے ہم اپنی مساجد کو عبادات کے ذریعہ آباد کر کے ان کے احترام وادب کو ملحوظ رکھیں، انشاءاللہ عزت ہمارے قدم چومے گی۔☆☆☆

بارش.....نعمت بھی درس عبرت بھی

ماہ جون شروع ہونے سے پہلے تک اکثر لوگ پانی جیسی اشد ضرورت والی چیز کی کمی یا عدم موجودگی سے پریشان تھے، ندیاں اور کنویں خشک تھے، جنگل و بیاباں مرجھائے ہوئے تھے، حلق پیاس کی شدت سے سوکھے ہوئے تھے اور جانور پانی کے لئے ترسے ہوئے تھے، عورتیں پانی کے انتظار میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑی نظر آرہی تھیں، سرکاری اداروں کی طرف سے پانی پہچانے کی یقین دہائی اور امید بندھائی جارہی تھی، پانی کے لئے دعائیں اور نماز استسقاء کا اہتمام ہورہا تھا، کہ آسمان پر سیاہ بادل چلتے نظر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے برسنے لگے، پھر باران رحمت کے برسنے سے سب کچھ بدل گیا، پوری زمین سرسبز وشاداب ہوگئی، کنوؤں کا پانی منڈیر پر سے بہنے لگا، ندیوں کی روانی تیز ہوگئی اور اس کی آواز دور دور تک سنائی دینے لگی، ہر ایک کے چہرے پر خوشی ومسرت کے بادل چھاگئے، جانوروں کے پیٹ ہرے بھرے چارہ سے پھول گئے، ہر جگہ پانی ہی پانی، نہ پینے کی تکلیف، نہ طہارت ونظافت میں پانی کی قلت کا احساس اور نہ پانی کو جمع کر کے رکھنے کی فکر اور کبھی بادل اتنے جم کر برسے کہ بڑی بڑی لاریاں وبسیں پانی پر تیرتی نظر آئیں، کئی گھرانے پانی کی نذر ہوگئے، ریلوے نظام متاثر ہوا، زندگی کا نظام مفلوج ہوکر رہ گیا۔

بارش اللہ کے حکم کے تابع ہے

اللہ تعالی جب بارش برسانا چاہتا ہے تو ہوا کو حکم دیتا ہے کہ وہ بادل کو حرکت میں لائے اور شمالی ہوا اسے جمع کرتی ہے اور جنوبی ہوا کے زیر اثر بارش ہوتی ہے اور ایک دوسری ہوا اسے تقسیم کرتی ہے، اس بارش کے پانی سے اللہ تعالی مختلف ملکوں میں مختلف قسم کے پھل اور پودے پیدا کرتا ہے، حالاں کہ پانی ایک ہوتا ہے، لیکن ہر زمین کی خاصیت اور ہر علاقہ کی ضرورت کے مطابق پھلوں اور زراعتوں کی قسمیں بدلتی رہتی

ہیں، بادلوں کا کسی سمت اور خاص زمین کی طرف جانا یہ حکم خداوندی سے متعلق ہے، وہ جب چاہتا ہے، جہاں چاہتا ہے بارش برسانے کا حکم دیتا ہے اور بادل فرمان الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں، اس کا مشاہدہ ہر جگہ اس طرح ہوتا رہتا ہے کہ بسا اوقات کسی شہر یا بستی پر بادل چھائے رہتے ہیں اور وہاں بارش کی ضرورت بھی ہوتی ہے، لیکن وہ بادل یہاں پانی کا ایک قطرہ نہیں برساتا، بلکہ جس شہر یا بستی کا کوٹہ بحکم الٰہی مقرر ہو چکا ہے وہیں جا کر برستا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس شہر کے علاوہ اور جگہ اس بادل کا پانی حاصل کرے۔

بادلوں میں پانی

قرآن کی صراحت کے مطابق یہ بات برحق ہے کہ بارش بادلوں سے برستی ہے، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو خود بخود دریا سے بخارات (مان سون) اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں اور اوپر جا کر بادل بن جاتے ہیں اور یہ ہزاروں لیٹر پانی ہوا کے دوش پر دنیا کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس میں نہ کوئی مشین کام کرتی ہے اور نہ کوئی انسان اس میں محنت کرتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت دریائی بخارات کے بجائے براہ راست آسمان سے بادل پیدا ہو جائیں اور ان سے بارش ہو جائے۔

بارش سے پہلے کی خنک ہوائیں انعام الٰہی

اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ ہے کہ بارش شروع ہونے سے پہلے ایسی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں جو آنے والی بارش کی خبر پہلے ہی دے دیتی ہیں، یہ اللہ کی طرف سے انسان پر بہت بڑا انعام ہے، کیونکہ انسان ایک لطیف اور نازک مخلوق ہے، اس کے بہت سارے کام ایسے ہوتے ہیں جن کو بارش سے پہلے ہی پورا کرنا ضروری ہوتا ہے تو ہواؤں کے ذریعہ بارش کی اطلاع ملنے سے وہ اپنا انتظام کر لیتا ہے اور بارش کے آثار دیکھ کر اپنے سامان اور جان کی حفاظت کا بندوبست کرتا ہے۔

بارش سے پہلے بجلی کی چمک خوف وامید کا سنگم

اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت وعظمت اور جلال وجبروت کو ظاہر کرنے کے لئے موسم برسات

میں بجلی کی چمک پیدا کرتے ہیں، جس سے بعض انسانوں کو آگ والی بجلی کے گرنے کا خوف ہوتا ہے، تو دوسری طرف کاشت کار و کسان کو باران رحمت کے برسنے کی امید ہوتی ہے اور عام طور پر اس کے بعد بارش برستی ہے اور یہ چمک اکثر رات میں یا پھر دن میں اس وقت جب سورج بادلوں کی اوٹ میں چلا جاتا ہے دکھائی دیتی ہے، جو دراصل خوف وامید کا سنگم ہوتا ہے۔

بارش کے نہ ہونے کا سبب گناہوں کی کثرت

جب دنیا میں معصیت وگناہوں کی کثرت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے، سابقہ قوموں نے جب بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کثرت سے کرنا شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لمبے عرصہ تک بارش کو روک دیا تھا، چنانچہ ہودؑ کی قوم باغات اور کھیتیوں والی تھی جن کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال تک بارش کو روکے رکھا تو حضرت ہودؑ نے دعوت توحید کے بعد ان سے کہا کہ اگر تم اپنے کفر وشرک پر معافی طلب کروگے اور اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو وہ تمہاری کھیتیوں و باغات کے لئے خوب بارش برسائے گا، اسی طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم لوگ اپنے گذشتہ گناہوں سے صدق دل سے اپنے رب سے مغفرت طلب کروگے تو وہ تمہاری زمین پر خوب بارش برسائے گا اور تمہاری کھیتیاں لہلہا اٹھیں گی، خوب اناج پیدا ہوگا نیز تمہاری روزی میں خوب برکت ہوگی۔

بارش حیات بعد الموت کی علامت

اللہ تعالیٰ جس طرح مردہ زمین کو بارش برسا کر نئی زندگی عطا فرماتا ہے اور اس سے درخت اور مختلف قسم کے پھل پھول نکالتا ہے، اسی طرح بروز قیامت تمام مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں ایک صور پھونکا جائے گا تو تمام عالم فنا ہوگا، اس کے بعد اور ایک صور پھونکا جائے گا تو از سر نو نیا عالم پیدا ہوگا، ان دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا اور ان چالیس سالوں میں مسلسل بارش ہوگی، اس عرصہ میں ہر مردہ انسان اور جانور کے اجزائے بدن جمع ہو کر ہر ایک کا مکمل ڈھانچہ بن جائے گا، پھر دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت ان

لاشوں کے اندر روح آجائے گی اور سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے (بخاری، حدیث نمبر: ٤٩٣٥)

اللہ کی ہدایت بارش کی طرح عام

جب بارش برستی ہے تو دریا پر بھی برستی ہے پہاڑ پر بھی، بنجر اور خراب زمین اور عمدہ و بہتر زمین سب پر یکساں برستی ہے، لیکن عمدہ اور اچھی زمین میں نشو ونما کی صلاحیت ہوتی ہے تو اس میں ہر طرح کے پھل پھول نکلتے ہیں اور فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جو سخت وکھاری زمین ہے، جس میں روئیدگی کی صلاحیت نہیں ہوتی اس میں اول تو کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا پھر اگر کچھ ہوا بھی تو بہت کم مقدار میں ہوتا ہے، اس باران رحمت کے فیضان عام کی طرح ہدایات ربانی اور آیات قرآنی بھی سبھی انسانوں کے لئے عام ہیں مگر جس طرح ہر زمین بارش سے فائدہ نہیں اٹھاتی اسی طرح ہر انسان ہدایت ربانی سے نفع حاصل نہیں کرتا، بلکہ نفع صرف وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو شکر گذار اور قدر شناس ہوتے ہیں۔

بارش: دنیا کی بے ثباتی کی مثال

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیوی زندگی کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم آسمان سے بھیجتے ہیں جس سے زمین خوب بارونق اور خوب صورت بن جاتی ہے اور پوری زمین پر ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے اور مختلف قسم کے پودے نظر آتے ہیں، لیکن جس طرح لہلہاتے پودے چند ہی دنوں کے بعد مرجھا جاتے ہیں پھر خشک ہو کر اپنی تازگی اور خوبصورتی کھو بیٹھتے ہیں، یہی حال دنیا کا ہے کہ یہ اپنی عارضی رونق سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیتی ہے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کے ایام ختم ہو جاتے ہیں اور موت آدبوچتی ہے اور سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاتا ہے اور آدمی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

لہذا ہم بارش کو صرف ایک ضروری شئی نہ سمجھیں بلکہ وہ اپنے اندر جن اسرار وحکمتوں کو پوشیدہ رکھے ہوئے ہے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے، ان میں غور کرنے کی سعی کریں، اس لئے کہ بارش اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے اور باعث عبرت بھی ہے نیز اس کا شکر مکمل طور پر اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب کہ ہم اسے ضروری شئی سمجھتے ہوئے اسے اپنے لئے باعث عبرت بھی بنالیں۔☆☆☆

نیا سال.....قدرت کی نشانی

چند دن قبل ہر مسلمان کی زبان پر قربانی اور حج کی باتیں تھیں، لیکن جیسے ہی مسلمان ان دو چیزوں سے فارغ ہوئے نئے سال کے استقبال میں اپنی نگاہیں فرش راہ کئے ہوئے ہیں، اس سال بھی قمری وشمسی دونوں سالوں کا اختتام تقریبا کچھ دنوں کے فرق سے ایک ہی ساتھ ہورہا ہے، نیا سال خواہ اسلامی ہو یا انگریزی، بہت سے لوگوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، کیونکہ یہ لوگ نئے سال کی ابتداء نئے عزائم، نئے ارادوں، جدید حوصلوں اور نئی پلاننگ کے ساتھ کرتے ہیں، نئے سال کے آتے ہی پرانا سال اپنے ساتھ کئی غموں اور خوشیوں کو لے کر الوداع ہوجاتا ہے، کیونکہ سال گزشتہ نے قدرت کے فیصلہ کے مطابق ایک طرف کئی بچوں کو یتیم، کئی عورتوں کو بیوہ، بے شمار امیروں کو غریب، کئی لوگوں کو بے گھر اور لاتعداد والدین کو اولاد کے سہارے سے محروم کردیا، کئی لوگ زلزلوں اور آفات الٰہی کی زد میں آکر چیخ وپکار کے ساتھ، اور بہت سے لوگ فطری موت کے ذریعہ اس دنیا سے کوچ کر گئے تو کم وبیش تعداد میں لوگوں نے خودکشی کے ذریعہ موت کو اپنے گلے لگالیا تو دوسری طرف سال ماضی ہی میں کئی بے نکاح لڑکیوں کو نکاح کی صورت میں شوہر کا سہارا مل گیا، بے اولاد والدین کے چمن میں نومولود کی شکل میں کلیاں کھلیں، بیمار اور مریض حضرات شفایابی کی نعمت سے سرفراز ہوئے، خوشحالی اور مالداری نے تنگدستی اور بدحالی کی جگہ لی، یہ ساری چیزیں نظام قدرت کی شاہکار اور اللہ تعالی کی قدرت وطاقت پر واضح دلیلیں ہیں، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے " وتلك الايام نداولها بين الناس "(ال عمران : ١٤٠)۔ کہ ہم دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ دنوں کی تبدیلی کے ساتھ لوگوں کے حالات کو بھی بدلتا ہے، لہذا دنیا کے سارے انقلابات پر یہ

آیت شاہد ہے، نیز فرمایا" یدبر الامر یفصل الآیات لعلکم بلقاء ربکم توقنون"(رعد:۲)۔کہ باری تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام امور میں اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق تصرف کرتا ہے، اس نے اپنی کمال قدرت اور ربوبیت وخالقیت کی نشانیاں پیدا کی تاکہ لوگ ان نشانیوں میں غور کر کے اس بات پر ایمان لے آئیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔

ان ہی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی لیل ونہار کی گردش ہے جس سے دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی تبدیلی وابستہ ہے، جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا " ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار ......ایات لقوم یعقلون " (البقرہ: ۱۶۴)۔کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات ودن کا ہیر پھیر یعنی رات ودن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا، دن کو روشنی اور رات میں تاریکی تاکہ کاروبار اور کسب معاش کا انتظام ہو سکے اور آرام بھی، پھر رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور اس کے برعکس، یہ عقلمند آدمی کے لئے قدرت کی نشانی ہے، اسی طرح ارشاد ہے " یغشی الیل النہار یطلبه حثیثا" (اعراف: ۵۴)۔وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آجاتا ہے، یعنی دن کی روشنی آتے ہی رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور اس لیل ونہار کی تبدیلی کے لئے اللہ نے آفتاب وماہتاب کی شکل میں دو عظیم مخلوق کو پیدا کیا، جس کے ذریعہ سے اس کائنات کے نظام میں ایک محکم انتظام کر دیا، جو پوری باقاعدگی کے ساتھ سال اور مہینوں کا حساب ہر عام وخاص کے لئے واضح کر دیتا ہے، چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا:"ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب" (یونس: ۵)۔کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے تمہیں ہر چیز کا حساب کرنے میں آسانی رہتی ہے، مطلب سال بارہ مہینوں کا، مہینہ ۲۹۔یا ۳۰۔دن کا، ایک دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے، علاوہ ازیں صرف دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ نہیں، بلکہ

دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں،اسی طلوع ہلال سے اسلامی احکامات یعنی حج، روزہ، نماز، زکوۃ، اور دیگر عبادات کی تعیین ہوتی ہے،جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

یہ خدائی کیلنڈر ہر مہینہ افق پر نمایاں ہوکر اپنے ہر روز بدلنے والے نمایاں اور چمکدار نشانیوں کے ذریعہ دنوں اور سالوں کا حساب بتاتا رہتا ہے اور کبھی اس میں غلطی نہیں ہوتی اور غلطی بھی کیونکر ہوسکتی ہے؟ کیونکہ اس تقویمی نظام کا بنانے والا وہ ہے جو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ نظام اس وقت سے جاری وساری ہے جس دن اللہ تعالی نے ارض وفلک کی تخلیق فرمائی ارشاد باری ہے "ان عدة الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض" (توبہ: ۳۶)۔ کہ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اس دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، اسی لئے یہ تقویم انسانی تمام تقویموں سے بالاتر ہے اور اسی تقویم کو سامنے رکھ کر دنیا کی قوموں نے اپنے اپنے حساب سے تقویمیں اور کیلنڈر بنائے ،لیکن ان میں سے بعض کا تعلق چاند سے ہے، تو بعض کا نہیں ہے۔

اللہ تعالی نے اپنے عائد کردہ احکامات وفرائض کے لئے قمری حساب جن اہم مصالح کی بناء پر اختیار کیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بندے زمانے کی تمام گردشوں میں ہر قسم کے حالات وکیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہوں ،مثلا رمضان کبھی گرمی میں، کبھی برسات اور کبھی سردیوں میں آتا ہے اور اہل ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات میں روزے رکھ کر فرمابرداری کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور بہترین اخلاقی تربیت بھی پاتے ہیں ، اسی طرح حج بھی قمری حساب سے مختلف موسموں میں آتا ہے اور فرزندان توحید ہر طرح اچھے اور برے حالات میں خدا کی رضاء کے لئے سفر کر کے اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں اور بندگی میں پختگی حاصل کرتے ہیں، نماز میں بھی خصوصا فجر اور مغرب کی نماز کا وقت بدلتا رہتا ہے۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ عید اور رمضان کی طرح نئے سال یعنی محرم الحرام کے مہینہ کے چاند کو کتنے لوگ دیکھنے کی فکر کرتے ہیں اور اس کی پہلی تاریخ کا ہم میں سے کتنے لوگوں کو انتظار رہتا ہے،

بلکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ چند مخصوص افراد کے علاوہ پوری مسلم قوم اس سے غفلت برتتی ہے اور اگر بالفرض رمضان کی طرح محرم کی پہلی تاریخ کو معلوم کرلیا جائے تو بقیہ مہینوں کے بارے میں ہمارے دل ودماغ میں یہ خیال تک نہیں گزرتا کہ اس وقت کونسا مہینہ چل رہا ہے، اس لئے کہ ہمارے سارے کام انگریزی تاریخوں سے متعلق ہوتے ہیں، یہاں تک کہ نکاح، عقیقہ، ختنہ، جیسے شرعی کاموں میں بھی اسلامی تاریخ کا پاس ولحاظ نہیں رکھا جاتا، لہذا ہم ضرورت کی حد تک انگریزی تاریخوں کا استعمال کریں، بقیہ تمام کاموں میں ہم اسلامی اور قمری تاریخوں کا استعمال کریں، جس سے ایک مسلمان کا تعلق وربط ہونا نہایت ہی اچھی اور بہتر بات ہے، نیز سال گزشتہ کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ سے معافی مانگ لیں اور سال رواں میں ان تمام کوتاہیوں کی تلافی کرتے ہوئے اپنے وقت کو اللہ کی اطاعت وفرمابرداری میں گذاریں، تاکہ رب کی خوشنودی کے ساتھ آخرت کی حقیقی خوشی اور کامیابی نصیب ہوجائے۔☆☆☆

ماضی........حال و مستقبل کے لئے آئینہ ہوتا ہے

جب کوئی کار ڈرائیور یا بس ڈرائیور راستہ سے اپنی سواری گذارتا ہے تو وہ اپنے حال کو سنوارنے کے لئے ماضی سے غافل نہیں رہتا، بل کہ برابر آئینہ سے ماضی کے احوال سے واقفیت حاصل کرتا ہے، یعنی اس کی نظر آئینہ میں اس بات کو تلاش کرتی رہتی ہے کہ کہیں پیچھے سے کوئی سواری تو نہیں آرہی ہے، اگر آرہی ہے تو مجھ سے کتنی دوری پر ہے اور وہ کس قسم کی سواری ہے اور وہ اسی کے مطابق اپنی سواری کے متعلق فیصلہ کرتا ہے، اگر کوئی ڈرائیور آئینہ میں دیکھنا چھوڑ دے تو کسی خطرناک حادثہ کا شکار ہوجاتا ہے، اسی لئے سواری میں آئینہ کا نہ لگانا جرم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح ہر انسان کے لئے اپنے حال و مستقبل کو سنوارنے اور بنانے کے لئے ماضی کو سامنے رکھنا ضروری ہے اور ماضی کو سامنے رکھ کر اس سے عبرت حاصل کرنا یہ قدرتی اور قرآنی ضابطہ ہے، قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر اللہ رب العزت نے ماضی کے حالات اور امم سابقہ کے واقعات کو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے بطور عبرت کے بیان کیا ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حال و مستقبل میں ماضی کے اثرات سے صرف نظر اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ماضی کہتے ہیں گذرے ہوئے زمانہ اور وقت کو اور ہر گزرا لمحہ آنے والے لمحہ کے لئے ماضی بن جاتا ہے، بیتا ہوا مہینہ آنے والے مہینہ کے لئے ماضی کی یادیں اور ہر پرانا سال نئے سال کے لئے کچھ سامان عبرت چھوڑ جاتا ہے اور سالوں کی آمد ورفت کا سلسلہ ابتدائے دنیا سے ہے اور انتہائے دنیا تک جاری رہے گا، اسی سلسلہ کی ایک کڑی اس وقت ہمارے سامنے ہے کہ ایک اسلامی سال ختم ہوکر نئے اسلامی سال کی آمد آمد ہے، اس موقع پر ہمیں نئے سال کے اعتبار سے عزائم بھی کرنا ہے اور کچھ ماضی کا احتساب بھی۔

ماضی بعید کے بجائے ماضی قریب یعنی صرف ابھی ختم ہونے والے سال پر ہی نظر ڈالی جائے تو بعض باتیں ملت اسلامیہ کے لئے انتہائی تشویش اور غم کے اسباب میں سے ہیں، چاہے وہ برما اور آسام میں بڑے پیمانہ پر واقع ہونے والے فسادات ہوں یا پورے ملک میں الگ الگ مقامات پر ہونے والے چھوٹے چھوٹے فرقہ وارانہ فسادات ہوں، یا میانمار کی فوج کی طرف سے روہنگیا کے مسلمانوں پر کیا جانے والا ظالمانہ اور سفاکانہ سلوک ہو، یا ابھی عید کے موقع پر بڑے جانوروں کی قربانی کو ایشو بنا کر مسلمانوں کے مذہبی عبادات پر حملہ کی داستان الم ہو، یا پھر مسلم ووٹ بینک کے تعاون سے ایوان کی کرسیوں پر پہنچنے والے غیر اور اپنے وزراء کی بدعہدی ووعدہ خلافی کی بازگشت ہو یا ان کی بدعنوانی اور گھپلہ بازی کی مذموم حرکات کے افشاء راز کے واقعات ہوں، یا عصمت انبیاء پر کیچڑ اچھال کر مسلمانوں کو اضطراب و بے چینی کے شعلوں میں جلانے ،غیظ وغضب کے طوفانوں سے گذارنے اور انھیں خاکستر کر دینے کی منصوبہ بند سازشیں اور تدبیریں ہوں ، یا عالم عرب کے بعض ممالک میں ظالم اور فاسق آقاؤں کے ظلم سے آزادی چاہنے والے بے قصور مسلمانوں کے قتل عام کا ہیبت ناک منظر ہو، مزید ظلم یہ کہ شامی حاکم کی اس ظالمانہ کاروائی کو کارخیر قرار دینے والی بعض اہل قلم کی تحریریں ہوں، یا مصر میں اسلام پسند اخوان المسلمین کی حکومت کے معزز صدر محمد مرسی کی معزولی ہو یقیناً اس طرح کے حالات اہل اسلام کے لئے بڑے صبر آزما ہیں۔

اسی طرح بعض وہ حالات ہیں جو مسلمانوں کے حق میں خوش کن اور باعث خیر ہیں، یعنی ایک طرف لیبیا اور تیونس میں بھی آزادی چاہنے والوں کی فتح ،ملک شام میں روشنی اور انصاف کی امید، اخوانیوں کو بہت کچھ سیکھنے کے مواقع اور اپنوں سے خوب چوکنا رہنے کا درس، افغانستان میں بھی چار ماہ سے جاری ''الفاروق'' آپریشن کے ذریعہ کی جانے والی کوششوں کے نتیجہ میں امریکہ، فرانس اور اس کے حواریوں کی ذلت ورسوائی اور حقیقی شکست ، ہمارے اپنے ملک میں عریانیت وفحاشیت کی روک تھام کے لئے حکومتی سطح پر کچھ اقدامات اور اس کے علاوہ ہر وہ بات جو مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو۔

ان حالات وواقعات سے ہم نے ظاہری اعتبار سے اچھے اور برے نتیجہ کا فیصلہ کیا ہے، لیکن

حقیقت میں کس میں خیر ہے اور کس میں شر ہے اس کا حقیقی علم تو اللہ تعالی کو ہی ہے، البتہ مذکورہ دونوں طرح کے حالات سے درس عبرت لے کر ہمیں اپنی زندگی کے بقیہ ایام کو گذارنے کے منہج کو طے کرنا ہوگا، شروع اسلام ہی سے مسلمانوں پر اس طرح کے حالات آتے رہے ہیں اور برے حالات میں اسلام اور شریعت کی روشنی میں ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے ماضی کو ٹٹولیں، پرکھیں، جانچیں کہ ہم سے کیا غلطیاں ہوئی ہیں، اگر ہمارا ماضی داغدار ہے تو ہم رب کریم کے حضور حاضر ہو کر معافی تلافی کر لیں اور اگر اس کے برعکس صورت ہو تو پھر ان حالات کو اللہ کی طرف سے ہم اپنا امتحان تصور کریں اور صبر کریں، نیز اپنی سابقہ زندگی کی رفتار کو مزید تیز کریں، سال رواں سال گذشتہ سے اعمال کے اعتبار سے بہتر ہو، ہمارے تقوی وصلاح میں اضافہ ہو، ہم خیر کے کاموں کی کثرت کریں اور جو چیزیں ہمارے حق میں بہتر اور سودمند ثابت ہوئی ہیں اس بہتری پر ہم اللہ تعالی کا شکر ادا کریں اور یہ سوچیں کہ ان حالات کی بہتری کے لئے کتنے لوگوں کی جانیں قربان ہوئیں، کتنے لوگوں نے اپنی زندگی کے عیش وآرام کو اس کے لئے وقف کیا ہے، کتنے معصوم بچوں نے اپنے حسین بچپن کو آگ کے حوالہ کیا ہے اور کتنے جوانوں نے اپنی قیمتی جوانی کو راکھ بنایا ہے، جب بہت کچھ ہمارے ہاتھ سے گیا تو کچھ ہمارے ہاتھ آیا ہے، اب اس کو ہم کسی قیمت پر کھونا برداشت نہیں کریں گے، ہم اپنے اسلاف کی قربانیوں کو بھلا نہیں پائیں گے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارے ساتھ اللہ کی مدد دائم اور قائم رہے اور اللہ کی مدد کے دوام کے لئے ایمانی اور روحانی جذبات کی ضرورت ہے، خوف خدا اور صلاح، دیانت داری اور انصاف پسندی جیسے اچھے اوصاف لازمی ہیں، ورنہ بہت سی مرتبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو طاقت ودولت عطا کی لیکن مسلمانوں نے طاقت کے نشہ میں ایمانی نشہ سے عاری ہو کر انعام الہی کو کھو دیا ہے۔

لہذا ہم نئے سال کی آمد پر عزم کریں کہ ہم اس سال کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ گذاریں گے، ہمارا یہ سال پچھلے تمام سالوں سے انوکھا اور نرالا ہوگا، ہم اسلام اور محمد ﷺ کی تعلیمات کو عام کریں، سال گذشتہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی ہیں ان لوگوں کو ہم محمد ﷺ سے متعارف کروائیں گے، ہم دنیا کو یہ پیغام دیں گے کہ اسلام امن اور شانتی چاہتا ہے اور

ہم اسی مذہب کے پیروکار ہیں، ہمیں دیکھواور اسلام سیکھو، یہ ہمارا اس سال کا ٹارگیٹ ہوگا، اگر دنیا کے سارے مسلمان مل کر اس کا عہد کریں تو یقیناً ہمارے دشمن ہمارے دوست بن جائیں، انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا وہ ہم سے معافی مانگیں گے، وہ ہماری تکلیف کو اپنی ذاتی تکلیف تصور کریں گے، اللہ کرے یہ نیا سال مسلمانوں کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے امن اور خیر کا سال ثابت ہوجائے، یہی امید اور یہی آرزو اور دعا ہے گر رب کے دربار میں قبول ہوجائے۔☆☆☆

سال کی تکمیل.......خوشی یا غم کی سالگرہ

دنیا کا اصول اور دستور ہے کہ کسی انسان کو اپنی طاقت کا لوہا منوانے ، یا اپنی قوت وقابلیت کا احساس دلانے کے لئے اپنے اندر اعانت ودست گیری، میزبانی ومہمان نوازی، دلداری وخوش اسلوبی، سخاوت وکرم فرمائی، امانت داری وسچائی، عدل وانصاف، اور نظم ونسق، جیسے صفات کا پیدا کرنا لازم ہو جاتا ہے، تاکہ لوگ اسے اپنا ماویٰ وملجاء اور رہبر وپیشواء سمجھنے لگیں اور اسے عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھنے لگیں، یقیناً جب یہ اوصاف وکمالات دنیا کے ایک بڑے انسان کے لئے ضروری ہیں تو اس دنیا وما فیہا کا خالق ومالک جو سب سے بڑا، جس کی بڑائی لازوال ولافانی، جس کی قدرت مسلم، جس کی بقاء مستحکم ومتیقن ، جس نے اپنے بعض بندوں کو ایسے نظام واصول بنانے کی عقل دی اور ایسی صفات اختیار کرنے کی صلاحیت دی، تاکہ لوگ انھیں بڑا سمجھیں تو وہ خود کیوں کر اپنی طاقت وقدرت کے اظہار کے لئے ایسی چیزوں کو اختیار نہ کرتا جن سے اس کی کاریگیری وکرشمہ سازی نمایاں ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وبڑائی کے اثبات کے لئے اس کائنات میں بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں اور لاتعداد اصول وقوانین مرتب کئے ہیں، جن میں سے ایک ایک چیز اللہ کی الوہیت وربوبیت پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے، ان ہی چیزوں میں سے آفتاب وماہتاب کا طلوع وغروب، لیل ونہار کی گردش، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی تبدیلی بھی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں اور اس میں ذرہ برابر دخل اندازی کا کسی کو اختیار نہیں، اسی لئے قیام نظام الٰہی کے اس عظیم شاہکار میں ایک منٹ وسیکنڈ کے کمی وزیادتی کی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نشانی کا تذکرہ قرآن کریم میں اس طرح کیا" یولج اللیل فی النھار

ویولج النھار فی اللیل و سخرالشمس و القمر کل یجری لأجل مسمیٰ " وہ رات کودن میں اوردن کررات میں داخل کرتا ہے،اورآفتاب و ماہتاب کواسی نے کام میں لگا دیا ہے، ہرایک میعاد معین پرچل رہا ہے(فاطر:۱۳)۔آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ سال قدیم کے اختتام کے بعدسال جدید کا شروع ہونا یہ اذن خداوندی سے ہوتا ہے، چوں کہ ہم اس وقت ہمیشہ کی طرح ایک نئے سال کا استقبال کرنے جارہے ہیں اور ہجری وعیسوی دونوں سال تھوڑے بہت فرق سے ایک ہی ساتھ شروع ہورہے ہیں، دونوں قسم کے سال بارہ بارہ مہینے کے ہی ہوتے ہیں،البتہ دنوں کے اعتبار سے فرق ہے کہ اسلامی سال[۳۲۵] دنوں کا اور عیسوی سال [۳۶۵] دنوں پر مشتمل ہوتا ہے اور سال کے لئے بارہ مہینے متعین کرنا یہ کسی سائنس داں کا کارنامہ اور ایجاد نہیں، بلکہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت ہی سے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ اسلامی سال بارہ مہینوں کا ہوگا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "ان عدة الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرافی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت و الارض" مہینوں کی گنتی لوح محفوظ میں اسی دن سے بارہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا(توبۃ :۳۶) آیت کریمہ اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے ہی سال کے لئے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں، نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا" السنة اثنا عشر " کہ سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے(مسلم : ۳۱۷۹) اور بارہ ماہ سے سال کی تکمیل کا سلسلہ ہمیشہ جاری وساری رہے گا۔

اسلامی سال محرم سے شروع ہوکر ذی الحجہ پر ختم ہوجاتا ہے، البتہ اس کے علاوہ کچھ لوگ مخصوص واقعات کے ذریعہ بھی سال کی تکمیل کرتے ہیں، مثلاً کسی کی شادی کو ایک سال مکمل ہونے پر، کسی کی یوم پیدائش کے آنے پر سال گرہ منایا جاتا ہے، تو کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر بارہ مہینے گذرنے کے بعد برسی کے نام سے غم کا دن منایا جاتا ہے، اگر سال کی تکمیل کسی خوشی کے موقع سے متعلق ہوتو خوشی اور کسی غمناک واقعہ سے متعلق ہو تو غم اور دکھ منایا جاتا ہے، لیکن مذکورہ صورتوں میں خوشی وغم منانا قابل حیرت اور باعث افسوس بھی ہے، اس لئے کہ کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر ایک سال گذرنے کے بعد تمام رشتہ داروں کا اس تاریخ کو جمع ہوکر سوگ وغم منانا اور رونا دھونا شریعت کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ

شریعت نے شوہر کے علاوہ اور کسی کے انتقال پر صرف تین دنوں تک غم منانے کی اجازت دی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" لا یحل لامرأة أن تؤمن بالله و الیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثة أیام الا علیٰ زوج أربعة أشهر وعشرا" کہ جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے اپنے شوہر کے کہ اس کے انتقال پر چار ماہ دس دن سوگ منانے کی اجازت ہے(**مسلم: ۲۷۳۰**) اس روایت میں حکم عام ہے، لیکن عورت کا ذکر اس کے رقیق القلب ہونے کی وجہ سے ہے، یعنی جب اس کے لئے شوہر کے علاوہ کسی اور کے انتقال پر تین دن سے زیادہ غم منانے کی اجازت نہیں تو مرد کے لئے اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے اسی طرح کسی کی زندگی میں یوم پیدائش کا آنا درحقیقت اس کی عمر کا ایک سال گھٹ جانا ہے اور موت کے ایک سال قریب ہونا ہے، اس لئے اس موقع پر خوشی کے بجائے گذشتہ زندگی میں اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوتاہی پر ندامت اور افسوس کرنا چاہیئے ،لہذا جو لوگ اپنی اور اپنے بچوں کے یوم پیدائش کا جشن غیروں کے طریقوں کے مطابق مناتے ہیں، جس میں کیک کاٹنے کے ساتھ ساتھ شریعت کے کئی حکموں کو کاٹا جاتا ہے، ان کو اس کام سے باز آنا چاہیئے ،اس لئے کہ یہ کام بالکل نامناسب اور شریعت کے خلاف ہے، جس کی وضاحت شیخ ابن بازؒ نے کی ہے،" لا یجوز اقامة عید میلاد لأحد لأنه بدعة و لأنه تشبه با الکفار فی عملهم (**فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة: ۳ /۸٤**)۔ وقد قال ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم (**سنن ابو داؤد :۳۵۱۲**)۔کہ کسی شخص کے لئے سالگرہ منانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بدعت ہے اور غیر اقوام کے ساتھ مشابہت ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص مذکورہ صورت میں غیروں کے طریقوں کی مشابہت سے اجتناب کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر بجالاتے ہوئے کہ اللہ نے ایک سال عافیت کے ساتھ مکمل کیا خوشی منائے تو اس عاجز کے نزدیک اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کی اصل ممانعت کی علت مغربی اقوام سے مشابہت ہے، جب یہ علت نہیں پائی جائے گی تو حرمت کا حکم لگانا بعید از عقل ہے، جس طرح کہ

فقہاء نے اسلامی سال کی تکمیل پر شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے اور باطل قوموں کی مشابہت سے پرہیز کرتے ہوئے خوشی منانے اور آپسی مبارکبادی کی اجازت دی ہے (حواشی الشروانی: ۵٦/٣) البتہ عیسوی وانگریزی سال کی تکمیل اور نئے سال کی ابتداء پر کسی قسم کی خوشی منانا اعدائے اسلام کے ساتھ تعاون کے مترادف ہے، کیونکہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذہب کے ماننے والوں کے نزدیک ہر کام میں عیسوی سال کا اعتبار رہتا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ قمری واسلامی سال کی آمد پر کتنے مسلمان ایسے ہیں جو خوشی میں جھومتے نظر آتے ہیں، بلکہ اکثر لوگوں کو اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اسلامی نیا سال شروع ہو چکا ہے اور جن مخصوص لوگوں کو اس کا احساس ہوتا بھی ہے وہ دس محرم کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور پورے سال مشہور تاریخوں کے علاوہ کوئی تاریخ بھی معلوم نہیں ہوتی، جب کہ اسلامی حساب کا ضائع کر دینا ایک مسلمان کے لئے نامناسب بات ہے، اس سلسلہ میں حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں ''شریعت میں قمری حساب کا اعتبار رہتا ہے اور قمری حساب سے سال کے بارہ مہینے ہیں، تمام عبادات روزہ، حج اور زکوۃ سب میں قمری حساب کا اعتبار ہے، لہذا مسلمانوں پر قمری حساب کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے، اگر سب مسلمان قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی حساب یا اور کوئی حساب اپنے لئے متعین کر دیں جس سے قمری حساب ضائع ہو جائے تو سب گنہ گار ہو جائیں گے، شمسی حساب کا استعمال حسب ضرورت جائز ہے، مگر قمری حساب کو ضائع کر دینا گناہ ہے (معارف القرآن: ٣/ ٤٣٣)۔ اس کے برخلاف انگریزی سال کی آمد کا کافی دنوں سے ہر ایک کو انتظار رہتا ہے اور اس موقع پر مسلمان بھی مذاہب باطلہ کے پیروکاروں کے ساتھ شریعت کی حدود کو توڑ کر خوشی مناتے ہیں اور خوشی منانے میں کچھ ایسے طریقوں کو اختیار کرتے ہیں جو سراسر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے منافی ہوتے ہیں، جس کی بناء پر اللہ کی ناراضگی مول لینے اور اپنی عاقبت خراب کرنے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اگر خوشی منانا ہی ہے تو اسلامی سال کی آمد پر منائی جائے اور اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس خوشی کے موقع پر ایسا کوئی کام سرزد نہ ہو جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور خوشی باعث عذاب بن جائے۔ ☆☆☆

ان آنکھوں کے آنسو تھمتے نہیں

ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب اپنے تاریخی خطاب میں کہا تھا کہ آزادی حاصل کرنا ہی ہمارا مقصد نہیں بل کہ جب تک ہم چن چن کر ہر ایک آنکھ سے آنسو پونچھ نہیں دیں گے ہماری تحریک جاری رہے گی، لیکن افسوس کہ ان آنکھوں کے آنسو تھمتے اور رکتے ہی نہیں ہیں، کیوں کہ اس وعدہ اور تاریخی خطاب کی تردید عوام نے نہیں بل کہ خود ان سیاست دانوں نے یا ان کے اشارے وایماء پر چلنے والوں نے کی ہے، غم وتکلیف سے بہہ نکلنے والے آنسو پونچھنے کے بجائے بڑی ہی بے رحمی کے ساتھ عوام کے آنسوؤں کا بہانا ہندوستانی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کا دامن اس تاریخ کے بہت بڑے حصہ سے بھر گیا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، اگر ہندوستان کی آزادی کے بعد سے اب تک کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہراساں اور پریشان کرنے کی مذموم اور ناپاک کوشش آزادئ ہند کے آئین اور قانون میں داخل ہے، جس کے لئے کسی بھی طریقہ کار کو اختیار کرنے کی گنجائش اور اختیار ہے، جس کی سب سے نمایاں دلیل بغیر کسی خوف وڈر کے فسادات کے ذریعہ مسلمانوں کو جانی ومالی نقصان پہچانا ہے۔

فسادات

فساد ایک ایسا لفظ ہے جس سے ہر وہ انسان ڈرتا ہے جس کی انسانیت زندہ ہے اور فساد سے ہر وہ شخص نفرت کرتا ہے جو انسانیت کو پسند کرتا ہے، چاہے پھر وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، لیکن اس کے برخلاف جو انسانیت کا دشمن ہے وہ اپنی جان کا اور دوسروں کی جان کا بھی دشمن ہوتا ہے اس لئے

اسے فساد سے محبت ہوتی ہے، اب تک کے فسادات چاہے گجرات کے فسادات ہوں یا بابری مسجد کی شہادت سے متعلق فسادات ہوں، یا آسام اور برما کے تازہ فسادات ہوں ان تمام فسادات میں وہی لوگ شریک تھے جنھیں انسانیت سے نفرت ہوگئی تھی، جس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ بے گھر ہوگئے تو کئی موت کے گھاٹ اتر گئے تو کئی لا پتہ ہوگئے الغرض وہ سب ہوا اور ہوتا ہے جو فساد کے مقاصد میں ہے، فساد کا سبب کچھ بھی رہا ہو، یا فساد کی ابتداء کسی نے بھی کی ہو، غلطی کسی کی بھی رہی ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہت برا ہوتا ہے، کیوں کہ فسادیوں کو پولس کا تعاون، قانون کی پکڑ سے آزادی اور اسباب ووسائل کی فراوانی ان کو ہر قسم کے خطرہ سے بے خوف اور نڈر بنادیتی ہے، لیکن سچی بات یہ ہے ان کو بے خوف اور باحوصلہ بنانے میں حکومت اور پولس سے زیادہ مسلمانوں کا تعاون اور مدد ہے، قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان دنیا کی سب سے سرخرو قوم ہے، اس کی پہچان طاقتور اور بہادری ہے، سربلندی اور غلبہ اس کی علامت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قوانین سماویہ کا پاس ولحاظ رکھے، اس لئے کہ عرشی فیصلوں کا نزول فرشی کرتوتوں کے مطابق ہوتا ہے، کیوں کہ ایک طرف اللہ تعالی نے اپنے کلام میں یہ بھی فرمایا کہ " وأنتم الأعلون ان كنتم مؤمنين "اور تم ہی سربلند رہو گے بشرطیکہ تم ایمان کی سلامتی کے ساتھ رہو تو دوسری طرف یہ بھی فرمایا " وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم" تم کو جو بھی مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں تمہارے اپنے کرتوتوں کی بنیاد پر ہوتی ہیں، ان دونوں ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ تم اللہ کے نزدیک بہتر ہو تو اللہ کے فیصلے بھی تمہارے حق میں بہتر ہوں گے، جس کے لئے اپنے اعمال وکردار کو اسلامی وشرعی طریق پر ڈھالنا ہوگا ورنہ اسی طرح کے برے نتائج کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

بے قصور مسلم نوجوانوں پر ظلم

اس وقت امت مسلمہ کے لئے سب سے زیادہ قابل تشویش بات بے قصور مسلم نوجوانوں کی گرفتاری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم نوجوان پہلے سے کئی گناہ زیادہ تعلیمی میدان میں ترقی کررہے

ہیں اور یہ ترقی دشمن کی آنکھوں کا کانٹا بن چکی ہے، اسی لئے خاص طور پر انھیں نوجوانوں کی گرفتاری عمل میں لائی جا رہی ہے جو پڑھے لکھے ہیں، ڈاکٹر، انجینئر جیسے اعلی اور عمدہ پیشہ سے وابستہ ہیں، جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام کر سکتے ہیں، جن کے عزائم اور حوصلوں سے مسلمانوں کے روشن مستقبل کی امید ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کا جوان اس قوم کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اسی پر قوم کا عروج موقوف رہتا ہے، لیکن پولیس اور حکومتی کارندے ہر اس موقع کے منتظر اور متلاشی رہتے ہیں جس میں انھیں مسلم نوجوانوں کو سلاخوں کی ہوا دکھانے کا موقع ہاتھ آئے، تجربہ شاہد ہے کہ جب بھی بم پھوٹے، یا کسی قسم کا معمولی سا فساد کا واقعہ ہو جائے، پولیس مسلم محلوں میں گھس کر بے قصور مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرتی ہے اور پھر ان پر جھوٹے مقدمات دائر کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں ان کا شباب کسی کام کا نہیں رہتا، یقیناً یہ ظلم ہے جو کسی حال میں معاف نہیں کیا جا سکتا لیکن ان حالات سے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں بل کہ مسلم نوجوانوں کو ہمت اور جرأت کے ساتھ لیکن بڑے ہی احتیاط کے ساتھ تعلیمی، معاشی اور دینی و ایمانی حالت کو مستحکم کرنا ہوگا، ہم ایک طرف مالی پوزیشن میں بھی مضبوط ہوں تو دوسری طرف ہماری ایمانی پوزیشن بھی کمزور نہ رہے اور اس طرح کے واقعات میں جوش کے بجائے عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے ہر اس تدبیر کو اختیار کیا جائے جس سے ہم اپنے مطلب میں بھی کامیاب ہو سکیں اور حکومت اور دشمن کی نظروں سے بھی ہم محتاط رہیں، نیز ہم اپنی گرفتاری کا سبب بننے والی لڑائی کے بجائے قانونی جنگ جاری رکھیں، یقیناً فوراً نہیں تاخیر ہی سے صحیح فتح ہماری ہوگی، جیسے کہ قریب ہی میں اس کی کچھ مثالیں ہمارے سامنے آئی ہیں۔

قربانی اور مسلمانوں کا نقصان

قربانی کرنا ایک عبادت اور اللہ کی اطاعت ہے، قربانی کے لئے شریعت نے ایک طرف بکرے، مینڈھے متعین کئے تو دوسری طرف گائے بیل اور بھینس بھی منتخب کئے، عموماً مسلمان ان تمام جانوروں کی قربانی کرتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے اپنے ملک میں جہاں ہر ایک کو اپنے مذہبی شعائر کو ادا

کرنے کی قانوناًاور دستوراً اجازت ہے ،اس کے باوجود بعض علاقوں میں گائے بیل کی قربانی کرنا انتہائی ناگزیز ہوگیا ہے،کئی ریاستوں میں حکومت کی طرف سے اس پر پابندی لگائی گئی ہے اور بعض جگہ اس کی کوششیں ہورہی ہیں،جس کے نتیجہ میں خاص طور پر قربانی کے ایام میں پولیس کے ذریعہ یا بجرنگ دل کے کارکنوں کے ذریعہ کروڑوں روپیوں کے جانوروں کو ضبط کرنے اور مسلمانوں کو پریشان کرنے کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں،جس سے مسلمانوں کا مالی نقصان تو ہوتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ جب مسلمان اس پر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں تو پھر جانی نقصان کو برداشت کرنے کی نوبت آتی ہے،لہذا جانی ومالی نقصان کے سدباب کے لئے ہم قربانی چھوٹے جانوروں پر کریں، کیوں کہ قربانی اللہ کا حکم ہے تو اپنے مال اور جان کی حفاظت بھی اللہ ہی کا حکم ہے،قربانی سے زیادہ اہم حج ،روزہ اور نماز جیسی مقدس عبادتوں کے سلسلہ میں شریعت نے اپنی جان ومال کی حفاظت کا پابند بنایا تو قربانی میں تو بدرجہ اولی اس کا خیال رکھنا چاہیئے ،اس سے مسلمان تو صرف قربانی کرنے سے رہ جائیں گے یا وہ اپنی عبادت کو چھوٹے جانوروں کے ذریعہ مکمل کرلیں گے لیکن اس کا بہت بڑا نقصان ہمارے دشمنوں کو ہوگا، اس لئے کہ بہت سی کمپنیوں اور تجارتی منڈیوں کا انحصار بیل وگائے کے چمڑوں اور ہڈیوں پر ہے، جب بڑے جانوروں کی قربانی نہیں ہوگی یا کم ہوگی تو یقیناً اس کا اثر ان کمپنیوں پر ہوگا ،اگر کسی کو ان حالات میں قربانی کے ذریعہ اللہ کو راضی کرنے کا شوق ہے تو اللہ کو راضی کرنے کے لئے صرف قربانی ہی ایک ذریعہ نہیں ہے بل کہ پورے سال بھر میں اللہ تعالی نے اپنی رضاء کے حصول کے لئے بہت سے مواقع رکھیں ہیں ان کے ذریعہ اللہ کی رضاء حاصل کی جاسکتی ہے،اس لئے ہم اپنی جان ومال کی حفاظت اور کسی قسم کے فساد کا سبب بنے بغیر قربانی کرنے کی کوشش کریں،تاکہ ہمارے آنسوؤں کے بہاؤ کی رفتار میں کچھ کمی آجائے۔☆☆☆

اسلامی کیلنڈر کا آغاز اور اس کی ضرورت

تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے کم وبیش پندرہ کیلنڈر مروج رہے ہیں، ان تمام میں گردش لیل ونہار کے ساتھ مختلف قسم کی تبدیلیاں، ترمیم وتحریف اور اضافے ہوتے رہے ہیں، کیوں کہ وہ تمام انسانی دماغوں کے اختراع تھے اور ان کی بنیاد بھی کسی مضبوط چیز پر نہ تھی، جب کہ ان سب کے برعکس اسلامی یا ہجری تقویم کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ جب سے عمل میں آیا ہے، کسی قسم کی تبدیلی کو قبول نہ کرسکی اور نہ ہی اس کے بعد اس کا امکان ہے، کیوں کہ اس تقویم کی بنیاد منشأ الٰہی کے عین مطابق ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقویم کا مدار چاند پر رکھا ہے، جیسے کہ یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے " ھوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عددالسنین والحساب" اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سورج اور چاند کو روشنی اور اجالے کے لئے بنایا اور چاند کی منزلیں متعین کیں تاکہ تم سالوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو(یونس:۵)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ہجری کیلنڈر کے بارہ مہینے متعین کئے، اللہ فرماتے ہیں " ان عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض " کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت سے ہی سال کے بارہ مہینے متعین ہیں (توبہ: ۳۶)۔ اس آیت سے ہی ہجری تقویم کی ابتدا کا پتہ چلتا ہے۔

سنہ ہجری کی ابتداء اور اس کی ضرورت

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں اگرچہ سنہ جاری تھے، لیکن کامل نظم ونسق سے عاری بھی تھے اور کامل نظم ونسق کی خاص ضرورت بھی نہیں تھی، کیوں کہ عرب کی جاہلی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ باقاعدہ حساب وکتاب کی وسیع پیمانہ پر ضرورت محسوس کی جاتی، البتہ اوقات ومواسم کی

حفاظت اور یادداشت کے لئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اس سے وقت کا حساب لگاتے، ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی، صحابہ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلام کے واقعات میں سے کوئی واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے جیسے سورہ برأۃ کے بعد بول چال میں سنہء برأۃ، حجۃ الوداع کے بعد سنہ الوداع حساب کے لئے مشہور تھا (سیرت الانبیاء : ۳۲۵)۔

اسی طرح حساب لگانے کا رواج عہد نبوی میں کسی حد تک قائم تھا، امام سیوطیؒ نے ابوطاہر بن محسنؒ زیادتی کے قول کو نقل کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو خط لکھا تو حضرت علیؓ کو اس میں یہ لکھنے کا حکم دیا کہ "أنـه کتب لخمس من الهجرة" یہ خط پانچ ہجری کو لکھا جارہا ہے (تدریب الراوی:۲/۳۵۵)۔امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو تاریخ لکھنے کا حکم دیا، ابن شہارؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ربیع الاول کے مہینہ میں مدینہ آئے تو تاریخ لکھنے کا حکم دیا (تاریخ طبری:۱/۳۵۵)۔آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی لیکن جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے، ساتھ ہی ساتھ چند ایک ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے حضرت عمرؓ کو سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ متعین کرنے کا شدت سے احساس ہوا، ان واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابن جریر طبریؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ "انـه یاتینا منك کتب لیس لها تاریخ" کہ ہمیں ملنے والے آپ کے خطوط میں تاریخ نہیں ہوتی، اسی طرح میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک مالی معاملہ ماہ شعبان میں پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا " أی شعبان ألذی هو اٰت أو الذی نحن فیه " کہ شعبان سے مراد آئندہ یا موجودہ؟ ان سب حالات کے بعد حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔

سن ہجری کی تعیین کا مشورہ

اس اہم مشورہ کے لئے حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ لوگوں کے لئے کوئی ایسی چیز

ہونی چاہئے جس سے دن وماہ اور سال کی پہچان ہو سکے،اس پر کئی آراء سامنے آئیں،کسی نے ولادت رسول،کسی نے آپ کی بعثت،کسی نے ہجرت اور کسی نے آپ کی وفات سے آغاز کا مشورہ دیا،نیز بعض نے رومیوں کی تاریخ سے تو بعض نے ذوالقرنین کے زمانہ سے تاریخ لکھنے کا مشورہ دیا،اس کے بعد تمام صحابہ کا اتفاق ہوا کہ آپ ﷺ کے مدینہ کی طرف ہجرت کے واقعہ سے ہجری کا آغاز کیا جائے،جب کہ اس وقت واقعہ ہجرت کو تقریبا سولہ سال پورے ہونے کو تھے،پھر یہ مشورہ ہوا کہ کس ماہ سے ابتداء کریں تو بعض نے کہا کہ رمضان سے تو بعض نے کہا محرم سے اس لئے کہ اس وقت تمام حاجی واپس لوٹتے ہیں لہذا المحرم سے ہی ابتداء کی گئی (تاریخ طبری : ۱/۳۵۵) فتح الباری : ۹/۱٦۸)۔

واقعہ ہجرت اگر چہ ماہ ربیع الاول میں پیش آیا تھا مگر آپ ﷺ کا عزم ہجرت محرم میں تھا کیوں کہ بیعت عقبہ کا واقعہ ذی الحجہ میں ہی ہو چکا تھا اور اس عزم کے بعد پہلا چاند محرم ہی کا طلوع ہوا تھا،اس اعتبار سے محرم کو پہلا مہینہ قرار دیا گیا،ہجرت کے دن اور ہجرت کے مہینہ کا اعتبار نہیں کیا گیا،الغرض اسلامی کیلنڈر کی ابتداء واقعہ ہجرت اور ماہ محرم سے حضرت علیؓ،حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی رائے کے مطابق کی گئی(فتح الباری :۹/٦۷-۱٦۸) ۔اس سے پہلے صرف سال کے لکھنے کا رواج تھا،لیکن اس مشورہ کے بعد باقاعدہ دن وماہ لکھنے کا رواج عام ہو گیا۔

اسلامی کیلنڈر میں واقعہ ہجرت کا اختصاص کیوں؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے تھیں وہ اسلام کا ظہور تھا،داعی اسلام کی پیدائش تھی،نزول وحی کی ابتداء تھی،بدر کی تاریخی فتح تھی،مکہ کا فاتحانہ داخلہ تھا،حجۃ الوداع کا موقع تھا،جو اسلام کی ظاہری ومعنوی تکمیل وفتح کا آخری اعلان تھا،لیکن ان تمام واقعات میں سے کسی واقعہ کو اختیار نہیں کیا گیا،بل کہ ہجرت مدینہ کی طرف نظر کی گئی،جو نہ کسی کی پیدائش کا جشن ہے،نہ کسی جنگ کی فتح بل کہ اس زمانہ کی یاد تازہ کرتی ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کو اپنے وطن عزیز میں زندگی بسر کرنا ناممکن ہو گیا تھا،نیز

صحابہ کے سامنے دیگر قوموں کے بھی نمونے تھے، جن کی بنیاد پر اسلامی سنہ کی ابتداء کی جاسکتی تھی، لیکن ان سب سے صرف نظر کرتے ہوئے واقعہ ہجرت کا اختصاص کیا گیا!

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام سہیلیؒ کے حوالہ سے اس کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں پر مسجد قباء تعمیر کی تو یہ آیت "لمسجد اسس علی التقوی من أول یوم" (توبہ :۱۰۸) ۔نازل ہوئی، یعنی اس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، تو اس آیت میں لفظ اول یوم سے مراد ہجرت کا وہ دن ہے جس میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو عزت دی اور اسی دن پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے اطمینان کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کی اس لئے صحابہ نے تاریخ کی ابتداء کے لئے اس دن کا انتخاب کیا، لہذا تاریخ اسلامی کے ایام کا سب سے پہلا دن یہی ہے (فتح الباری : ۱۶۷/۹)۔

سال نو کی خوشی اور ہم مسلمان

نیا سال شروع ہونے کی خوشی ہر انسان کے لئے لازمی ہے اسی طرح نئے سال کی آمد پر مبارک باد دینا اور مصافحہ کرنا یہ بدعت اور حرام نہیں ہے، اس لئے نئے سال کے آغاز پر عرب وعجم، مغرب ومشرق، جنوب وشمال یعنی اس عالم رنگ وبو میں خوشی کی کلیاں کھل جاتی ہیں، چنانچہ حافظ منذریؒ نے حافظ مقدسیؒ سے اور حافظ ابن حجر ہیتمیؒ نے نئے سال کے آغاز پر مبارک باد مباح اور مشروع ہونے کو نقل کیا ہے شیخ عبدالحمید شروانیؒ نے اس بات کو نقل کیا ہے "أنه أجاب عن ذلك بان الناس لا يزالوا مختلفين فيه والذى أراه مباح لاسنة ولا بدعة وأجاب الشهاب ابن حجر بعد اطلاعه على ذلك بأنها مشروعة " حافظ مقدسیؒ نے اس سلسلہ میں جواب دیا کہ لوگ اس سلسلہ میں اختلاف کرتے رہے ہیں، لیکن میری رائے یہ ہے کہ نئے سال کی آمد پر مبارکباد دینا نہ بدعت ہے اور نہ سنت بل کہ جائز اور مباح ہے اسی طرح جب ابن حجر ھیتمیؒ اس بات پر مطلع ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ چیز مشروع ہے (حواشی الشروانی : ۵٦/۳) ۔اس اعتبار سے ہم خوشیاں منانے میں حق

بجانب ہیں اور ہماری ان خوشیوں کا تعلق اسلامی سال سے ہونا چاہئے کیوں کہ ہم مسلمان ہیں، ہماری تاریخ اسی سال سے وابستہ ہے، ہمارے مذہب کے ارکان حج وروزہ نیز عید وقربانی جیسے شعائر اسلام کا تعلق بھی اسی سال سے ہے مگر اس افسوس ناک حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ ہم اپنے اسلامی تشخص کو باقی رکھنے میں ناکام ہیں، کہ ہم اسلامی سال کے آغاز پر سال نو مبارک کہنے کے بجائے انگریزی سال کی ابتداء پر ہم خوشی مناتے ہیں، ایک دوسرے کو ملتے ہیں، اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اپنے اسلامی سال کا آغاز ہو گیا ہے، بہت سے لوگوں کو نئے سال کی شروعات کا پتہ صرف اس بات سے چلتا ہے کہ محرم کے ابتدائی دس دنوں میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کو لے کر بہت سی خرافات وبدعات انجام دی جاتی ہیں لیکن اس کے بعد پورے سال میں کونسا مہینہ اور کونسی تاریخ چل رہی ہے اس کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا، لہذا ہمیں اسلامی نئے سال کا پر جوش استقبال کرنا چاہئے اور اس وقت بڑے ہی مہذب اور مقدس انداز میں خوشی منانا چاہئے کہ ہم سے اس خوشی میں کسی قسم کی بداخلاقی اور فحاشی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ ☆☆☆

پانچواں باب

فقہیات

☆......شرعی احکام میں صنف نازک کی رعایت

☆......شب برأت شریعت کی نظر میں

☆......یوم عاشوراء شریعت کی نظر میں

☆......صنف نازک کی آواز شریعت کی نظر میں

☆......خودکشی شریعت کی نظر میں

شرعی احکام میں صنفِ نازک کی رعایت

اسلام دین الٰہی ودین سماوی کا نام ہے، جس کے قوانین واصول کائنات کے مالک وخالق کے بنائے ہوئے ہیں، اسلام اپنی متنوع خصوصیات وکمالات کی بناء پر سابقہ تمام ادیان ساویہ پر ممتاز اور نمایاں ہے، اس کی بے شمار خصوصیات وخصائل میں سے ایک نرالی اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان اور سہل مذہب ہے، جس میں ایک مکلّف پر نہ اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا گیا ہے اور نہ ناقابل برداشت کسی حکم کا پابند بنایا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" لا یکلف الله نفسا الا وسعها" اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا (البقرہ :۲۸۶)۔ دوسری جگہ اس خصوصیت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" کہ تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی (الحج :۷۸)۔ اور ایک جگہ پر ان الفاظ میں ارشاد باری ہے "یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے نہ کہ سختی کا (البقرہ :۱۸۵)۔ یعنی اسلام میں ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی منسوخ کردیئے، علاوہ ازیں بہت سی ایسی آسانیاں مسلمانوں کو عطاء کردی گئیں جو سابقہ شریعتوں میں نہیں تھیں، آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی قرآنی آیات کی تشریح بیان کرتی ہیں، آپ ﷺ نے اپنے بکثرت فرامین میں مختلف الفاظ کے ساتھ دین اسلام کے آسان ہونے کو واضح کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان الدین یسر ولن یشادالدین" کہ دین بالکل آسان ہے، کوئی بھی شخص ہرگز اس کو سخت نہ بنائے (بخاری :۳۹)۔

مذکورہ تمہید سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ دین اسلام اپنے تمام ماننے والوں کے لئے انتہائی

آسان دین ہے اور شریعت کے تمام ہی احکام پر ہر ایک کے لئے عمل کرنا آسان ہے، اس عمومی آسانی اور سہولت کے ساتھ اسلام نے عورتوں کے ساتھ احکام میں جو سہولت و رعایت برتی ہے وہ قابل دید ہے، چاہے وہ سہولت واجبات وفرائض کے اعتبار سے ہو یا سنن اور نوافل کے تعلق سے ہو، یا نکاح وجنایات کے قبیل سے ہو، چنانچہ چند مثالوں کے ذریعہ اس خصوصی رعایت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ہم ذیل میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔

عورتوں کے مخصوص ایام میں نماز وروزہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" اذا أقبلت الحيضة فدعى الصلاة واذا ادبرت فاغسلى عنك الدم وصلى" کہ جب تم کو حیض شروع ہو جائے تو نماز کو چھوڑ دو اور جب حیض بند ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو(بخاری :۳۳۱) ۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا"يا معشر النساء: أليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلى يا رسول الله قال فذلك من نقصان دينها" اے عورتوں کی جماعت: کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جب کسی عورت کو حیض آجاتا ہے تو وہ نماز نہیں پڑھتی ، روزہ نہیں رکھتی، تو عورتوں نے کہا جی ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی اس کے دین کا نقص ہے(مسلم:۲۰۵)۔ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے مشہور محدث وفقیہ امام نوویؒ فرماتے ہیں " فأجمعت الامة على أنه يحرم عليها الصلوة فرضها و نفلها وأجمعوا على أنه يسقط عنها فرض الصلاة فلا تقضى اذا طهرت" کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حائضہ عورت پر فرض اور نفل نماز دونوں حرام ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اس سے فرض نماز ساقط ہوتی ہے اور جب وہ پاک ہو جائے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہے(المجموع: ۲/ ۳۵۵)۔اسی طرح علامہ خطیب شربینیؒ نقل کرتے ہیں" ويحرم به اى الحيض ... الصوم للاجماع على تحريمه وعدم صحته ...ويجب قضائه بخلاف الصلاة" کہ حیض کی وجہ سے روزہ رکھنا حرام ہو جاتا ہے اس لئے کہ روزہ کی حرمت اور عدم صحت پر اجماع ہے، البتہ اس کی قضاء واجب ہے برخلاف نماز کے(مغنى المحتاج :۱/ ۱۶۶،۶۵)۔

حالت حیض میں خون کے بہنے کی وجہ سے عورتوں کے جسم میں کمزوری اور انھیں تکلیف لاحق ہوتی ہے،اس کے باوجود اگر انھیں روزہ ونماز کا مکلّف بنایا جاتا تو یقیناً مشقت در مشقت کا انھیں سامنا کرنا پڑتا،لیکن اس حالت میں اسلام کے دواہم رکن کومعاف کرکے عورتوں کی رعایت کی گئی ہے۔

حاملہ اورمرضعہ کے لئے روزہ

اللہ تعالی کے فرمان ”وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين “ کہ روزہ کی طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں(البقرہ : ۱۸۴) ۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”والحبلى والمرضع اذ خافتا “ قال ابو داؤد:يعني على اولادهما أفطرتا و اطعمتا“ کہ حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے کی وجہ سے خوف ہوتو روزہ کے بدلہ فدیہ دیں،امام ابوداؤدفرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے حمل کو یا دودھ پیتے بچہ کو تکلیف کا اندیشہ ہوتو انھیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اوراس کے بدلہ مسکینوں کو ہر روزہ کے بدلہ فدیہ دینا ہے(سنن ابی داؤد : ۲۳۱۸)۔امام نوویؒ حاملہ اورمرضعہ کے لئے روزے کے احکام کو اس طرح نقل کرتے ہیں ”أن مذهبنا أنهما ان خافتا على أنفسهما لا غير أو على أنفسهما وولدهما أفطرتا وقضيتا ولا فدية عليهما بلا خلاف وان أفطرتا للخوف على الولد أفطرتا وقضتا والصحيح وجوب الفدية“ کہ حاملہ اورمرضعہ کو اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے صرف اپنی ذات کو تکلیف پہنچنے کا امکان ہے، یا اپنی ذات کے ساتھ بچہ کو بھی تکلیف لاحق ہونے کا گمان ہے تو انھیں اس حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے البتہ بعد میں قضاء ضروری ہے،اور فدیہ واجب نہیں ہے،لیکن اگر ان دونوں کو روزہ رکھنے میں کوئی مشقت نہیں البتہ روزہ کی وجہ سے بچہ کو تکلیف لاحق ہوتی ہے تو فی الحال روزہ نہیں رکھے گی اور بعد میں اس کی قضاء کے ساتھ فدیہ بھی ادا کرے گی(المجموع :٦/ ٢٦٩)۔

بھوک وپیاس سے انسانی جسم تکلیف محسوس کرتا ہے،لیکن حالت حمل اور دودھ پلانے کے

دوران اس کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے، کیوں کہ ایک طرف حمل کی تکلیف تو دوسری طرف بھوک و پیاس کی پریشانی، دودھ پلانے کی وجہ سے خون کی کمی کی پریشانی پھر اس پر روزہ کی تھکان کی بناء پر شریعت نے اس قسم کی عورتوں کو خصوصی رعایت دے کر انسانی فطرت کا مکمل خیال رکھا۔

عورتوں پر نماز جمعہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا’’ الجمعة حق واجب على كل مسلم فی جماعة الا أربعة عبد مملوك أو امرأة أو صبی أو مريض‘‘ کہ جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ فرض ہے، سوائے چار لوگوں کے کہ غلام، عورت، بچہ اور بیمار پر جمعہ واجب نہیں ہے(سنن ابی داؤد:۱۰۶۷)۔اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں ’’ فلا جمعة على...... امرأة‘‘ کہ عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے(مغنی المحتاج :۱/ ۴۷۲)۔جمعہ جیسے اہم فریضہ کو عورتوں سے اس لئے ساقط کیا گیا کہ عورت اپنے شوہر کی خدمت، اولاد کی تربیت اور گھر کے کام کاج میں مشغول رہتی ہے اور مخصوص وقت میں اور متعین جگہ پر حاضر ہونا اس کے لئے مشقت اور تکلیف کا باعث بنتا ہے، اس لئے عورت پر تخفیف کرتے ہوئے فرضیت جمعہ کو ساقط کیا ہے۔

عورتوں پر جہاد

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا’’جهاد كن الحج‘‘ کہ تمہارا جہاد حج کرنا ہے یا تمہارے لئے جہاد کی طرف سے حج کافی ہے (بخاری :۲۶۶۳)۔شریعت میں جہاد جیسی عظیم عبادت کے وجوب سے عورتوں کو مستثنی رکھا گیا ہے، امام نوویؒ اس کی وجہ نقل فرماتے ہیں کہ جہاد میں قتل وقتال کا منظر نا قابل برداشت ہوتا ہے اور عورتیں کمزور دل ہونے کی بناء پر اس کو برداشت کرنے کی سکت اور طاقت نہیں رکھتیں(المجموع : ۲۱/ ۱۳)۔نیز جس صورت میں قتل کی وجہ سے دیت قاتل کے عصبہ پر واجب ہوتی ہے تو عصبہ عورتوں پر دیت کو واجب نہیں کیا گیا، چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں’ وعدم تكليف النساء بكثير مما يجب

علی الرجال کالجمعة والجهاد وتحمل العقل " بہت سی وہ چیزیں جو مردوں پر واجب ہیں عورتوں کو ان کا مکلّف نہیں بنایا گیا جیسے جمعہ جہاد اور دیت کا وجوب(**الاشباہ والنظائر: ۱/۱۶۱**)۔

کافر عورتوں کے ساتھ اسلام کی رعایت

اسلام کی یہ رعایت صرف مسلمان عورتوں کے ساتھ ہی نہیں بل کہ مسلمان عورتوں کی طرح کافر عورتوں کے ساتھ بھی تخفیف اور آسانی برابر ہے، اسی لئے جہاد میں کافر عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے حضرت عمرؓ نے اسلامی لشکروں کے سپہ سالاروں کے نام خطوط لکھے اور ان میں آپ نے حکم دیا" قاتلوا من قاتلکم ولا تقتلوا النساء " کہ جو تم سے قتال کرے اس کو قتل کرو اور عورتوں کو قتل مت کرو(**کتاب الاموال لابن زنجویة: ۱/۱۵۷**)۔اسی لئے ابن نقیبؒ نقل کرتے ہیں"ولا یجوز قتل النساء ---الا أن یقاتلوا " کہ عورتوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ خود قتال کرنا شروع کریں تو پھر انھیں قتل کرسکتے ہیں (**عمدة السالك : ۲۱۷**)۔نیز اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں میں جزیہ صرف مردوں پر ہی واجب ہے عورتوں پر واجب نہیں کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جزیہ وصول کرنے والے حکام کی طرف خط روانہ کرکے یہ حکم دیا " لا تضربوا الجزیة علی النساء" کہ عورتوں پر جزیہ لازم مت کرو(**معرفة السنن والآثار للبیہقی :۵۵۳۴**) اسی لئے امام نوویؒ نقل کرتے ہیں "ولا تؤخذ الجزیة من امرأة" کہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جائے گا(**المجموع :۲۱/۲۰۸**)۔

مذکورہ مثالیں اور ان کے علاوہ اس طرح کی اور کئی مثالیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ جو تخفیف کا معاملہ کیا ہے وہ بہت ہی انوکھا اور نرالا ہے اور ان معاندین اور معترضین کے لئے جواب بھی ہے جو اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام نے عورت کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے، اور اسلام عورت کو آزادی نہیں دیتا، اگر انصاف پسند شخص ان سطور پر غور کرے تو وہ اس بات کا فیصلہ کرسکتا ہے کہ اسلام نے عورت کے ساتھ رحیمانہ ومشفقانہ معاملہ کیا ہے اور حقیقت ہے۔☆☆☆

شب برأت.....شریعت کی نظر میں

اسلامی مہینوں میں ماہ رمضان کے علاوہ بہت سے ایام اوراوقات انتہائی اہمیت اور فضیلت کے حامل ہیں، چاہے وہ ذی الحجہ اور محرم کا پہلا عشرہ ہو یا شب معراج اور شب برأت ہو، ان ایام اور راتوں میں مسلم علاقوں میں جو ماحول اور فضاء قائم ہوتی ہے اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب بھی مسلمانوں کے قلوب میں اسلامی اقدار کی محبت ہے، سماج اور معاشرہ میں دین کی باتوں کے سننے کا شوق اور جذبہ موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ ان ایام میں مساجد بھی اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کرتی ہیں، یہاں تک کہ برادران وطن بھی ان ایام کا احترام وادب کرتے ہیں، اس طرح کے کچھ منظر کا ہم شبِ معراج اور شب برأت کے موقع پر مشاہدہ کرتے ہیں، ماہ شعبان بھی بعض خصوصیات کی بنیاد پر ایک ممتاز اور قابل قدر مہینہ ہے اور ان ہی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پندرہ تاریخ قمری حساب سے شب برأت کے نام سے معروف ومشہور ہے، کتب احادیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس شب کی بڑی فضیلت ہے، ہم ذیل میں شریعت کی نظر میں اس شب کے چند نمایاں پہلو کو پیش کررہے ہیں۔

شب برأت کی فضیلت اور اس میں عبادت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو شب برأت میں تلاش کیا تو آپ ﷺ کو سجدہ کی حالت میں پایا، اس کے بعد فرماتی ہیں ”فما زال رسول الله ﷺ يصلى قائما وقائدا حتى أصبح فأصبح وقد اصمغدت قدماه“ کہ رسول اللہ ﷺ برابر پوری رات قیام وقعود کی حالت میں نماز ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوئی اور تحقیق کہ آپ کے دونوں قدم سوج گئے تھے تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر میرے والدین قربان، آپ اپنے آپ کو اتنا کیوں تھکاتے ہیں جب کہ

اللہ تعالی نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہوں کو معاف کر دیا ہے،تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکرگذار بندہ نہ بنوں(**الدعوات الکبیر للبیہقی : ۵۳۰**)۔دوسری ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا"ان اللہ عزوجل ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لأکثر من عدد شعر غنم کلب " کہ اللہ تعالی شب برأت میں دنیوی آسمان پر تشریف لاتے ہیں اور قبیلہ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کے مانند لوگوں کی مغفرت کر دیتے ہیں(**سنن ترمذی : ۷۳۷**) ۔اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالی اس رات میں قبیلہ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کے مانند لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتے ہیں تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ قبیلہ بنوکلب کی بکریوں کی کیوں تخصیص ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عرب میں اس قبیلہ سے بڑھ کر کسی اور قبیلہ کی اتنی بکریاں نہیں ہیں(**الدعوات الکبیر للبیہقی : ۵۳۱**)۔البتہ اس رات میں مشرک اور قطع تعلق کرنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا " فیغفر لکل شئی الا الانسان فی قلبہ شحناء أو مشرکا باللہ " کہ اس رات ہر چیز کی مغفرت کی جاتی ہے سوائے اس انسان کے جس کے دل میں بغض اور دشمنی ہو اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہو (**التوحید لابن خزیمہ: ۲۰۰**)۔

پندرہ شعبان (شب برأت) کا روزہ

عام طور پر بہت سے لوگ شب برأت کا روزہ رکھتے ہیں اور اس کے بارے میں سوال بھی کرتے رہتے ہیں، لہذا اس روزہ کے متعلق حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا " اذا کان لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا" کہ تم شعبان کی پندرہ تاریخ کو روزہ رکھو اور اس رات عبادت کرو(**سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۸**) ۔اس روایت کو تمام محدثین نے ضعیف کہا ہے ،البتہ بعض حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، چنانچہ محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہ مدلل و مفصل بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ''اب نتیجہ کے طور پر

یہ بات نکلتی ہے کہ یہ روایت اگرچہ قطعی طور پر موضوع نہ کہی جا سکے لیکن بطریق غالب اس کو موضوع کہا جاسکتا ہے اور موضوع روایت سے بالا جماع کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا، ہاں اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے جیسا کہ منذری، عراقی، اور بو یصیری کی رائے ہے تو بھی یہ حدیث نا قابل عمل ہے، اس لئے کہ حدیث ضعیف اگرچہ باب فضائل میں جمہور علماء کے نزدیک معتبر ہے لیکن اس کی شرط ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو(**الیو اقیت الغالیہ:۲/۲۹۳**) ۔ اس کے برخلاف مشہور فقیہ امام رملیؒ نے اس حدیث کو معتبر مان کر اس روزہ کے استحباب کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ ان سے پندرہ شعبان کے روزہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ " هل هو مستحب أولا وحمل الحديث صحيح أولا وان كان ضعيفا فمن ضعفه " یہ روزہ مستحب ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے تو اسے کس نے ضعیف قرار دیا ہے؟ اس کا جواب امام رملیؒ نے ان الفاظ میں دیا" بـأنـه يسن صوم نصف شعبـان بـل يسن صوم ثالث عشر ورابع عشرةو خامس عشرة والحديث المذكور يحتج بــــه" کہ نصف شعبان کا روزہ سنت ہے بلکہ تیرہ، چودہ، پندرہ، تاریخ کا روزہ مسنون ہے اور مذکورہ حدیث قابل حجت ہے(**فتـاوی الـرملی :۲/۳۷۰**) ۔اسی طرح حدیث کا علم رکھنے والے معروف عالم اور مقام شناس مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس حدیث کے وضع کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث ایک فضیلت والے عمل سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے ضعیف ہونے کے باوجود بھی وہ قابل قبول ہے(**قـامو س الفقه ، حضـرت مو لانا خالد سیف الله رحمانی : ۴/۲۹۹**) ۔اس اعتبار سے یہ روزہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے، البتہ بہتر بات یہ ہے کہ اس روزہ کے ساتھ اس سے پہلے چودہ اور تیرہ شعبان کا بھی روزہ رکھا جائے تا کہ اگر بالفرض یہ حدیث کمزور بھی ہو تو ایام بیض کے روزوں کی سنیت حاصل ہو جائے جیسا کہ علامہ ابن حجر ھیتمیؒ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں" أمـا صـوم يـومها فهو سنة من حيث كونه من جملة الايام البيض لا من حيث خصوصه" کہ شب برأت کا روزہ ایام بیض کے طور پر سنت ہے خاص طور پر اس دن سنت نہیں ہے(**الـــفـتـــاوی الـــکـبـــری: ۲ /۳۸**) ۔ چوں کہ اس روزہ کے استحباب کی بنیاد حدیث کا قابل حجت اور عدم حجت

ہونا ہے، اور اس حدیث کو بالاتفاق تو نا قابل حجت کہنا مشکل ہے، لہذا مناسب بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس روزہ کو رکھتا ہے تو اس کو سختی کے ساتھ منع نہ کیا جائے اور نہ رکھنے والے کو روزہ رکھنے پر اصرار بھی نہ کیا جائے اور نہ شدت کے ساتھ اس کی ترغیب دی جائے (واللہ اعلم بالصواب)

شب برأت اور تعیین امور

شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ تعالی پورے سال کے امور کو طے فرما کر فرشتوں کے حوالہ کرتے ہیں مثلا اس سال کتنے لوگ موت کا مزہ چکھیں گے، کتنے لوگوں کی گود اولاد سے بھر جائے گی، نیز اسی شب میں بندوں کے اعمال مجملاً اللہ تعالی کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، تمام لوگوں کے لئے رزق کی تقسیم ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "فیھا أن یکتب کل مولود عن مولود بنی آدم فی ھذہ السنة وفیھا أن یکتب کل ھالك من بنی آدم فی ھذہ السنة وفیھا ترفع أعمالھم، وفیھا یتنزل أرزاقھم " کہ اس شب میں ایک سال تک بنی آدم کے لئے اولاد کا فیصلہ لکھ دیا جاتا ہے، اسی شب میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال آدم کی اولاد میں سے کس کس کو موت آئے گی اور اس رات میں بندوں کے اعمال کو پیش کیا جاتا ہے اور رزق کو اتارا جاتا ہے(الدعوات الکبیر للبیہقی:۵۳۰)

شب برأت میں اہل مکہ کا عمل

امام فاکہیؒ رقمطراز ہیں" اذا کان لیلة النصف شعبان خرج عامة الرجال والنساء الی المسجد فصلوا وطافوا وأحیوا لیلتھم حتی الصباح بالقراءة فی المسجد الحرام" کہ جب پندرہ شعبان کی رات ہوتی تو تمام مرد اور عورتیں مسجد جاتے، نماز ادا کرتے، طواف کرتے اور پوری رات مسجد حرام میں تلاوت قرآن میں مشغول رہتے(أخبار مکة للفاکہی: ۸۴/۳)

مذکورہ روایتوں (یعنی جو اس شب میں عبادت کے سلسلہ میں منقول ہیں) کے متعلق امام بیہقیؒ فرماتے ہیں " فی ھذا الاسناد بعض من یجھل وکذلك فیماقبله واذا انضم أحدھما

الی الآخر أخذ بعض القوۃ " مذکورہ روایتوں کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں، لیکن جب ان روایتوں کی سند کو آپس میں ملایا جائے تو ان میں قدرے قوت پیدا ہو جاتی ہے(الدعوات الکبیر للبیہقی :۱۴۸/۲) علامہ مبارکپوریؒ شب برأت میں عبادت کے متعلق روایتوں کے بارے میں فرماتے ہیں "فھذہ الاحادیث بمجموعھا حجة علی من زعم أنه لم یثبت فی فضیلة لیلة النصف من شعبان شئی " یہ سب احادیث مجموعی اعتبار سے ان لوگوں کے خلاف حجت ہیں جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ شب برأت کی فضیلت کے سلسلہ میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے(تحفة الأحوذی شرح ترمذی : ۳ /۳۶۷) ۔

اس پوری تفصیل سے شب برأت کی فضیلت واضح ہوگئی، اس لئے اس شب میں اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہوئے عبادت میں مشغول رہنا چاہئے، البتہ ان تمام رسوم وبدعات سے احتیاط کرنا چاہئے جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، تاکہ ہمارا کوئی عمل شریعت کے خلاف نہ ہو جائے۔☆☆☆

یوم عاشوراء..........شریعت کی نظر میں

اسلامی نئے سال کی ابتداء ماہ محرم الحرام سے ہوتی ہے اور انتہاء ماہ ذی الحجہ پر ہوتی ہے، دونوں ہی مہینے بابرکت اور فضیلت والے ہیں، ایک طرف ماہ ذی الحجہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بے مثال قربانی کے لئے مشہور ہے تو دوسری طرف محرم الحرام حضرت امام حسینؓ کی عظیم قربانی کی وجہ سے امتیازی شان رکھتا ہے، دونوں ہی مہینوں کا تعلق اشھر حرم سے ہے، ماہ محرم کی نسبت حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، یعنی ماہ محرم کو شھر اللہ کہا گیا ہے، نیز ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی طرح محرم کا پہلا عشرہ بھی متعدد فضائل وخصائل کا حامل ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن حجر ھیتمیؒ نے نقل فرمایا ہے " أن السلف کانوا یعظمون ثلاث عشرات ، عشر رمضان الاخیر، وعشر ذی الحجه الاول ،وعشرمحرم الاول" کہ سلف صالحین تین عشروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، ان میں سے ایک محرم کا پہلا عشرہ بھی ہے **(الفتاوی الکبریٰ:۱/ ۸۰)**۔ اس عشرہ کے بارے میں ہم چند امور کو زیب قرطاس کررہے ہیں۔

محرم کے پہلے عشرہ کے روزے

ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی طرح محرم کے پہلے عشرہ یعنی ایک سے نو تاریخ تک روزے رکھنا سنت مؤکدہ ہے، بلکہ پورے مہینے کے روزے رکھنا سنت ہے، جیسا کہ شیخ ابن حجر ھیتمیؒ نے لکھا ہے "فان صوم العشرالاول من المحرم سنة مؤكدة بل صوم الشهر كله سنة كما دلت عليه الاحاديث" محرم کے پہلے عشرہ کے روزے سنت مؤکدہ ہیں بل کہ پورے مہینہ کے روزے سنت ہیں جیسے کہ اس بات پر احادیث سے دلالت ہوتی ہے **(الفتاوی الکبریٰ :۱/ ۷۹)**۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" افضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم " کہ ماہ رمضان کے بعد سب سے

افضل روزے محرم کے ہیں (مسلم : ۱۹۸۲) ۔دوسری ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ مجھے ایسا مہینہ بتلا دیجئے کہ جس میں رمضان کے بعد روزے رکھوں، آپ ﷺ نے فرمایا محرم کے روزے رکھو، اس لئے کہ یہ اللہ کا وہ مہینہ ہے جس میں ایک دن ایسا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی دعا قبول فرمائی اور دوسرے لوگوں کی بھی دعا قبول فرمائے گا(سنن ترمذی : ٦٧١) ۔امام ترمذی نے اس حدیث پر حسن غریب کا حکم لگایا ہے، مذکورہ دونوں حدیثوں سے محرم کے پورے مہینہ کے روزے رکھنے کی فضیلت بالکل واضح ہے، البتہ فقہاء کا ان ہی احادیث سے صرف پہلے عشرہ کے روزوں کی تخصیص کرنا اوران کا الگ سے تذکرہ کرنا اس کی وجہ مجھے تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔

یوم عاشوراء کے کام

بعض لوگوں نے عاشوراء کے دن بارہ کام یعنی ،نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، صلہ رحمی کرنا، صدقہ کرنا، غسل کرنا، سرمہ لگانا، عالم کی زیارت کرنا، مریض کی عیادت کرنا، یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اہل وعیال پر وسعت کے ساتھ خرچ کرنا، ناخن کاٹنا اورسورہ اخلاص ایک ہزار مرتبہ پڑھنا نقل کئے ہیں اور ان کاموں کو اس دن عبادت اور باعث ثواب قرار دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بارہ کاموں میں سے صرف تین کام یعنی روزہ رکھنا، صدقہ کرنا اور اپنے اہل وعیال پر وسعت کے ساتھ خرچ کرنا شرعی اعتبار سے درست اور مستحب ہیں، بقیہ کاموں کی کوئی حقیقت نہیں ہے، چنانچہ علامہ اجھوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض ائمہ حدیث وفقہ سے عاشورہ کے دن سرمہ لگانے، خوشی کا اظہار کرنے اور نئے کپڑے پہننے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ اور کسی صحابی سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے ان چیزوں کو مستحب قرار دیا ہے، نیز علامہ زین الدین ملیباریؒ فرماتے ہیں، ”أما أحاديث الاكتحال والغسل والتطيب في يوم عاشوراء فمن وضع الكذابين“ کہ عاشوراء کے دن سرمہ لگانے اور غسل کرنے کے سلسلہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ جھوٹے لوگوں کی وضع کردہ ہیں(فتح المعین مع اعانۃ : ۳۰۱/۲)۔

عاشوراء کا روزہ

دس محرم جسے یوم عاشوراء کہا جاتا ہے اس دن روزہ رکھنا مستقل ایک سنت ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کا اس دن روزہ رکھنے کا معمول تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اس کے رکھنے کا حکم دیتے تھے، (بخاری: ۱۷۵۹) ۔ نیز یہ روزہ ایک سال کے صغیرہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عاشوراء کے روزہ کے ثواب کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا " یکفر السنة الماضية " کہ یہ روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے (مسلم : ۱۹۷۷)۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صرف دس تاریخ کا ہی روزہ رکھا تھا، البتہ جب آخری عمر میں آپ ﷺ کو اس بات کی اطلاع ملی کہ اہل کتاب (یہودی) بھی اس روزہ کا اہتمام کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا " لئن بقيت الى قابل لأصومن التاسع " کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا (مسلم: ۱۹۱۷)۔ لیکن آپ ﷺ آئندہ سال روزہ رکھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا " خالفو افيه اليهود صوموا قبله يوما أو بعده يوما " کہ تم اہل کتاب کی مخالفت کرو اور عاشوراء سے پہلے یا بعد میں ایک روزہ رکھو (سنن کبریٰ للبیہقی: ۸۱۸۹) ۔ مذکورہ احادیث سے علماء نے نو تاریخ کو بھی روزہ رکھنا مستحب قرار دیا ہے، تاکہ اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے، اسی وجہ سے جو نو تاریخ کو روزہ نہ رکھ سکے وہ گیارہ کو رکھے، لیکن اگر کوئی شخص صرف ایک روزہ پر اکتفاء کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ شہاب الدین رملیؒ نقل فرماتے ہیں " وفى الام : لا بأس أن يفرده " کہ امام شافعی نے کتاب الام میں فرمایا کہ صرف عاشوراء کے روزہ پر اکتفاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (نہایۃ المحتاج: ۲۰۸/۳)۔

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے صرف ایک روزہ کے کافی ہونے کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ یہود و نصاریٰ یوم عاشوراء کو روزہ نہیں رکھتے ، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہذا فی زمانناً

رفع تشابہ کے لئے نویں، گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے(معارف الحدیث ۱۷۱/٤:)۔البتہ علامہ خطیب شربینیؒ نے عاشوراء کے ساتھ ایک روزہ مزید رکھنے کی ایک وجہ یہ نقل کی ہے کہ اس روزہ کو احتیاطاً رکھا جائے، کیونکہ ممکن ہے تاریخ میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہو(مغنی المحتاج : ۱۹۹/۲)۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ دو روزے رکھے جائیں تاکہ تقدیم وتاخیر کی صورت میں یقینی طور پر یوم عاشوراء کا روزہ حاصل ہو جائے، نیز اس روزہ کے ساتھ اگر کوئی شخص رمضان یا اس کے علاوہ کسی فرض قضاء روزہ کی نیت کرے تو اس کو عاشوراء کے روزہ کے ثواب کے ساتھ قضاء روزہ بھی حاصل ہو جائے گا ،لیکن صرف عاشوراء کا روزہ رکھنے کا جو ثواب ہے اس سے کم ملے گا(حاشیة الجمل:۳/ ٤٧٠)۔

عاشوراء کے دن صدقہ کرنا

صدقہ کرنا ہر وقت سنت ہے،لیکن اچھی جگہوں اور اچھے موقعوں پر صدقہ میں کثرت سنت ہے، علامہ خطیب شربینیؒ اس بات کو نقل فرماتے ہیں" ویسن الاکثار من اصدقة فی رمضان وفی امکنة ۔...وأزمنة فاضلة كعشر ذى الحجة وأيام العيد" کہ رمضان میں اور افضل جگہوں اور افضل موقعوں پر صدقہ میں کثرت کرنا سنت ہے، جیسے ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور ایام عید(الاقناع : ۳۲۲/۲)۔عبارت میں اگر چہ عاشوراء کے دن کا ذکر نہیں ہے،لیکن یہ دن بھی بہت ہی افضل اور بابرکت ہے،جس کی فضیلت میں آپ ﷺ نے ترمذی کی مذکورہ حدیث میں فرمایا کہ یہ دن دعا کی قبولیت کے لئے اہم ہے،اس اعتبار سے دیگر افضل ایام کی طرح اس دن بھی صدقہ کرنا اس عاجز کے نزدیک مستحب معلوم ہوتا ہے۔

عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کے ساتھ خرچ کرنا

دس محرم کے دن اپنے اہل وعیال پر ایام عید کی طرح وسعت کے ساتھ خرچ کرنا اور اچھا سے اچھا کھانا پکانا شرعاً جائز ہے اور باعث ثواب بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا " من وسع علىٰ عياله يوم عاشوراء لم يزل فى سعةسائر سنته " جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر پورا سال وسعت فرمائے گا(معجم الكبير

لـلـطبـرانـی : ۱۰۰۰۷)۔اس حدیث کی سند پر اگر چہ بہت سے حضرات نے کلام کیا ہے،لیکن حافظ ابن ناصرؒ نے اس کے بعض طرق کو صحیح کہا ہے، امام عراقی بعض کو صحیح علی شرط مسلم کہتے ہیں اور بعض کو ابن حبانؒ کی رائے پر حسن قرار دیتے ہیں اور امام بیہقیؒ کا کلام بھی مفید ثبوت ہے، حافظ منذریؒ، سخاویؒ اور قسطلانیؒ نے بیہقیؒ کے کلام کو نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام بیہقی کے نزدیک موضوع نہیں ہے اور علامہ سیوطیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، جب اساطین امت اس کو موضوع قرار نہیں دیتے تو وضع کا حکم مشکل ہے(الیواقیت الغالیۃ : ۲/ ۸۴،۸۵)۔

حدیث التوسعۃ علی العیال اور استحباب صوم عاشوراء میں تعارض

ایک طرف دس تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور دوسری طرف حدیث میں اچھا کھانا پکانے اور وسعت کے ساتھ خرچ کرنے کی ترغیب ہے، اس سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحب ادام اللہ فیوضھم علینا نے دفع تعارض کی کئی توجیہات بیان فرمائی ہیں، ''فرماتے ہیں بندہ کے خیال میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ وسعت کا مطلب یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کے اسباب دن میں کر لئے جائے اور اکل وشرب افطار وغروب کے بعد اور مسببات کی جگہ اسباب کا اطلاق ہوسکتا ہے، نیز اس سے مراد غیر مکلّف نابالغ بچے وغیرہ ہوں جیسا کہ لفظ عیال سے معلوم ہوتا ہے (الیـواقیـت الـغالیۃ: ۱/ ۲۰۷) شیخ عبد الملک بن حبیب مالکیؒ فرماتے ہیں کہ وسعت کا تعلق دن سے نہیں بلکہ رات سے ہے(اللآلی المصنوعہ للسیوطی : ۲/ ۹۶)۔

الغرض پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عاشوراء کے دن مذکورہ کاموں کے علاوہ کوئی بھی نیک کام یا عبادت خاص طور پر ثابت نہیں ہے، جب عبادت کے قبیل کے اعمال کا یہ حال ہے تو پھر امت مسلمہ جن خرافات اور بدعات میں غرق ہے ان کے حرام اور ناجائز ہونے میں کیا شک ہے، بل کہ ان کاموں کو نیک اور عبادت سمجھ کر کرنا علانیہ طور پر اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ یوم عاشوراء کو شریعت کی رہنمائی کے مطابق گذارا جائے تا کہ اللہ کی رضاء اور خوشنودی حاصل ہوجائے۔☆☆☆

صنف نازک کی آواز........شریعت کی نظر میں

انسان کی آواز اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، پھر جس انسان کی آواز اچھی اور عمدہ ہو اس کے لئے یہ دگنی نعمت ہے، خوبصورت اور دلکش جسم کی طرح بہترین آواز بھی پیاری معلوم ہوتی ہے، آواز کا جادو ہر جگہ چلتا ہے کہ آدمی خوش کن آواز سے مسحور ہو کر قاری کا دیوانہ ہو جاتا ہے، دنیا میں تادیر انھیں کی آوازیں باقی رہتی ہیں جو مردہ دلوں کو زندگی دینے والی ہوں، جو مخاطب کی مکمل توجہ کو اپنے کنٹرول میں کرنے والی ہوں اور جو سامع کو کلام کے اثر سے متأثر کرنے والی ہوں، یہی وجہ ہے کہ اچھی آواز کو کیسٹ، سی ڈی وغیرہ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے اور بار بار اسے سن کر لطف اٹھایا جاتا ہے، اچھی آواز فی نفسہ محبوب اور پسندیدہ ہے، لیکن آواز کو جس طرح کے کلام کے لئے استعمال کیا جائے اسی اعتبار سے آواز پر حکم لگایا جاتا ہے، اگر اچھی آواز فلمی گانے، عشقیہ اشعار وغزلوں اور شہوت انگیز مشاعروں میں استعمال ہو تو یہ آواز یقیناً بری اور ناپسندیدہ ہے، اس کے برخلاف نعتیہ اشعار، اللہ کی حمد وثناء پر مبنی اشعار اور قرآن مقدس کی تلاوت کے لئے استعمال ہو تو یہ آواز بہت اعلی اور افضل ہے۔

عورت کی آواز میں فتنہ

اسلام نے مرد کے ستر کے علاوہ جسم کو جس طرح آزاد رکھا ہے اور اسے پردہ کا پابند نہیں بنایا اسی طرح اس کی آواز کو بھی قابل ستر نہیں بنایا، اس کے بالکل برعکس عورت کو جس طرح اپنے بدن وجسم کے ستر اور چھپانے کا پابند بنایا ہے اسی طرح اس کی آواز کو بھی ظاہر کرنے سے روکا گیا ہے، کیوں کہ اللہ تعالی نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لئے کشش رکھی ہے اسی طرح اللہ تعالی نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے، کیوں

کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی آواز انتہائی نرم اور باریک ہوتی ہے اور اس کی آواز مرد سے زیادہ سحر انگیز ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں " ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفاً" اگر تم پرہیزگار بننا چاہتی ہوں تو نرم لہجے سے بات مت کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برائی کا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو(**الاحزاب:۳۲**)۔یعنی مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب ولہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھا پن ہو، یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کی آواز سے کوئی شخص گناہ اور برائی میں مبتلا ہوسکتا ہے،اسی فتنہ کے اندیشہ سے فقہاء نے لکھا ہے " ندب تشویھہ اذا قرع بابھافلا تجیب بصوت رخیم بل تغلظ صوتھا بظھر کفھا علی الفم " کہ جب کوئی دروازہ کھٹکھٹائے تو اندر سے عورت نرم آواز سے جواب نہ دے بل کہ اپنی آواز کو بدل دے اور منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز موٹی نکالے (**مغنی المحتاج ۱۳۹/۳**)۔

عبادات میں عورت کی آواز کا حکم

فتنہ کے اندیشہ کی بناء پر عورت کی آواز کے ستر کا مسئلہ صرف عام حالات اور عام بول چال ہی میں نہیں، بل کہ مختلف عبادتوں میں بھی عورت کے لئے اپنی آواز کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ عورت کو اذان جیسی اہم عبادت سے صرف اس لئے منع کیا گیا کہ اس کی آواز اجنبی مرد کے کان میں نہ پڑے،امام رویانیؒ فرماتے ہیں "ألأذان للنساء غیر مسنون " کہ اذان عورتوں کے لئے مسنون نہیں ہے(**بحر المذھب : ۵۱/۲**)۔امام شافعیؒ نقل فرماتے ہیں "وان أذن فأقمن فلا بأس ولا تجھرامرأۃ بصوتھا تؤذن فی نفسھا " کہ عورت اذان دے پھر اقامت کہے تو کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی آواز کو بلند نہ کرے اور اپنے دل ہی دل میں اذان دے(**کتاب الام ۱۸۴/۲** :)۔اسی طرح اگر کوئی عورت عورتوں کی جماعت کی امامت کررہی ہو یا تنہا نماز پڑھ رہی ہو تو اسے جہری نماز میں جہراً قرأت سے روکا گیا ہے،تاکہ کسی اجنبی مرد کے کان میں اس کی آواز نہ پڑے "أما

الأنثى والخنثى فيجهران حيث لايسمع أجنبى ويكون جهرهما دون جهر الذكر فان كان يسمعهما أجنبى أسرا " کہ عورت اور خنثی کے لئے جہری نماز میں قرأت جہراً کرنے کی اس وقت اجازت ہے جب کہ ان کی آواز کوئی اجنبی مرد نہ سن سکتا ہو اور ان کا جہراً پڑھنا بھی مردوں کی طرح نہیں ہے، بل کہ پست آواز کے ساتھ قرأت کرے گی اور اگر اس کے برخلاف اجنبی مرد آواز سن رہے ہوں تو قرأت کو آہستہ کرنا ضروری ہے (مغنی المحتاج : ۲۷۷/۱) ۔اسی طرح اگر امام سے غلطی ہو جائے تو عورت کے لئے سبحان اللہ کہنے کے بجائے تصفیق (ہتھیلی پر ہتھیلی مارنا) کے عمل کو مشروع کیا گیا ہے، علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔" ألتصفيق للمرأة ولا شك أن موضعه اذا كانت بحضرة رجال أجانب " کہ عورت کے لئے تصفیق کا عمل اس وقت ہے جب وہاں پر اجنبی مرد موجود ہوں (مغنی المحتاج : ۳۴۰/۱) ۔ہاں اگر صرف عورتیں ہوں یا محرم مرد ہی ہوں تو سبحان اللہ کہنے کی بھی اجازت ہے۔

کیسٹ اور سی ڈی کے ذریعہ عورت کی آواز

کیسٹ اور سی ڈی کے ذریعہ قرآن کریم کی تلاوت، نعتیہ اشعار وغیرہ سننا عام بات ہے لیکن مذکورہ چیزیں کسی عورت کی آواز میں ہو تو یہ محل بحث ہے، کیوں کہ عورت کی آواز میں جب قرآن کریم یا نعت سنی جائے تو اس وقت انسان کے دل کے میلان کے اعتبار سے حکم لگایا جائے گا کہ اگر دل کا میلان قرآن سے زیادہ آواز کی طرف اور نعت سے زیادہ عورت کی آواز کی طرف ہو رہا ہے تو یہاں پر بظاہر عورت کے موجود نہ ہونے کی بناء پر فتنہ کا کوئی اندیشہ نہیں ہے لیکن دل کا اس کی آواز کی طرف مائل ہونا اور لطف اندوز ہونا یہ بھی باعث گناہ ہے، چنانچہ علامہ خطیب شربینیؒ نے نقل کیا ہے" ويحرم سماع صوتها ولو نحو القرآن ان خاف فتنة أو التذ به والا فلا" کہ عورت کی آواز کو سننا حرام ہے، اگر چہ وہ آواز قرآن کریم کی تلاوت ہی کی کیوں نہ ہو جب کہ اس آواز کو سن کر فتنہ کا اندیشہ ہو یا سننے والا اس آواز سے لطف اندوز ہو رہا ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر عورت کی آواز کو سننا جائز ہے (بجیرمی علی

الخطیب:۳/ ۳۱٤)۔اسی طرح شیخ سلیمان جملؒ نقل فرماتے ہیں ”یلتحق بالاصغاء لصوتھاعند خوف الفتنة التلذذبه وان لم یخفھا“ کہ فتنہ کے اندیشہ کے وقت جس طرح عورت کی آواز کی طرف کان لگانا حرام ہے اسی طرح اگر فتنہ کا خوف نہ ہو لیکن صرف اس سے لذت حاصل ہو رہی ہو تب بھی اس کی آواز سننا حرام ہے(حاشیة الجمل :٦/ ٢٦٠)۔

اس کے علاوہ جن علماء نے عورت کی آواز کو اسی وقت ستر میں شمار کیا ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت ہی کسی اجنبی عورت کی آواز کو سنا جاسکتا ہے اس لئے کہ ضرورت کے موقع پر آواز کو سننے پر فتنہ سے امن ہی ہوگا اور ضرورت سے زیادہ آواز سننے پر یقیناً فتنہ ہوگا اور اگر فتنہ کا اندیشہ نہ بھی ہو تو کم سے کم عورت کی آواز سننے کے بعد دل کو جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ عورت کی آواز سننے کی حرمت کے لئے کافی ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تب بھی احتیاط ہی بہتر ہے جیسا کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں عورت کی آواز کے سلسلہ میں فتنہ کا جو اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے وہ یقینی ہے،اسی کے پیش نظر علماء فرماتے ہیں’ فعلیك الاقلال من مخالطة الرجال الاجانب وقلة التحدث معھم الا فی حاجة ضروریة مع عدم الخضوع واللین فی القول للآیة المذکورہ“ کہ مذکورہ آیت کی بناء پر تجھ پر (عورت پر) واجب ہے کہ اجنبی مردوں کی مخالطت سے احتراز کر اور ان سے بات کرنے میں احتیاط کر مگر یہ کہ ضرورت کے موقع پر، وہ بھی اپنی بات میں نرمی کے بجائے سختی سے (فتاوی المرأة المسلمة:٥٥٢)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کی آواز کے ستر کے سلسلہ میں شریعت نے کس قدر حصار باندھ رکھا ہے اور یہ حصار بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر ہے،اس لئے کہ دور حاضر میں جتنے فتنے ابھر رہے ہیں ان میں عورت کی آواز کا خاص دخل ہے، کیوں کہ آواز ہی اجنبیت کو اپنائیت میں تبدیل کردیتی ہے اور ابتداء میں دلی خواہش کی تسکین کا سبب بنتی ہے،موبائل اور ٹیلی فون آواز کے فتنہ کی واضح دلیل ہے، پوری انسانیت کی بربادی کے لئے اعدائے اسلام اور انسانیت کے دشمنوں نے عورت کی آواز کا خوب استعمال کیا، یہاں تک کہ بس وریلوے اسٹیشنوں جیسی ضروری

جگہوں پر بھی اعلانات کے لئے انھیں عورت ہی کی آواز مناسب معلوم ہوئی۔

لیکن دردِ سر یہ ہے کہ جب عورت کا جسم باپردہ نہیں رہا تو اس کی آواز پر کیسے پابندی لگائی جاسکتی ہے، یہ مجبوری ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جو جدت پسند یا ماڈرن طبقہ کہلاتا ہے، جنھیں شرعی احکام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، جو اپنی لڑکیوں کے جسم کے ساتھ ساتھ ان کی دل کش آواز کی مختلف پروگرام میں نمائش پر فخر محسوس کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو اپنے آپ کو دین دار سمجھتے ہیں اور جن کی عورتیں پردہ کا اہتمام بھی کرتی ہیں ان عورتوں کی آوازیں جب بے پردہ ہوتی ہیں تو دکھ ہوتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اس وقت تکلیف ہوتی ہے جب اسکولوں اور کالجوں کی طرح لڑکیوں کے دینی ادارے چلانے والے اپنے اداروں کے پروگرام میں مائیک کا استعمال کر کے لڑکیوں کی آواز کو اجنبی مردوں کو سناتے نظر آتے ہیں، ایک طرف ایسے دینی پروگرام جن میں تلاوت قرآن، اللہ کی حمد، آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف اور اصلاحی وتربیتی تقاریر ومکالمے پیش کئے جارہے ہوں یقیناً لائق تعریف ہیں لیکن دوسری طرف پروگرام کو شریعت کے حدود سے تجاوز کر کے انجام دینا باعث مذمت ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس میں فتنہ کا کوئی اندیشہ نہیں ہے تو پھر اذان دینے، نماز میں قرأت جہراً کرنے اور قرآن کی تلاوت کی آواز سننے وغیرہ میں کونسا فتنہ کارفرما ہے، اس کے باوجود ان چیزوں میں علماء نے آواز کو پست کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کو معصیت قرار دیا ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں ”فیکرہ أذان المرأة ---لأنها ان رفعت صوتها فقد ارتكبت معصية“ کہ عورت کے لئے اذان اس لئے مکروہ ہے کہ اگر اس نے اپنی آواز کو بلند کیا تو اس نے معصیت کا ارتکاب کیا (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۷۲)۔ لہذا ہم اپنی عورتوں کے جسم کی طرح ان کی آواز کو بھی باپردہ بنانے کی کوشش کریں تاکہ انھیں کسی قسم کے فتنہ کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ ☆☆☆

خودکشی.........شریعت کی نظر میں

انسان کے جسم میں سب سے بنیادی چیز اس کی جان ہے، کیوں کہ جان کے بغیر انسان کا پورا جسم بے کار ہے، جس طرح درخت کے سوکھنے کے بعد اس درخت کی ہریالی اور تازگی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح انسان کے جسم سے جان نکلنے کے بعد انسان کے سارے اختیارات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ دوسروں کا کلی طور پر محتاج ہو جاتا ہے، بعض اہل علم نے جان کو تر لکڑی سے تشبیہ دی ہے ''ھو جسم لطیف سار فی البدن مشتبک به اشتباك الماء بالعود الاخضر'' یعنی جان جسم کے اندر اس طرح گھلی ہوئی ہوتی ہے جس طرح ہری لکڑی کے اندر پانی (قوائد وفوائد من الاربعین النوویہ:۷۱)۔

مذہب اسلام ایک منصف مذہب ہے، جس میں ظلم وستم بالکل روا نہیں، یہی وہ واحد مذہب ہے جس میں مال وجان کے تحفظ کی جتنی اہمیت ہے کسی اور مذہب میں نہیں، اسی لئے اسلام میں کسی کی ناحق جان لینا حرام اور باعث گناہ ہے، اللہ تعالی نے فرمایا ''کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرو(بنی اسرائیل : ۳۳)۔اور قرآن نے یہ اعلان کیا کہ ایک جان کو تلف کرنا پوری انسانیت کے تباہ وبرباد کرنے کے برابر ہے اور ایک انسانی جان کی حفاظت پوری انسانیت کی حفاظت کے قائم مقام ہے (المائدہ:۳۲)۔اگرچہ اس اعلان کا تعلق کائنات کے سب سے پہلے قتل سے ہے، یعنی جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا، تاہم اسی قتل ناحق کے بعد اللہ تعالی نے انسانی جان کی قدر وقیمت کو واضح کرنے کے لئے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسانی خون کی کتنی قدر وقیمت اور اہمیت ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل کے لئے ہی نہیں تھا بل کہ

اس کے بعد قیامت تک آنے والی نسل کے لئے بھی ہے، سلیمان بن علی الربعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ کیا یہ آیت ہمارے لئے بھی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لئے تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں بنی اسرائیل کا خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ قابل احترام نہیں تھا(تفسیر ابن کثیر: ٦٥/٢)۔اور کسی کا ناحق قتل کتنا بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ آپ ﷺ کے ان ارشادات گرامی سے ہوسکتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جو قتل بھی ظلماً ہوتا ہے قاتل کے ساتھ ساتھ اس خون ناحق کا گناہ حضرت آدمؑ کے بیٹے کو بھی ہوتا ہے جس نے سب سے پہلا قتل کیا تھا(صحیح بخاری : ٣١٥٧)۔نیز ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے تعجب سے سوال کیا مقتول کو جہنم میں کیوں ڈالا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مقتول بھی قاتل کے قتل کا ارادہ کرتا ہے(صحیح بخاری : ٣١)۔حدیث پاک میں قتل کی حرص کو بھی باعث گناہ وسزا ابتلایا گیا ہے، اللہ تعالی نے اس جرم کی روک تھام کے لئے قاتل کے لئے قصاص کو ان الفاظ میں واجب قرار دیا ہے، اے ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے(البقرۃ : ١٧٨)۔نیز اسلام نے نماز جیسی مقدس عبادت پر جان کی حفاظت کو ترجیح دی ہے، علامہ زین الدین ملیباریؒ نے اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ”ویؤخرایضا وجوبا من رأی نحو غریق أو أسیر لو انقذہ خرج الوقت“ کہ اگر کسی غرق ہونے والے یا قید ہونے سے بچانے والے کے لئے نماز کی قضا ہونے کا اندیشہ ہوتو ایسی صورت میں نماز کو قضا کرنا اور کسی کی جان بچانا واجب ہے اس لئے کہ جان کا کوئی بدل نہیں ہے (فتح المعین مع اعانہ : ١٩٠/١)۔اور جان کی حفاظت کی خاطر دوسرے کا مال بغیر اجازت کے کھانا بل کہ اس سے بڑھ کر مردار جانور اور خنزیر جیسے ناپاک اور غلیظ جانور کے گوشت کو کھانا واجب قرار دیا گیا ہے، علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں ” ومن خاف علی نفسه موتا او مرضا مخوفا ووجد محرما كميتة ولحم خنزير وطعام الغير لزمه اكله“ کہ جس شخص کو موت کا خوف ہو یا ایسے مرض کا جس سے جان چلی جانے کا اندیشہ ہو اور وہ مردار یا خنزیر کا گوشت اسی طرح کسی دوسرے کا مال پائے تو جان کی حفاظت کی خاطر ان سب چیزوں کا کھانا لازم ہے(مغنی

المصباح : ۲۰۳/٦)۔

مذکورہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جان چاہے اپنی ہو یا دوسرے کی اس کی حفاظت بہت زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ جان اللہ کی امانت ہے، لیکن موجودہ دور میں پوری دنیا میں سب سے زیادہ حقیر اور بے وقعت بل کہ حیوانوں اور جانوروں سے بھی زیادہ بے معنی شئی انسانی جان ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر سیکنڈ اور ہر پل میں ایک انسانی جان کا تلف ہونا یا تلف کرنا بالکل عام معمول بن گیا ہے جس کا ہم ہر روز اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور اتنی کثرت سے جانوں کے تلف ہونے کے اسباب میں آپسی دشمنی، ظلم وستم، اسلام دشمنی، جیسے اسباب کے ساتھ ایک سبب خودکشی بھی ہے اور اس کا تناسب بھی کچھ کم نہیں، درج ذیل سطور میں ہم خودکشی کے متعلق چند گوشوں کو اجاگر کر رہے ہیں۔

خودکشی کے اسباب

خودکشی یعنی اپنے آپ کو ہلاک کرنا اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، کبھی میاں بیوی کی آپسی رنجش اس کا سبب بنتی ہے تو کبھی عشق میں ناکامی کی صورت میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے خودکشی کے واقعات سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں تو وہ کبھی زہر کھا کر، کبھی پھانسی کا پھندا گلے لگا کر، کبھی اپنے آپ کو پانی میں ڈبو کر یا آگ میں جلا کر موت کو گلے لگا لیتا ہے، الغرض انسان دنیوی حالات ومسائل کے سامنے اتنا مجبور اور بے بس ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی ذات ہی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

خودکشی کا حکم

اسلام میں خودکشی حرام ہے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں خودکشی کرنا حرام ہے (شرح مسلم ۲۹٤/۱)۔ لیکن خودکشی کرنے والا اسلام سے خارج نہیں ہوتا البتہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے اور یہ متفق علیہ بات ہے کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ اسے اس جرم کی پاداش میں اللہ عذاب دینا چاہے تو جہنم کی آگ میں ایک طویل مدت تک جلنا ہوگا، لیکن وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا

جیسا کہ امام طحاویؒ نے اس کی صراحت کی ہے "وأهل الكبائر من امة محمد ﷺ في النار لا يخلدون اذا ماتو اوهم موحدون" کہ امت محمدیہ میں سے کوئی گناہ کبیرہ کا مرتکب جس کی موت حالت اسلام پر ہوئی ہو وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا(**العقيدة الطحاويه ٧٤**) ۔اور اگر اللہ اپنے فضل سے اسے معاف کرنا چاہے تو اسے کوئی سزا نہیں ہوگی اس سلسلہ میں شیخ ابن بازؒ نے خودکشی کرنے والے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہ صراحت کی ہے "ومن قتل نفسه من المسلمين عمداً الظروف احاطت به غير ساخط على قضاء الله وقدره فليس بكافر لكنه مرتكب لكبيرة ومتوعد باالنار وامره الى الله ان شاء عفا عنه غفر له وان شاء عذبه یعنی جو شخص اللہ کی قضاوقدر سے ناراض ہوکر نہیں بلکہ مصیبتوں و پریشانیوں میں گھر کر خودکشی کرلے وہ کافر نہیں ہے، البتہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور اسے بطور سزا جہنم میں جانا ہوگا، لیکن اگر اللہ چاہے تو معاف بھی کرسکتے ہیں

(**فتاوى الجنه الدائمه للبحوث العلمية ٢٥٢/٢٢**)۔

خودکشی کی ایک خاص سزا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی لوہے کی چیز یعنی چاقو، چھری سے اپنے آپ کو قتل کردے تو جہنم میں وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہوگی، جس کو وہ اپنے پیٹ میں گھساتا رہے گا جب تک وہ جہنم میں رہے گا اور جس کسی نے زہر کھا کر یا پی کر اپنے آپ کو قتل کیا وہ جہنم میں زہر کے گھونٹ پیتا رہے گا جب تک اسے جہنم میں رہنا پڑے گا(**مسلم :١٠٩**)۔

خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ کا حکم

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الصلاة واجبة على كل مسلم يموت بر اكان او فاجراً وان عمل بالكبائر" کہ ہر مسلمان میت پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے چاہے وہ مرنے والا نیک ہو یا فاجر و فاسق یا چاہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو (**سنن دار القطنى :١٧٦٤**)۔

حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے، اگرچہ خودکشی کرنا گناہ کبیرہ میں داخل ہے اور حرام ہے، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کے نزدیک خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ مسلم شریف کی ایک حدیث ہے، جس میں حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک خودکشی کرنے والے کی لاش لائی گئی تو آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی(مسلم : ۹۷۸)۔اس حدیث سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوگیا ہے کہ خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے، حالاں کہ آپ ﷺ کا نماز جنازہ نہ پڑھنا جائز نہ ہونے کی بناء پر نہیں تھا بل کہ کسی خاص مقصد کی خاطر تھا اس مقصد کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کا نماز جنازہ نہ پڑھنا خودکشی کے گناہ کی شدت اور سنگینی کے اظہار کے لئے اور اس گناہ سے بچنے کی تنبیہ کے لئے تھا تا کہ دوسرے لوگ اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر نماز جنازہ جائز ہے اس کی اور ایک نظیر دور رسالت میں ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک مقروض پر نماز جنازہ نہیں پڑھی اور صحابہ سے فرمایا" صلوا علی صاحبکم " کہ تم اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھ لو، آپ ﷺ نے اس مقروض پر نماز جنازہ اس لئے نہیں پڑھی تا کہ قرض لے کر ادا نہ کرنے والوں کو تنبیہ ہو جائے اور اس گناہ کی شدت کا احساس ہو جائے(شرح مسلم :۵۴/۴) ۔اسی تفصیل کے پیش نظر خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔☆☆☆

چھٹا باب

تذکیرات

☆......زمزم...وہ مبارک چشمہ جو کبھی خشک نہیں ہوتا

☆......سفرحرمین کی توفیق سعادت کی نشانی

☆......استغفار مصائب سے حفاظت کا ذریعہ

☆......جب تجارت عبادت بن جاتی ہے

☆......منصب امامت کی اہمیت وقدر شناسی

☆......باطنی امراض سے حفاظت پر کامیابی کا وعدہ

☆......خدارا حرمین شریفین کو تفریح گاہ نہ بنائیں

زمزم.....وہ مبارک چشمہ جو کبھی خشک نہیں ہوتا

پانی انسان کی ضروریات میں سے ایک اہم ترین اور بنیادی ضرورت ہے، بعض مرتبہ انسانوں اور جانوروں کے لئے بھوکا رہنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا پیاس کو برداشت کرنا مشکل ترین معلوم ہوتا ہے اور پانی کا استعمال روزمرہ کی زندگی میں ہوا کے بعد سب سے زیادہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پانی کا انتظام بھی اپنی مخلوقات کی ضروریات کے تناسب کے اعتبار سے فراوانی کے ساتھ کیا ہے، ہر گاؤں وقریہ میں ندیاں، تالاب، اور کنویں عموماً نظر آتے ہیں اور اگر کسی گاؤں میں یہ نظام نہ ہوتو قریبی شہروں سے پانی لانے کا انتظام بھی بڑے ہی اچھے انداز میں کیا جاتا ہے، لیکن دنیا کی ساری نہریں، تالاب اور تمام کنویں گرمی کے ایام میں قلت ماء کا شکوہ کرتے ہیں، جس سے عام طور پر لوگ بھی پانی کی کمی کی وجہ سے پریشان نظر آتے ہیں، البتہ دنیا کا ایک کنواں ایسا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا، جو قلت ماء کا کبھی شکار نہیں ہوتا اور پانی کی کمی کا کبھی شکوہ نہیں کرتا حالاں کہ اس کنویں کے پانی کو دوسرے کنووں کے مقابلہ میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، اس کا پانی دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچتا ہے، جس کنویں کے پانی کو زمزم کہا جاتا ہے، حج وعمرہ کے موقع پر حاجی ومعتمر حضرات وہاں پہنچ کر اس پانی کو خوب استعمال کرتے ہی ہیں اور واپسی میں اپنے ساتھ لے بھی آتے ہیں، تاکہ یہ بابرکت پانی اپنے اعزاء واقارب میں تقسیم کریں، اسی پانی کے متعلق چند گوشوں کو اجاگر کرنے کی ہم سعی کررہے ہیں۔

آب زمزم کا تاریخی پس منظر

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی ہاجرہؓ اور بیٹے اسماعیلؑ کو جب اقامت دین اور اقامت صلاۃ کی خاطر مکہ کی اس سرزمین پر چھوڑا جس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑوں کے سوا کچھ نہ تھا،

جہاں کی آب وہوا اور موسم بہت سخت، پانی مفقود اور ہر طرف سناٹا، نیز ایسا کوئی غم خوار اور مونس بھی نہ تھا جس سے دل کو سکون واطمینان ہوتا اور ان کے گزر بسر کے لئے ایک پانی کا مشکیزہ اور چند کھجوریں حوالہ کیں، لیکن یہ پانی اور کھجوریں چند ہی دنوں میں ختم ہوگئیں تو دودھ پیتے اسماعیلؑ اور ان کی ماں ہاجرہ شدت پیاس سے پریشان ہوگئیں، ماں کے لئے بیٹے کی پیاس ناقابل برداشت تھی تو حضرت ہاجرہؓ نے صفاومروہ کے درمیان پانی تلاش کیا، سات چکر مکمل ہونے کے بعد جب حضرت ہاجرہؓ بچے کے پاس پہنچی تو بچے کو اس حال میں پایا کہ وہ زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا، اسی وقت اچانک کان میں ایک آواز پڑی تو حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ اگر تیرے پاس کوئی بھلائی ہے تو ہماری مدد کر، تو حضرت جبرئیلؑ نے اپنی ایڑی زمین پر ماری اس جگہ سے پانی نکل آیا، جس کو دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ حیرت زدہ رہ گئیں اور اپنی ہتھیلیوں سے پانی سمیٹ کر مشکیزہ میں بھرنے لگی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" رحم الله ام اسماعيل لو تركت زمزم أوقال لولم تغرف من الماء لكانت زمزم عينا معينا" اللہ تعالیٰ حضرت ہاجرہ پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو یوں ہی چھوڑ دیتیں یا فرمایا کہ چلو سے اکھٹا نہ کرتیں تو زمزم روئے زمین کو سیراب کرنے والا بڑا چشمہ ہوتا(بخاری:۲۱۹۵)۔

اس کنویں کی شان تمام کنوؤں سے الگ اور منفرد ہے، کیونکہ دنیا کے تمام کنویں زمین والوں کے بنائے ہوئے ہیں، زمزم کا کنواں آسمان والوں کا بنایا ہوا ہے، دنیا کے تمام کنوؤں میں دنیاوی ہتھیار اور مشینیں استعمال ہوتی ہیں، لیکن زمزم میں حضرت جبرئیلؑ کی ایڑی بطور مشین استعمال ہوئی ہے، دنیا کے کنوؤں کا پلان کوئی انسان بناتا ہے، لیکن زمزم کا پلان فلک پر ارض وسماء کے مالک نے بنایا تھا تو ایسا کنواں کیوں کر کبھی خشک ہوسکتا ہے، یا پانی کی کمی کا شکوہ کرسکتا ہے۔

آب زمزم کے فضائل

آب زمزم نہایت ہی بابرکت پانی ہے، اس لئے اس کو پینا سنت ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اس پانی میں شرب وطعام دونوں خاصیتیں موجود ہیں (سنن بیہقی: ۹۷۵۱)۔ ماءِ زمزم کو دنیا

وآخرت کے جس مقصد کی خاطر استعمال کیا جائے وہ مقصد حاصل ہوگا، اس لئے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "ماء زمزم لما شرب له" (**سنن بیہقی: ۹۷۵۲**) ۔ ماءزمزم میں ہر بیماری کا علاج ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے " فان شربته تستشفي به شفاك الله" کہ زمزم پی کر اگر اس کے ذریعہ شفاء طلب کروتو اللہ شفاء دے گا (**مستدرک حاکم: ۱۷۳۹**) ۔ اس پانی کو اپنے ساتھ لانا اور بیماروں پر چھڑکنا اوران کو پلانا بھی سنت ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہے " أن رسول الله ﷺ كان يحمله في القرب و كان يصبه على المرضى ويسقيهم منه " کہ رسول اللہ ﷺ مشکیزہ میں زمزم کو بھرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے اوران کو پلاتے تھے (**سنن بیہقی: ۱۰۱۱۸**) ۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ زمزم کا مبارک اور لافانی چشمہ ہے جو نہ کبھی خشک ہوتا ہے، نہ اس میں کمی آتی ہے، وہ ساری دنیا اور تمام نسلوں کے لئے کافی ہے اور آج تک سارا عالم اس سے فیضیاب اور سیراب ہورہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے شفاء بھی رکھی ہے، غذائیت بھی اجر بھی اور برکت بھی (**ارکان اربعہ: ۸۰۳**) ۔ اس لئے ماءزمزم خوب سیراب ہوکر پینا چاہئے اور زمزم کو سیراب ہوکر پینا یہ مومن کی علامت بھی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا " آية ما بيننا و بين المنافقين أنهم لا يتضلعون من زمزم" کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ زمزم سیراب ہوکر نہیں پیتے (**ابن ماجہ: ۳۰۵۲**) ۔ نیز اگر کسی کو بئر زمزم کے پاس جانے کا موقع ملے اسے وہاں جاکر دعا کرنا چاہئے کیونکہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حج میں جن پندرہ مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے ان میں سے ایک بئر زمزم بھی ہے (**مغنی المحتاج: ۱/۵۱۱**) ۔

زمزم پینے کا طریقہ

ماءزمزم عام پانی کی طرح بسم اللہ بول کر تین سانس میں پینا اور پی کر فارغ ہونے کے بعد الحمدلله کہنا سنت ہے، البتہ زمزم پیتے وقت قبلہ رو ہونا بھی سنت ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے شریک مجلس شخص کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے کہا: کہاں سے آرہے ہو؟ تو میں نے کہا

زمزم پی کر آیا ہوں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جیسا پینا چاہئے تھا ویسا پی کر آئے ہو؟ اس پر میں نے کہا کہ پینے کا کیا طریقہ ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ جب تم زمزم پیؤ تو قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ کا نام لو، پھر تین سانس میں پی لو اور جب فارغ ہو جاؤ تو الحمد للہ کہو(سنن بیہقی:۹۷۴۸)۔ نیز ماء زمزم بیٹھ کر پینا سنت ہے، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ فرماتے ہیں "ویسن عند ارادة شربه الاستقبال والجلوس "کہ ماء زمزم پیتے وقت قبلہ رو، اور بیٹھ کر پینا سنت ہے(تحفة المحتاج مع حاشیتا: ۱۴۴/۴)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: لایشربن أحدمنکم قائما "کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑے رہ کر پانی نہ پیئے(مسلم: ۲۰۲۶)۔ البتہ بعض روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے زمزم کھڑے رہ کر پیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو زمزم پلایا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کی ہی حالت میں پیا(مسلم : ۲۰۲۷)۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا کھڑے رہ کر پانی پینا بیان جواز کے لئے تھا یعنی بطور مجبوری کھڑے رہ کر پانی پینا جائز ہے(شرح مسلم: ۲۱۶/۷)۔ امام سیوطیؒ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کھڑے رہ کر پانی بھیڑ کی وجہ سے یا کوئی مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے پیا تھا(حاشیة ابی داؤد : ۵۲۳)۔ البتہ اگر کوئی شخص سنت کی نیت سے کھڑے رہ کر زمزم پیتا ہے تو امید ہے کہ اسے بھی اجر ملے گا، اسی طرح زمزم پیتے وقت اللھم انی أسئلك علما نافعا ورزقا واسعا و شفاء من کل داء یہ دعا پڑھنا چاہئے یعنی اے اللہ میں علم نافع، رزق کی کشادگی اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں، حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس دعا کو پڑھا کرتے تھے(مستدرك حاکم: ۱۷۳۹)۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ زمزم اپنے گھروں میں رکھیں اور اللہ پر یقین اور توکل کے ساتھ ہر بیماری سے شفاء اور دینی و دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے اس کا استعمال کریں، نیز اگر کوئی غیر مسلم زمزم کا مطالبہ کرے، یا کسی غیر مسلم سے تعلقات ہوں تو اسے اس نیت کے ساتھ زمزم دینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس بابرکت پانی سے اس کو کفر کی روحانی بیماری سے شفاء عطاء فرمائے۔ ☆☆☆

سفر حرمین کی توفیق......سعادت کی نشانی

انسان اپنی زندگی میں مختلف اسفار مختلف اغراض ومقاصد کی بناء پر کرتا رہتا ہے، کبھی رشتہ داروں کی ملاقات، کبھی تجارت وذریعہ معاش کی ضرورت، کبھی علم کے حصول تو کبھی سیر وتفریح، تو کبھی کوئی اور وجہ ہوتی ہے، ان تمام اسفار کی اہمیت وافادیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے اور انسان جب اپنے سفر کے مقصود کو حاصل کرلیتا ہے تو خوشی ومسرت کا اظہار کرتا ہے، لیکن ایک سفر ایسا ہے جو اپنی منفرد خصوصیات کی بناء پر تمام اسفار سے نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے، اس سے مراد سفر حرمین اور بیت اللہ کے دیدار کا سفر ہے، جس کی تمنا سب سے بڑی تمنا، جس کی آرزو سب سے بہتر آرزو، جس کا خواب سب سے خوبصورت خواب اور جس کی امید سب سے اچھی امید کہی جاسکتی ہے، اس سفر کی خوشی صرف صاحب سفر ہی کو نہیں بل کہ اس کے عزیز واقارب، رشتہ دار وخاندان اور محلّہ وگاؤں کے افراد کو بھی محسوس ہوتی ہے، کیوں کہ وہ بھی اپنے خاندان اور اپنے گاؤں کے اس راحل حرمین پر فخر وخوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایسے مسافر کو خوش نصیب اور خوش قسمت لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، یہ خوش قسمتی مجھ جیسے فقیر اور ناکارہ کے حصہ میں گزشتہ سال بذریعہ حج آئی، اس سفر نے مجھ پر جو تأثر چھوڑا اسی تأثر کو چند سطور میں مقید کرنے کی سعی وکوشش ہے۔

سفر حرمین کے لئے اصل توفیق الٰہی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کے گھر پہنچنے کی طاقت (جسمانی ومالی یا صرف مالی) رکھتے ہیں حج فرض کیا ہے (آل عمران : ۹۷) اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حج کی فرضیت کے لئے صاحب استطاعت ہونا

شرط ہے، غیر مستطیع اور غرباء پر حج فرض نہیں ہے، ایک طرف اللہ تعالی نے اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے مال لازم قرار دیا ہے تو دوسری طرف اللہ تعالی ہم جیسے ہزاروں افراد کو اسباب سے بالکل تہی دست اور خالی ہاتھ ہونے کے باوجود اپنے گھر کی زیارت کا شرف عطا کر کے اپنے مسبب الاسباب ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ بندہ جس چیز پر قادر نہیں اس پر وہ قادر ہے، یقیناً اگر دل میں اللہ کے گھر حاضری کی سچی تمنا ہو، مال پر نظر نہ ہو بل کہ اللہ کی قدرت پر نظر ہو، حرمین کے دیدار کا شوق اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہو، وہاں حاضری کی شدید لگن اور تڑپ ہو جس کے لئے رب ذوالجلال کے حضور دعائیں بھی ہو رہی ہوں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالی اپنی قدرت سے اپنے گھر حاضری کی توفیق عطاء فرمائے گا، ورنہ مالی فراوانی کے باوجود زندگی بھر اس سعادت سے آدمی محروم ہی رہتا ہے۔

سفر حرمین کا اصل مقصد

سفر حج ایک طرف گناہوں کی مغفرت وبخشش کا سامان ہے تو دوسری طرف حرمین کی نورانیت وروحانیت سے قلب وروح کو منور ومعطر کرنے کا ذریعہ بھی ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ایک حاجی ومعتمر کا امتحان وآزمائش بھی ہے کہ دوران سفر، مسجد حرام، دوران طواف اور مناسک حج کی ادائیگی میں صبر کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے کہ ازدحام اور بھیڑ کی کثرت کی بناء پر وہ سب کچھ پیش آتا ہے جو انسانی فطرت کے لئے ناقابل برداشت ہوتا ہے، کبھی حرم میں جگہ کی تنگی کی بناء پر دھوپ میں نماز کی ادائیگی، کبھی زمزم کے حصول کے لئے لمبی قطار کی صورت میں پیاس کی شدت اور کبھی استنجاء وفراغت کے لئے کافی دیر انتظار کی مشقت صبر آزما ہوتی ہے، خاص طور پر حج کے ایام میں منی، عرفات، مزدلفہ اور رمی جمار کے موقع پر صبر کی نعمت کے چھن جانے کا خوف اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جانے کا اندیشہ حاجی کو لاحق رہتا ہے، اکثر حجاج کرام احتیاط کے ساتھ حج کی ادائیگی میں بہت ہی صبر سے کام لیتے ہیں اور ان کی خدمت پر مامور افراد کی صدا "الحاج الصبر" حاجیوں کو صبر کا سبق یاد دلاتی رہتی ہے، اس سے پتہ

چلتا ہے کہ حج کا سب سے اہم سبق صبر ہے، کہ حاجی وہاں پر صبر کر کے حج سے واپسی پر صبر کرنے کی عملی مشق کرے، لیکن عام طور پر حاجی حضرات حج سے واپسی کے موقع پر اس سبق کو بھول جاتے ہیں اور معمولی باتوں پر غصہ اور بے صبری کا اظہار کرتے ہیں جس کا اثر ان کی بقیہ زندگی پر بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

سفر حرمین کا اثر بقیہ زندگی پر

حرمین کا سفر انتہائی مبارک سفر ہے، اس سفر میں حج وعمرہ کے ارکان ومناسک کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ گناہوں اور معصیات سے اپنے آپ کو بچانا اس سفر کی اصل روح اور جان ہے، اسی کی مشق کے لئے حالت احرام میں بہت سی ان چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے جو چیزیں حالت احرام کے علاوہ حالت میں حلال اور جائز ہیں اور حج کی ادائیگی میں محرمات احرام اور دیگر محرمات سے بچنے پر ہی اس سفر کے مقصود یعنی حج مبرور ومقبول کا حصول موقوف ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے حج مبرور کی یوں تعریف کی "هو الذی لا یرتکب صاحبه فيه معصية" کہ حج مبرور اس شخص کو حاصل ہوگا جو اس میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ کرے (**ریاض الصالحین :ص:٤٩٣**)۔ اور ایسے ہی حج کا بدلہ آپ ﷺ نے جنت بتلایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا " والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة " کہ حج مبرور کا بدلہ جنت کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں (**مسلم : ١٣٤٩**)۔

جس حاجی کو حج مبرور حاصل ہو جائے اس کا اثر اس کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے، کہ اس کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوتا ہے، حج سے واپسی پر اسے اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے، گناہوں اور اللہ کی نافرمانی سے اس کا قلب متنفر ہو جاتا ہے، اس لئے کہ امام نوویؒ نے حج مقبول کی علامت یہ نقل فرمائی ہے " ومن علامة القبول أن يرجع خيرا مما كان ولا يعاود المعاصی " کہ حج کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ حاجی پہلے سے بہتر حالت میں لوٹے اور معصیت کا اعادہ نہ کرے (**شرح مسلم :٤٧٤/٧**)۔ جس کی زندگی میں حج کے بعد تبدیلی وتغیر نہ ہو بلکہ اس کی حج سے پہلے اور بعد کی

زندگی یکساں ہی نظر آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے حج مبرور حاصل نہ ہوسکا، اگرچہ اس کے ذمہ سے حج کا فریضہ ساقط ہوگیا اور حج کے ذریعہ بخشش ومغفرت کا وعدہ حج کرنے پر نہیں بل کہ حج مبرور ہی کرنے پر ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ" کہ جس نے حج کیا اور اس میں بے حیائی اور فحش کام نہیں کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جیسے کہ وہ بچہ جسے اس کی ماں نے ابھی جنم دیا ہو(مسلم :۱۳۵۰)۔عام طور پر حاجی فدیہ اور دم کے خوف سے یا اللہ کے ڈر سے محرمات احرام سے تو محفوظ رہتے ہیں،لیکن معاشرتی برائیوں (غیبت، دوسروں کی حقارت وغیرہ) سے احتیاط نہیں کرتے ،اس لئے اس سفر میں ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

سفر حرمین میں علم کی ضرورت

کسی بھی عبادت کی صحت وقبولیت کے لئے علم بنیادی چیز ہے، گویا علم اس عبادت کی جان ہے، جس طرح بغیر سر کے جاندار کا جسم بیکار ہے اسی طرح علم کے بغیر کی جانے والی عبادت ناقص اور بے کار ہے،سفر حرمین میں حج ہو یا عمرہ ، روضۂ اقدس کی زیارت کا معاملہ ہو یا ریاض الجنہ میں نماز کا موقع ،طواف ہو یا حجر اسود کی تقبیل واستلام ،منی ومزدلفہ اور عرفات میں وقوف وقیام کا مرحلہ ہو یا رمی جمار کا انتہائی نازک وقت ہو، ہر ہر موقع پر علم کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے کہ علم کی کمی کی بناء پر حاجیوں کو مفت کی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اپنے آپ کو ایسی مشقتوں میں ڈالتے نظر آتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ،کبھی حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے طاقت کا مقابلہ،کبھی رمی جمار میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مسابقہ تو کبھی معمولی مسائل پر مجادلہ ومباحثہ تو کبھی روضۂ اقدس کی زیارت میں دوسروں کی ایذا رسانی ، یہ سب حج کے مسائل سے ناواقفیت کی بناء پر ہوتا ہے،اس لئے حرمین کے سفر کے آداب ومسائل سے واقفیت ضروری ہے، تاکہ مناسک حج ودیگر چیزیں عافیت وسہولت کے ساتھ پوری ہوجائیں ۔☆☆☆

استغفار......مصائب سے حفاظت کا ذریعہ

نکاح کے بعد رخصتی کے وقت جب دلہن کی ڈولی اپنے گھر سے اٹھتی ہے، تو اس کے والدین، رشتہ دار، بہن بھائی اس کی جدائی پر رو رو کر اپنا غم ہلکا کرتے ہیں اور خود دلہن بھی اتنے آنسو بہاتی ہے کہ اس کی آنکھیں سوج جاتی ہیں، اس کے برعکس جب کسی کے گھر سے جنازہ اٹھتا ہے تو وہ گھر ماتم کناں بن جاتا ہے اور اس کے اہل وعیال اور اس گھر کے مکینوں کے آنسو تھمتے نظر نہیں آتے، اسی طرح جب کوئی شخص کسی دنیوی حادثہ، یا نقصان کا شکار ہوتا ہے تو اس کے دل کے ساتھ آنکھیں بھی اشک بار ہوجاتی ہیں، یقیناً آنسو ایک ایسی چیز ہے جو ایک غمگین اور مصیبت زدہ شخص کے غم کو دور اور ہلکا کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے، یہ آنسو والدین، اساتذہ، یا کسی قابل قدر اور عظیم المرتبت شخص کی حق تلفی، ان کے شان میں گستاخی، یا اپنے سے چھوٹے انسان کی ایذا رسانی پر جب ان کی خدمت میں بہتے ہیں تو انھیں ''معافی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، انھیں آنسوؤں کو اگر انسان اپنے گناہوں اور اللہ کی نافرمانی پر ندامت وشرمندگی کے ساتھ بہائے تو انھیں ''استغفار'' کہتے ہیں، جن آنسوؤں کو بہانے والی آنکھ پر جہنم کی آگ حرام کی گئی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا"عينان لا تمسهما النار عين بكت من خشية الله" کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ان میں سے ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے آنسو بہاتی ہے (سنن ترمذی:۱۶۳۹)۔ اور ان آنسوؤں پر جہنم کی آگ حرام کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ یہ اللہ کے نزدیک موتی سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں، شاعر نے سچ کہا ہے:

احساس عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

استغفار عذاب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ

عام طور پر اللہ کا عذاب کثرت معاصی کی بناء پر نازل ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے " وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم" تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں، وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے(شوریٰ : ۳۰)۔یعنی تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمہیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں، اگر چہ اس عذاب کے نزول کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے گناہ اس عذاب و مصیبت کے ذریعہ معاف ہو جائیں، لیکن عذاب الٰہی کے بغیر گناہوں کے معاف کرانے کا طریقہ استغفار ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کی بناء پر عذاب الٰہی کو موقوف کرنے کا اعلان کیا ہے "وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون" کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہوئے استغفار کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دیں گے(انفال :۳۳)۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں "كان فيهم أمانان نبي الله والاستغفار قال فذهب نبي الله وبقى الاستغفار" لوگوں میں اللہ سے عذاب سے بچنے کے دو اسباب تھے، ایک اللہ کے رسول ﷺ اور دوسرا استغفار، آپ ﷺ دنیا سے چلے گئے (یعنی ایک سبب ختم ہو گیا) اور دوسرا استغفار باقی ہے(سنن بیہقی :۸۸۱۹)۔

استغفار حصول رزق کا سبب

موجودہ دور بھلے ہی ترقی کا دور کہلاتا ہو لیکن یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر خاص و عام انسان معاشی تنگی کا شکار ہے، کیونکہ بے روزگاری، مہنگائی اور معاشی پریشانی عروج پر ہے، اسی بناء پر لوگ خودکشی جیسے حرام فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں، کئی عورتیں اپنی عزت و عصمت کا نیلام کر رہی ہیں، ہر ایک کھانے کمانے کی ہی فکر میں نظر آ رہا ہے، حکومتی اور علاقائی سطح پر اس پریشانی کا حل نکالنے کی جدوجہد ہو رہی ہے، لیکن ساری کوششیں اور محنتیں بے سود اور فضول معلوم ہو رہی ہیں، حالانکہ اس کا ایک آسان اور انتہائی سہل حل قرآن و حدیث نے استغفار بتلایا ہے، ارشاد باری ہے "ومن يتق الله يجعل له

مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب" جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالی ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور پھر اس کو ایسی جگہ سے روزی عطاء کرتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا(الطلاق: ۳،۲)۔اسی آیت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:" من لزم الاستغفار جعل الله من كل ضيق مخرجا ومن كل هم فرجا ورزقه من حيث لا يحتسب" جو شخص استغفار کی پابندی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور ہر غم سے اسے نجات عطاء کرتا ہے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا(ابو داؤد:۱۵۱۸)۔ لہذا استغفار کے ذریعہ اپنے سارے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

استغفار آپ ﷺ کی سنت

آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس گناہوں سے معصوم اور پاک تھی جبکہ استغفار کا تعلق گناہوں سے ہے، آپ ﷺ خود فرماتے ہیں "والله انی لأستغفرالله وأتوب اليه فى اليوم أكثر من سبعين مرة" کہ خدا کی قسم میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں(بخاری: ٦٣٠٧) ۔آپ ﷺ کا استغفار کرنا امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ گنہگار امت کو بطریق اولیٰ استغفار کرنا چاہئے، لہذا اگر کوئی گناہوں سے پاک بھی ہو تو اسے استغفار کرتے رہنا چاہئے، تاکہ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملتا رہے۔

استغفار اور زندگی کے آخری ایام

جب آپ ﷺ تبلیغ رسالت اور احکام خداوندی کے فریضہ کو بحسن خوبی مکمل طور پر انجام دے چکے اور آپ ﷺ کا دنیا سے کوچ کا زمانہ قریب آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہا "فسبح بحمدك ربك واستغفره انه كان توابا" کہ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید بیان کرنے لگو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے(النصر: ۳)۔اس آیت

کے نزول کے بعد آپ ﷺ دو سال سے کچھ زائد مدت باحیات رہے، اس کے بعد آپ ﷺ کی رحلت ہوئی(**معارف القرآن کاندھلوی: ٨ / ٥٦٧**) ۔یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ موت سے پہلے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہے " كان رسول الله ﷺ يكثر أن يقول قبل ان يموت استغفرك وأتوب اليك" کہ آپ ﷺ اپنی وفات سے قبل یہ کلمات اے اللہ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں، اور تیرے پاس توبہ کرتا ہوں، کثرت سے پڑھا کرتے تھے(**مسلم: ٧٤٧**)۔لہذا ہر انسان ہر وقت توبہ واستغفار کا اہتمام رکھے کہ آدمی سے غیر اختیاری طور پر بھی گناہ ہوتے رہتے ہیں، ان کی معافی کا راستہ یہی ہے، لیکن خاص کر زندگی کے آخری ایام میں خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام کرے اور پوری زندگی کی لغزشوں اور خطاؤں پر ندامت کے ساتھ آنسو بہائے اور اگر ہم نے استغفار کرنا چھوڑ دیا تو اللہ تعالی ایک ایسی قوم کو پیدا کرے گا جو گناہوں کے بعد اللہ کے حضور استغفار کرے گی۔☆☆☆

جب تجارت عبادت بن جاتی ہے

تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ تجارت کا پیشہ عہد قدیم سے چلتا آرہا ہے، اسلام کی صبح صادق سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی تجارت کا عام رواج تھا، عربوں کے قافلے اونٹوں اور گھوڑوں پر سامان تجارت لاد کر کئی کئی دنوں تک میلوں کا سفر طے کرتے تھے اور کبھی یہ قافلے سمندری سفر کے ذریعہ اپنا سامانِ تجارت ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرتے تھے، مکہ میں بھی ہر سال کچھ میلے ہوا کرتے تھے، جن میں بڑے بڑے بازار لگا کرتے تھے اور دور دور کے تاجر اس میں دکانیں لگانے آتے تھے، ان میلوں میں سے مشہور میلے کا نام عکاظ تھا اور خود اہل مکہ بھی اپنا سامان دوسرے شہروں میں لیجا کر فروخت کرتے تھے، آپ ﷺ بھی صغر سنی میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ایک تجارتی قافلہ میں ملک شام تشریف لے گئے تھے، اسی زمانہ میں خدیجہ بنت خویلدؓ مکہ کی ایک بہت بڑی مالدار اور نہایت شریف خاتون تھیں، وہ بھی ہر سال کچھ لوگوں کو اپنا مال دے کر تجارت کے لئے شام وغیرہ بھیجا کرتی تھیں، انھوں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا کہ میں نے آپ کی سچائی، امانت داری اور نیکی کی شہرت سنی ہے، اس لئے میں آپ کو اپنا تجارتی مال دے کر بھیجنا چاہتی ہوں اور جتنا نفع دوسروں کو دیتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا دوں گی، آپ ﷺ نے اس مال کو لے جا کر تجارت کی اور خوب نفع کمایا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تجارت کا پیشہ کوئی نیا پیشہ نہیں، بل کہ زمانہ قدیم سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، لیکن آمدِ اسلام اور بعثتِ نبوی کے بعد تجارت وکاروبار کو ایک نیا رخ عطا کیا گیا اور ایسے قانون واصول مرتب کئے گئے جو صرف مذہب ِاسلام کی ہی خصوصیت ہے، اس لئے کہ اسلام نے انسانیت کے فائدہ ونفع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ضرر اور نقصان کی تمام تدبیروں پر بندش لگادی چنانچہ ارشاد باری ہے" یاایھا الذین آمنوا لا تا کلوا أموالکم

بینکم بالباطل الا أن تکون تجارۃ عن تراض منکم" اللہ تعالی نے مومنوں کو خطاب فرمایا ہے کہ تم ایک دوسرے کا مال چوری، دھوکہ دہی، جوا، سود اور دیگر حرام طریقوں سے نہ کھایا کرو، البتہ جو مال تمھیں آپسی رضامندی کے ساتھ تجارت کے ذریعہ حاصل ہو وہ تمہارے لئے حلال اور جائز ہے(النساء: ۳۰)۔

آج پوری دنیا میں کسبِ معاش کے جتنے ذرائع اور وسائل ہیں ان میں تجارت کا پیشہ بہت ہی اعلیٰ اور معیاری پیشہ ہے، اگر چہ تجارت کے علاوہ زراعت، صناعت اور ملازمت جیسے ذرائع بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں، اس کے باوجود فقہاء کی ایک جماعت نے تجارت کو سب سے افضل قرار دیا ہے، چنانچہ صاحب اعانہ فرماتے ہیں "أفضل المکاسب الزراعۃ..........ثم التجارۃ قال جمع: ھی أی التجارۃ أفضلھا" کہ کمائی کے ذرائع میں سب سے افضل کھیتی باڑی پھر تجارت ہے لیکن فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ تجارت سب سے افضل ہے(اعانۃ الطالبین: ۲/ ۵۵٤)۔تجارت ہی کا دوسرا نام خرید وفروخت ہے، اس لئے کہ ہر قسم کی تجارت میں خرید وفروخت کا معاملہ کرنا پڑتا ہے، شریعتِ اسلامیہ میں جس طرح ارکانِ اسلام سے لے کر دیگر عبادات کے متعلق امور پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی طرح خرید وفروخت، لین دین، اور تجارت سے متعلق تمام چیزوں کے اصول وضوابط کو بیان کیا گیا ہے، حدیث وفقہ کی کتابوں میں اس تعلق سے مستقل طور پر "کتاب البیع" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا گیا ہے، جس میں خرید وفروخت، تجارت اور کاروبار کے بارے میں کلی وفروعی مسائل کو بالترتیب بیان کیا گیا ہے، جس کا ماحصل یہی ہے کہ ہر وہ معاملہ جو دھوکہ اور غرر پر مبنی ہو وہ شرعاً حرام اور ناجائز ہے اور جو اس سے پاک ہو وہ حلال اور مباح ہے، اسی لئے بیع کی وہ بہت ساری اقسام جن کا اس وقت عام رواج ہے اور جو ضرر اور دھوکہ پر مبنی ہیں ان کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

ایک سچے اور اچھے تاجر کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتا، وہ دنیا کے نقصان کو آخرت کے نقصان پر ترجیح دیتا ہے، وہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو نمونہ اور اسوہ بناتا ہے، وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے پیٹ کو حرام مال کی غلاظت سے محفوظ رکھتا ہے، وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ حلال طریقہ سے آنے والا مال کم ہی کیوں نہ ہو اس میں برکت ہوتی ہے اور حرام مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ بے

برکت ہوتا ہے، وہ عبادت کو تجارت پر مقدم رکھتا ہے، اس کے دماغ میں قرآنِ کریم کی وہ آیت ہمیشہ گردش کرتی رہتی ہے جس میں عبادت کو تجارت پر مقدم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں "فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللہ" جب نماز ہو جانے کے بعد تم اپنے کاروبار اور دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو سکتے ہو (الجمعہ : ۱۰)۔ نیز ایسا تاجر آپ ﷺ کے ان فرمودات کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتا ہے جن میں آپ ﷺ نے لین دین میں مجبور اور تنگ دست لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی ترغیب اور صاحب حق کو اس کے حق سے زیادہ حق دینے کی تاکید کی ہے، کبھی آپ نے فرمایا " زن وأرجح" کہ وزن کرو اور زیادہ تولو (ترمذی:۱۳۰۵)۔ اور بذات خود آپ نے بھی اس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ان سے ایک اونٹ خریدا اور آپ نے ان کو اس کی مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت ادا کی (مسلم :۴۱۰۵)۔ اور کبھی آپ نے اس تاجر کو بشارت سنائی جو لوگوں کے ساتھ لین دین میں نرمی کا معاملہ کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا" من أنظر معسرا أو وضع له أظله الله يوم القيامة تحت ظل عرشه يوم لا ظل الا ظله" جو کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے اللہ تعالی اسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (ترمذی :۱۳۰۶)۔ اسی طرح دوسری ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا" رحم الله رجلا سمحا اذا باع واذا اشتری واذا اقتضیٰ" اللہ تعالی اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت کے وقت اور قرض کی وصولی کے وقت نرمی کا معاملہ کرتا ہے (بخاری : ۲۰۷۶)۔

مذکورہ احادیث کا تعلق عام لین دین سے ہے، لیکن تجارت ایک ایسی چیز ہے جس میں بہت سے معاملات ادھار ہوتے ہیں، خصوصا غریب و نادار لوگ ادھار ہی معاملہ کرتے ہیں، ایسے موقع پر آپ ﷺ کے یہ فرامین تجار حضرات کے لئے مشعل راہ ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج مسلمان تجارت میں دوسری قوموں سے پیچھے ہیں، عام طور پر کسب معاش کے لئے تجارت کے بجائے دوسری چیزوں کو اختیار کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر علاقوں کے بازاروں اور مارکیٹوں میں غیر مسلم حضرات کا قبضہ ہے اور وہ مکمل طور پر تجارتی معیشت کو اپنے قابو میں کئے ہوئے ہیں، ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تجارت آٹے میں

نمک کے برابر ہے، مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان تاجر اپنی تجارت کو اسلامی اصولوں اور طرز نبوی کے خلاف فروغ دینے کی ایسی کوشش کرتے ہیں کہ خود مسلم قوم بھی ان کے پاس لین دین کا معاملہ کرنے سے گریز کرتی ہے، جب کہ خوفِ خدا اور اطاعتِ خداوندی کے بغیر تجارت بے سود اور ضرر رساں ہے، جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے تاجروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا" یا معشر التجار تبعثون یوم القیامة فجارا الا من التقی الله و بر و صدق "اے تاجروں کی جماعت تم کو قیامت کے دن فاجر بنا کر اٹھایا جائے گا مگر یہ جس نے اللہ کے ڈر، سچائی اور بھلائی کے ساتھ تجارت کی(سنن ترمذی:۱۲۱۰)۔

آج جس طرح مسلم قوم کو ایسے ڈاکٹر، اساتذہ اور دیگر خدمت گذاروں کی ضرورت ہے جو مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایمانداری، صداقت، قوم کی ہمدردی اور ملت اسلامیہ کی خدمت جیسی صفات سے متصف ہوں، اسی طرح ایسے تاجروں کی بھی ضرورت ہے جو مسلمان بھی ہوں اور صادق وامین بھی ہوں جن سے لین دین میں ہر کوئی اپنے آپ کو دھوکہ سے مامون سمجھتا ہو تا کہ ہم بھی اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ تجارت میں برابر کے شریک ہوں اور ہماری تجارت ان کے سامنے مذہبِ اسلام کی ترجمانی کرے، جس کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ ہم معاملات میں ایسا طریقہ اختیار کریں کہ وہ ہمیں ایک سچا اور ایماندار تاجر سمجھیں اور ہم اس حدیث کے مصداق بن جائیں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے "التاجر الصدوق الأمین مع النبین و الصدیقین و الشهداء" کہ سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا(ترمذی : ۱۲۰۹)۔ اور نادانستہ کمی کوتاہی کی صدقہ وخیرات کے ذریعہ تلافی کرے کہ حضور ﷺ نے فرمایا" یا معشر التجار ان الشیطان و الاثم یحضران البیع فشوبوا بیعکم بالصدقة" کہ اے تاجروں کی جماعت بیع کے وقت شیطان اور گناہ کا اثر موجود رہتا ہے اس کو صدقہ سے ختم کرو(ترمذی ۱۲۰۸:)۔ نیز ہماری تجارت ہمیں عبادت سے غافل نہ کرے تا کہ ہمیں دنیاوی تجارت کے ساتھ " تجارة لن تبور "(بغیر خسارہ والی تجارت) بھی حاصل ہو جائے، اللہ فرماتے ہیں" جولوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہمارا دیا ہوا مال خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو نقصان سے پاک ہے(فاطر : ۳۵) کیونکہ یہی اصل تجارت اور زندگی کا مقصد ہے ☆☆☆

منصب امامت کی اہمیت اور قدر شناسی

دنیا کے مختلف عہدوں اور ذمہ داریوں میں سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری امامت ہے، کیونکہ دین کے سب سے اہم ستون نماز کی صحت کا مدار امام پر ہی ہے اور ملت اسلامیہ کا اکثر طبقہ ائمہ کے حوالہ رہتا ہے، اس لئے کہ مدارس و دینی اداروں سے موجودہ دور میں امت کا ایک بہت ہی محدود طبقہ استفادہ کر رہا ہے، بقیہ اپنے ہی مقام و مکان پر رہ کر شرعی و دینی اور معاشرتی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے انھیں ائمہ سے رجوع ہوتے ہیں اور اپنی آخرت کو بنانے کے لئے انھیں سے رہبری حاصل کرتے ہیں، اس اعتبار سے امام کو نہایت ہی لائق و فائق ہونا چاہئے تاکہ وہ لوگوں کے لئے نمونہ اور اسوہ بن سکے اور قابل اتباع ثابت ہو سکے، اسی لئے حدیث پاک میں آپ ﷺ نے فرمایا "اجعلوا أئمتكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم" کہ تم میں سے بہترین لوگوں کو امام بناؤ، اس لئے کہ وہی تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتے ہیں (دارقطنی: ۱۰)۔ امامت کی فضیلت و اہمیت اس بات سے بھی واضح ہے کہ عباد الرحمٰن (رحمٰن کے بندوں) کی دعا میں امامت کی دعا کا تذکرہ ملتا ہے، ارشاد باری ہے "وجعلنا للمتقين اماما" کہ ہمیں متقی اور اچھے لوگوں کا امام بنا (الفرقان: ۷۴)۔

تاریخ شاہد ہے کہ ماضی میں اکثر ہر قوم کا امام اس قوم کا سب سے بہتر اور افضل شخص ہوا کرتا تھا، امم سابقہ میں امامت کے فرائض اس قوم کے نبی انجام دیتے تھے، اسی لئے امامت انبیاء سابقین کی سنت ہے، خود نبی اکرم ﷺ زندگی کے آخری ایام تک امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین، دیگر شاہان اسلام اور اکابر سلف و خلف نے اس عظیم اور ذی وقار فریضہ کی انجام دہی

میں تن من دھن کی بازی لگائی اور یہ منصب امامت ان کے علوم رتبت، بلندی رفعت اور عزت وشرف کا باعث بنی اور اس وقت تقویٰ وپرہیزگاری، علم وعمل، عقل وفہم، علمی وفکری قابلیت وصلاحیت میں ان حضرات کے مثل کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور ان کی امامت ہر ایک کے نزدیک مسلم تھی، اس لئے امام کا متقی، پرہیزگار، زاہد وعابد، خوش الحان، علم میں کمال، عمل میں پختہ، مالداروں سے بے نیاز، قناعت شعار، صابر وشاکر، مجود اور حسن صوت جیسے صفات سے متصف ہونا چاہئے تاکہ وہ تراشا ہوا ہیرا ثابت ہوسکے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "من أم قوما فليتق الله وليعلم أنه ضامن مسئول لما ضمن فان أحسن كان له من الأجر مثل أجر من صلى خلفه من غير أن ينقص من أجورهم شيئا وما كان من نقص فهو عليه" جو شخص لوگوں کی امامت کرے اسے تقوی وپرہیزگاری جیسے اوصاف سے متصف ہونا چاہئے اور اسے اس بات کا خیال رہے کہ اس ذمہ داری کے متعلق اس سے سوال ہونے والا ہے، اگر اس نے اس کو صحیح طریقہ پر انجام دیا تو اسے اپنے اجر کے علاوہ مقتدیوں کے اجر کے برابر بھی اجر ملے گا، ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور اگر اس نے اپنی ذمہ داری میں کوتاہی برتی تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہوگا (مجمع الزوائد: ٢٣٣٥)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے صابر شخص کو ہی امامت کا اہل قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے "وجعلنا منهم أئمة يهدون بأمرنا لما صبروا" جو لوگ صبر واستقامت اور ضبط وتحمل سے کام لیتے ہیں ہم ایسے لوگوں کو ہی امام اور پیشواء بناتے ہیں (السجدة: ٢٤)۔

البتہ جو امام ان صفات سے عاری ہوگا وہ لوگوں کے نزدیک مبغوض وناپسندیدہ ہوگا اور جس امام کو دینی نقطۂ نظر سے اکثر مقتدی ناپسند کرتے ہوں، یا اس سے ناراض ہوں ایسے شخص کے لئے لوگوں کی امامت کرنا مکروہ ہے، امام شیرازیؒ فرماتے ہیں "يكره أن يصلي الرجل لقوم وأكثرهم له كارهون" کہ جس امام کو اکثر لوگ ناپسند کرتے ہوں اس کے لئے امامت مکروہ ہے (المهذب مع المجموع: ٤/٢٣٩)۔ اور حدیث پاک میں ایسے امام کے لئے وعید سنائی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "ثلاثة لا تقبل لهم صلاة ......الرجل يؤم القوم وهم له كارهون" کہ تین لوگ ایسے ہیں

کہ ان کی نماز مکمل طور پر عنداللہ مقبول نہیں ہوتی، ان میں سے ایک وہ امام جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں(ابن ماجہ :۹۷۰) ۔اور پسندیدہ امام کے لئے خوشخبری سنائی گئی کہ جس امام سے(اس کے حسن اخلاق ،تقوی ،خوف خدا ، ورع وزہد کی وجہ سے) لوگ خوش ہوں، ایسا امام قیامت کے دن مشک کے تودے پر ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:" لا یھولھم الفزع الأکبر و لاینالھم الحساب ھم علیٰ کثیب من مسك حتیٰ یفرغ من حساب الخلائق، رجل قرأ القرآن ابتغاء وجه الله وأم به قوما وھم راضون به " کہ تین شخص ایسے ہیں کہ جن کو قیامت کی سخت گھبراہٹ کا نہ خوف ہوگا، نہ ان کو حساب کتاب دینا پڑے گا جب تک مخلوق اپنے حساب کتاب سے فارغ ہو وہ مشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے، ان میں ایک وہ جس نے اللہ کی رضاء کے لئے قرآن پڑھا اوراس طرح امامت کی کہ مقتدی اس سے راضی رہے(طبرانی : ۱۱۱۶)۔مذکورہ حدیث میں اچھے امام کے لئے خوشخبری دی گئی ہے، اس خوشخبری کے حصول کی خاطر اس ذمہ داری کو خلوص وللٰہیت ،عزم وحوصلہ، ہمت واستقلال، جوانمردی وپامردی اور بلند نفسی وکشادہ دلی کے ساتھ نبھانے کی از حد ضرورت ہے۔

لیکن آج عام طور پر چند ائمہ کے علاوہ اکثر ائمہ کے ذہنوں میں امامت کا صرف یہی تصور ہے کہ وہ یومیہ پانچ اوقات کی نماز پڑھائیں اور ہفتہ میں نماز جمعہ اور سال میں دو بار نماز عید کا خطبہ وبیان کی ذمہ داری کو نبھائیں، نیز شبینہ مکتب میں آنے والے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں، یا ٹیوشن کے ذریعہ کچھ اور ٹائم کرلیں، اسی طرح شب قدر، شب برأت ، یوم عاشوراء، جیسے اہم موقعوں پر عوام الناس کا قدرے ساتھ دیں اور نکاح پڑھانے کے لئے دستیاب رہیں، نیز دکان ومکان کی اوپننگ میں شرکت کرکے دعا برکت کریں، اگر اس حد تک بھی اس تصور کو فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ مکمل کیا جائے تو قدرے غنیمت ہے، کیونکہ بہت سے ائمہ اس میں بھی کوتاہی سے کام لیتے نظر آتے ہیں، جو امامت جیسی اہم چیز کے سراسر منافی ہے، جبکہ اتنا تصور بہت ہی ادنیٰ تصور ہے، اس لئے کہ امام صرف مسجد کی مختصر اور قلیل زندگی کے علاوہ باہر کی پوری زندگی کے لئے بھی رہبر وپیشواء کی حیثیت رکھتا ہے، امام قوم وملت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے، اپنے مقتدیوں کے اندر ذہنی وفکری بیداری لاسکتا

ہے، درس حدیث وتفسیر کے ذریعہ لوگوں کوقرآن وحدیث کے معانی ومطالب سے واقف کراسکتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے دوام کو قلب ودماغ میں راسخ کراسکتا ہے،آپسی وباہمی جھگڑوں واختلافات کواسلامی قانون واصول کے مطابق صلح کرکے ختم کرسکتا ہے، جمعہ کے دن کومیڈیا کے طور پراستعمال کرکے مسلمانوں کے ایمان ویقین کومستحکم کرسکتا ہے اوران کے قلوب میں مذہب اسلام کے بارے میں جوشکوک وشبہات پنپ رہے ہیں انھیں مذہب اسلام کی حقانیت کے چراغ سے دورکرسکتا ہے،نوجوانوں میں ایک نئی روح پھونک کرانھیں اسلام کے نام پرمرمٹنے کے لئے تیارکرسکتا ہے، چھوٹے اورمعصوم بچوں کے قلب ودماغ کی اسلامی روشنی کے ذریعہ ملمع سازی کرکے انھیں اللہ اور اس کے رسول کا سچا عاشق بنا سکتا ہے، الغرض امام اسلامی طرز پرایک صالح معاشرے کووجود میں لاسکتا ہے اور ایک زبردست انقلاب پیدا کرسکتا ہے،جس کے لئے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی، خلفاء راشدین کی امامت قابل تقلید ہے کہ ان حضرات نے منصب امامت پر رہتے ہوئے ایسا انقلاب برپا کیا جو بے مثال ہے اوراپنے مقتدیوں کی ایسی تربیت کی کہ ان مقتدیوں کو قیامت تک آنے والی انسانیت میں سب سے افضل وبہتر قرار دیا گیا، اسلئے ائمہ کرام اپنی قدر پہچانیں اور سچ ہے کہ آدمی جب اپنا قدرشناس بنتا ہے تو معاشرہ بھی اس کی قدم بوسی کے لئے آگے بڑھتا ہے اوراس کی قدر کرتا ہے۔

مذکورہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امامت کس قدر اہم ذمہ داری ہے اورامامت کا اصل مقصد کتنا عظیم ہے، لیکن عام طور پر جب کسی گاؤں وقریہ میں امام کے تقرر کا موقع آتا ہے تو اسکو پرکھنے والے اوراس کی لیاقت واستعداد کا اندازہ لگانے والے عربی زبان سے ناواقف،قرآن کریم کی تلاوت کے قواعد واصول سے نابلد اور مسائل شرعیہ سے ناآشنا اور دینی بصیرت سے ناانجان حضرات ہوتے ہیں، جوایک افسوس ناک پہلو ہے، اس لئے امامت کے لئے کسی شخص کے قابل یا ناقابل ہونے کا فیصلہ میدان امامت کے کسی ذی علم، ذی شعور، باصلاحیت وذی استعداد، شہسوار کے حوالہ کرنا چاہئے، تاکہ وہ اپنی دینی بصیرت ودوراندیشی کا استعمال کرتے ہوئے اس بات کا جائزہ لے سکے کہ مستقبل میں جس شخص کی اقتداء میں لوگ اپنی نمازوں کوادا کرنے والے ہیں کیا وہ واقعتاً حدیث پاک " الامـــــام

ضامن" کہ امام اپنے مقتدیوں کا ضامن وذمہ دار ہوتا ہے(سنن ترمذی: ۱۹۱)۔مصداق ہے یا نہیں؟ کیا اسے مسائل شرعیہ میں ادراک واستغراق ہے یا نہیں؟ کیا اس کی قرأت تجوید کے اصول وقواعد کی رعایت کے ساتھ ہے یا نہیں؟ کیا وہ امت کی رہبری وقیادت کے قابل ہے یا نہیں؟ کیا اس کے اندر امت کی کشتی کو ساحل تک پہچانے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو بہت کم ہوتا ہے، اس لئے کہ امام کا انتخاب اکثر اس کی آواز پر ہی ہوتا ہے، گرچہ وہ قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو، جبکہ نماز میں قرآن کی صحت بنیادی چیز ہے اور واجب ہے اور اچھی آواز سے پڑھنا مستحب ہے اور ہرگز اس کی فکر نہیں کی جاتی کہ امام کو مسائل کی کچھ سمجھ بوجھ ہے بھی یا نہیں اور اس کی فکر بھی کی جائے تو انٹرویو میں کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ کرنے والے صدر وسیکریٹری حضرات اس کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ عموماً یہ حضرات مسائل سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو امامت کا حقدار ہے وہ ناحقدار اور جو مستحق ہے وہ غیر مستحق ثابت ہوتا ہے اور اس پر ظلم یہ کہ منتظمین اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم نے صحیح فیصلہ کیا ہے، لہذا کسی بھی مسجد کا ٹرسٹ، کمیٹی اور جماعت اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے اپنے علاقہ کے کسی جامعہ، دارالعلوم یا کسی معتبر عالم کے حوالے کرے، اور دیگر امور یعنی تنخواہ، رہائش وغیرہ کے متعلق بہترین سے بہترین انتظام کرے، تا کہ امت کو اچھے اور قابل ائمہ بھی مل سکیں اور گاؤں کی کمیٹیاں وجماعتیں غلط فہمیوں کی شکار نہ بنیں۔ ☆☆☆

باطنی امراض سے حفاظت پر کامیابی کا وعدہ

جس جگہ چند لوگ بس جاتے ہیں تو وہ جگہ آباد ہو جاتی ہے، وہاں کی تاریکی روشنی میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس جگہ درندوں اور حیوانوں کے بجائے انسانوں کی ریل پیل شروع ہو جاتی ہے، وہاں کی ویرانی اور سناٹا معدوم ہو جاتا ہے، اس جگہ کے مکینوں کو لہلہاتے پودے اور خوشبودار پھول خوش آمدید کہتے ہیں، پھر یہ چند انسانوں کی آبادی آہستہ آہستہ گاؤں وقریہ اور کبھی شہر کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جسے سماج اور معاشرے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے،فطرت انسانی اپنے معاشرے میں پاکی صفائی کا تقاضہ کرتی ہے،اس لئے جو معاشرہ اور سماج ظاہری گندگی،کوڑا کرکٹ اور کچرے سے جتنا پاک وصاف ہوتا ہے، اتنا ہی وہ لوگوں کے نزدیک محبوب ہوتا ہے اور خود اللہ بھی ایسے معاشرہ کو پسند کرتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا " ان اللہ طیب لا یقبل اللہ الا طیبا" کہ اللہ کی ذات پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے (مسلم : ۲۳۷۶)۔یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں پاکی صفائی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور طہارت کے احکامات کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے،اس کے باوجود ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ اکثر گاؤں وقریہ غلاظت اور گندگی سے بھرے پڑے ہیں،خصوصا بڑے بڑے شہروں میں آبادی کی کثرت اور قربت کی وجہ سے گندگی کی شرح کچھ زیادہ ہی ہے،مزید برآں حکومت کی طرف سے صفائی ستھرائی میں تساہل برتنے کی بناء پر اس میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے اور یہ اضافہ مختلف امراض اور وباؤں کا سبب بن جاتا ہے، جو امراض کبھی لاعلاج بن کر مہلک اور جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔

مذہب اسلام نے ظاہری صفائی سے کئی گنا زیادہ باطنی واخلاقی پاکیزگی کی ترغیب وتاکید کی ہے، کیونکہ یہی اصل صفائی ہے، اس لئے کہ جب دل ودماغ باطنی گندگیوں سے بھرا پڑا ہو اور زبان

ترجمان کا کام انجام دے رہی ہوتو ظاہری پاکیزگی بے سود ہے، انسان کا اخلاقی پہلو اگر گرا ہوا ہوتو ظاہری چمک دمک اس کو بلندی نصیب نہیں کرسکتی، اگر علم کے ساتھ وہ باطنی امراض کا شکار ہے تو یہ علم اس کے لئے عزت کے بجائے ذلت کا سبب بنے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے باطنی طہارت کا حکم اور اس پر کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے، جبکہ اس کے برعکس صورت میں ناکامی کا وعدہ کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں'' ونفس وما سوٰھا فألھما فجورھا وتقوٰھا قد أفلح من زكٰھاوقد خاب من دسٰھا '' نفس انسانی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے درست بنایا پھر اس کی بدی اور پرہیزگاری اس پر الہام کردی، یقیناً فلاح اور کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے قلب کو گندگی سے بچایا اور نامراد ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو باطنی امراض سے آلودہ کیا (الشمس :۷-۸) ۔لیکن شاید کہ کوئی ایسا شخص ہو جو باطنی امراض میں سے کسی مرض میں مبتلا نہ ہو، عوام تو عوام خواص بھی اس سے اپنا دامن بچا نہیں پاتے، یہ امراض انسانی قلب ودماغ میں داخل ہوکر اسے مفلوج اور کھوکھلا کردیتے ہیں، اس لئے ان امراض کی تشخیص اور ان سے حفاظت وعلاج انتہائی ضروری ہے، انھیں امراض میں سے چند کے متعلق درج ذیل سطور میں گفتگو کی گئی ہے۔

غیبت:

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کو غیبت کا مطلب سمجھانے کے لئے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں تو صحابہ ؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا'' ذكرك أخاك بما يكره '' (مسلم :٦٥٩٣) ۔اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے، چاہے وہ ذکر عیب بدنی وعقلی کے متعلق ہو، یا عیب دینی ودنیوی کے بارے میں ہو، غرض کسی بھی قسم کا ہو سب حرام ہے، نیز غیبت کرنے کی حرمت کے ساتھ ساتھ غیبت سننا بھی حرام ہے، غیبت کی قباحت ومذمت اور حرمت پر قرآن وحدیث کے بے شمار نصوص دلالت کرتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میرا معراج کا سفر ہوا تو میرا گذر کچھ ایسے لوگوں کے پاس ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے

اپنے سینوں اور چہروں کو نوچ رہے تھے تو میں نے پوچھا اے جبرئیلؑ یہ کون لوگ ہیں تو انھوں نے جواب دیا:" هؤلاء الذين يا كلون لحوم الناس ويقعون فى أعراضهم " یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے یعنی غیبت کرتے تھے اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے(ابو داؤد :٤٨٧٨)۔

چغل خوری:

فساد اور اختلاف کو فروغ دینے کے لئے ایک کی بات دوسروں تک پہچانے کو چغل خوری کہتے ہیں، حدیث پاک میں چغل خوری کو دخول جنت سے مانع قرار دیا گیا ہے، چغل خوری اختلاف و انتشار کا بنیادی سبب ہے، چغل خور کا دل ہمیشہ خائف رہتا ہے، اسے چین وسکون نصیب نہیں ہوتا، عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب چغل خوری بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا گذر دو قبروں پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے، جن میں سے ایک شخص چغل خوری کا مرتکب تھا (بخاری:٦٠٥٢)۔

جھوٹ:

کسی بات کو حقیقت اور واقعہ کے خلاف نقل کرنے، نہ دیکھی ہوئی چیز کو دیکھی ہوئی، نہ سنی ہوئی چیز کو سنی ہوئی اور غیر معلوم کو معلوم قرار دینے، یا اس کے برعکس صورتوں کو جھوٹ کہتے ہیں، جھوٹ گناہوں کا منبع اور سرچشمہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا"وان الكذب يهدى الى الفجور وان الفجور يهدى الى النار وان الرجل ليكذب حتى 'يكتب عندالله كذابا" بلاشبہ جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھا جاتا ہے(مسلم : ٦٦٣٧) ۔جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں اور فرشتوں کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اور عرش سے لیکر فرش تک قابل نفرت بن جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کا خواب سچا اور وحی کے مانند ہوتا ہے، آپ ﷺ نے ایک خواب بیان کیا کہ میرا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو گدی کے بل لیٹا ہوا تھا اور اس کے پاس ہی ایک دوسرا شخص لوہے کے زنبور سے اس

کے چہرے، نتھنے اور آنکھ کو گدی تک چیر دیتا تھا، میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو جبرئیلؑ نے مجھے بتلایا کہ یہ وہ شخص ہے جو صبح اپنے گھر سے نکلتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے پھر اس کا جھوٹ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل جاتا ہے(بخاری:۷۰٤۷)۔

حسد وجلن:

کسی صاحب نعمت سے اس کی نعمت کے زوال کی آرزو کرنے کو حسد کہتے ہیں، چاہے وہ نعمت دینی ہو یا دنیوی، خواہ اس نعمت کی خود کو چاہت ہو یا نہ ہو، یہ بھی ایک حرام فعل ہے، حسد یہودیوں کی عادت ہے، حسد سے انسان نفع اور فائدہ کے بجائے اپنا نقصان کرتا ہے، حسد سے انسان کے اندر ناشکری پیدا ہوتی ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: "لاتحاسدوا" کہ تم حسد مت کرو(مسلم :٦٥٢٦)۔ایک مسلمان آخرت کی نجات کے لئے مسلسل اعمال صالحہ کر کے اپنے نامہ اعمال میں نیکیاں جمع کرتا ہے، اور قیامت کے دن ایک نیکی بھی انسان کے فیصلہ میں نمایاں کردار ادا کرے گی، لیکن جس کو حسد کی آگ نے جلانا شروع کیا وہ آگ اس کی نیکیوں کی کھیتی کو بھی خاک میں ملا دیتی ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے حسد سے بچنے کا ان الفاظ میں حکم دیا:" ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تأکل النار الحطب" کہ حسد سے بچو، اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے، جیسے آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے (ابو داؤد: ٤٩٠٣)۔اس لئے کہ حاسد اپنے محسود کے بارے میں وہ سارے غیر اخلاقی اور غیر شریفانہ کاموں کو انجام دیتا ہے، جن کی بناء پر حاسد کی نیکیاں محسود کو دے دی جاتی ہیں۔

بدگمانی:

بدگمانی دراصل ایک طرح سے جھوٹ ہی ہے، اس لئے کہ جب کوئی آدمی کسی کے بارے میں بدگمانی قائم کر لیتا ہے، کہ فلاں شخص ایسا ایسا ہے، جب کہ وہ حقیقت میں ویسا نہیں ہوتا تو وہ جھوٹ بن جاتا ہے، بدگمانی دلوں میں نفرت وعداوت پیدا کرتی ہے، آپسی محبت واخوت کو ختم کرتی ہے اور بدگمانی ہی کی وجہ سے قتل جیسے واقعات وجود میں آتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرماتے ہوئے

ارشاد فرمایا: اے ایمان والوں بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں(الحجرات: ١٢)۔ بدگمانی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:" ایاکم و الظن فان الظن أكذب الحديث" کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے(بخاری: ٦٧٢٤) ۔اور جھوٹے شخص کا حال ماقبل میں گزر گیا۔

مذکورہ امراض کے علاوہ اور بھی کئی باطنی امراض میں ہر انسان مبتلا ہے، مثلاً قطع تعلق، بغض و کینہ، لعن طعن، سب و شتم، کبر و غرور اور دوسروں کی حقارت، جاسوسی اور دوسروں کے عیوب کی تلاش اور اس پر ظلم یہ کہ انسان کو ان کے عموم کی وجہ سے ان کے گناہ ہونے کا احساس تک نہ رہا، جس کی وجہ سے اس پر مرتب ہونے والے عذاب اور سزا کا خیال دل سے نکل گیا، یہی وجہ ہے کہ آدمی نماز چھوڑنے، شراب پینے اور زنا کرنے کو تو معیوب سمجھتا ہے، لیکن ان گناہوں کو نہ برا سمجھتا ہے اور نہ ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ مذکورہ تمام چیزوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد میں کوتاہی کی معافی کے لئے بندوں کا معاف کرنا شرط ہے، لہذا ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قلب و دماغ کو ان تمام چیزوں سے پاک وصاف رکھے، تا کہ قیامت کے دن شرمندگی اور ندامت ہمارا مقدر نہ بن جائے۔☆☆☆

خدارا حرمین شریفین کو تفریح گاہ نہ بنائیں

مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ یہ دوشہر ایسے ہیں جن سے مسلمانوں کے دلی جذبات وابستہ ہیں، ان دوشہروں سے جو عقیدت و محبت مسلمانوں میں پائی جاتی ہے وہ قابل دید ہے، اس لئے کہ مکہ میں اللہ کا سب سے پہلا گھر کعبۃ اللہ توحید کے پیغام کو عام کررہا ہے تو مدینہ میں آقائے نامدار محمد ﷺ اور خلفائے راشدین اور صحابہؓ مدفون ہیں، جہاں سے سنت وشریعت کا درس پوری دنیا میں پھیل رہا ہے، ان دونوں جگہوں کی حاضری بھی باعث فضیلت اور موت بھی باعث سعادت، اللہ تعالی نے ان دو شہروں کو مقدس بنایا اور ان کی تقدیس کی بناء پر ان کو حرم قرار دیا جہاں اللہ کے منکروں اور بت کے پجاریوں کے داخلہ کو ممنوع اور حرام قرار دیا، حرمین کی زیارت کا شوق کس مسلمان کے دل میں نہیں، ہر ایک وہاں پہنچنے کی تمنا اور آرزو کرتا ہے، کعبۃ اللہ اور روضۂ اقدس پر حاضری کی دعا کون نہیں کرتا، وہاں سے لوٹنے والوں کو کون محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، وہاں جانے والوں میں کون اپنے آپ کو خوش قسمت نہیں سمجھتا، حج وعمرہ کو جانے والوں سے کون دعا کی درخواست نہیں کرتا اور ایک مرتبہ جا کر آنے کے بعد کسے دوبارہ جانے کی شدید خواہش نہیں ہوتی، اس طرح کے جذبات اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کے قلوب میں موجزن ہوتے رہتے ہیں، اس لئے کہ عمل صالح کی توفیق بھی مشیت الٰہی پر موقوف ہوتی ہے۔

عام طور پر ان جگہوں پر ایک مسلمان بہت قلیل مدت کے لئے جاتا ہے، چاہے وہ حج کے لئے سفر کرے یا عمرہ کے لئے اور اس مختصر وقت کو عمرہ وطواف کی کثرت، تلاوت قرآن وذکر الٰہی کے ذریعہ کارآمد بنانے والا کامیاب اور اپنے مقصد تک رسائی کرنے والا انسان بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ

شریعت میں وہاں پر اوقات گذاری کے آداب اور طریقے بڑی تفصیل سے موجود ہیں، یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کو اپنی ہر ہر ادا اور عمل کو محفوظ کرنے کا حکم دیا تھا، انسانی ضرورتیں اپنے مقام کی طرح وہاں پر بھی انسان کے ساتھ لگی رہتی ہیں، ان ضرورتوں کی تکمیل اور ان کے لئے وقت کو صرف کرنا انسانی زندگی کی ہم ضرورت ہے، لیکن اس کے علاوہ وقت کو قیمتی بنانا اس سفر کا اہم مقصد ہے۔

ماضی میں حج وعمرہ کی ادائیگی سفری دشواریوں کی بناء پر بے انتہاء پر مشقت تھا اس لئے بہت کم لوگ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اس زمانہ میں سفر کی سہولت، مال کی فراوانی نے زائرین حرم کی مقدار کو اس حد تک بڑھا دیا ہے کہ خادم حرمین مطاف اور مسجد حرام کی توسیع پر مجبور ہو گئے ہیں، مسلمانوں کے لئے یہ خوش آئند بات ہے کہ دن بدن اللہ تعالی کی توفیق سے بکثرت لوگ اس مبارک سفر کی طرف رخ کر رہے ہیں، راقم آثم کو بھی چند روز قبل اللہ کے فضل ہی سے بغرض عمرہ اس سفر کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اس دوران زائرین کی کثرت بھی دیکھنے کے قابل تھی لیکن بکثرت ایسے زائرین بھی نظر آرہے تھے جن کو دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا کہ یہ لوگ اس مبارک جگہ پر پکنک اور تفریح کے لئے آئے ہوئے ہیں، بازار اور مارکیٹ پر تو ہر وقت ان کا ہجوم تھا ہی کہ اس کی وجہ سے سنتیں بھی فوت ہو رہی تھیں اور جماعت بھی چھوٹ رہی تھی، نماز کے بعد سنت کی ادائیگی سے قبل باہر نکلنے کی تیزی بھی قابل تعجب تھی، اس سے بڑھ کر حرم مکہ میں کعبۃ اللہ کے سامنے اور حرم مدینہ میں مسجد نبوی میں تصویر کشی کا جو منظر بارہا دیکھنے کو مل رہا تھا وہ قابل افسوس تھا، بعض اللہ کے بندوں کو ہم نے انھیں منع کرتے بھی دیکھا، لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ وہ زیارت اور عمرہ کے لئے نہیں بل کہ تاج محل اور لال قلعہ کی طرح سیر کے لئے آئے ہوں اور واپسی میں اس تفریح کی یادگار تصویروں کو اپنے دوستوں کو دکھانے کا انتظام کر رہے ہوں، نیز احرام کی حالت میں عورتوں کے لئے چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے، لیکن عورتیں اس سے آگے بڑھ کر احرام کی حالت کے علاوہ میں بے پردگی اور بے حیائی کا جو مظاہرہ کر رہی تھیں وہ انتہائی تشویشناک تھا۔

یہ صورت حال صرف ان زائرین کے لئے ہی نہیں بل کہ پورے مسلمانوں کے لئے تشویشناک ہے، کیوں کہ دنیا کی سب سے پاکیزہ جگہ، اللہ کا سب سے مقدس گھر، جہاں باران رحمت مسلسل برس رہی ہو، جہاں بڑے سے بڑا اعاصی اور گنہ گار اپنے گناہوں سے پاک وصاف ہوکر واپس ہوتا ہے، ایسی جگہ پر گناہ دھلنے کے بجائے نامہ اعمال پر گناہ چڑھتے جا رہے ہوں، جو بننے کی جگہ نہ بن پائے، جو بے پردہ باپردہ نہ بن سکے، اللہ کی رضاء کے بجائے اللہ کے غضب اور ناراضگی کو اپنے دامن میں واپس لے آئے تو اس کو بدقسمتی ہی کہا جاسکتا ہے اور جو وہاں نہ بن پایا تو شاید ہی کسی اور جگہ بن پائے، تصویر کشی اور بے پردگی کی حرمت تو ہر جگہ ہے، اگر کوئی اپنی دیوانگی کی بناء پر اس کی حرمت کو نہ بھی مانے تو اس شوق کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں بہت سی تفریح گاہیں موجود ہیں، اگر شاپنگ اور خریداری کا بھی بہت زیادہ اشتیاق ہے تو دنیا میں بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز قائم ہیں وہاں جا کر اس کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔

ہم اس عینی مشاہدہ کے بعد حرمین جانے والے زائرین کی خدمت میں یہ پیغام پہنچانا چاہتے ہیں کہ خدارا حرمین کو تفریح گاہ نہ بنائیں، اس کی حرمت وتقدیس کا خیال رکھیں، اپنے مقام سے ہی وہاں کے اداب شاہی کو سیکھ کر جائیں، عاجز اور متواضع بن کر جائیں، طواف اور عمرہ کی کثرت کریں، گناہ سے پاک وصاف ہوکر واپس لوٹیں، اپنا وقت حرم میں ہی گذاریں، اپنے لئے بھی دعائیں کریں اور پوری امت مسلمہ کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی دعاء کرنا نہ بھولیں، اس سفر سے مکہ سے توحید کی چاشنی اور زمزم اور مدینہ سے سنت کی محبت اور کھجوریں لے آئیں، اگر آپ نے ان باتوں کا خیال نہ رکھا تو آپ کا پیسہ بھی برباد ہوگا اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے گا، خالی دامن گئے تھے خالی ہی واپس لوٹیں گے، یہ دل کے احساسات ہیں جو حرم میں بہت سے زائرین کی بدحالی کو دیکھ کر اس عاجز کے دل میں پیدا ہوئے تھے جنھیں سپرد قرطاس کرنے کی باری تعالی نے توفیق دی ہے، اللہ تعالی ان احساسات سے پڑھنے والوں کو بھی نفع پہنچائے، یہ دعا ہے فقیر کی گر قبول ہوجائے۔☆☆☆

سا تواں باب

اسلامیات

☆......اللہ کی خصوصی رحمت غریبوں کا درد رکھنے والوں پر

☆...... ماہ رمضان اور تہجد کی نماز

☆......عشرۂ ذی الحجہ مغفرت کا عشرہ

☆......اعتکاف مساجد کا بنیادی حق

☆......قربانی مسلمانوں کے عروج و بقاء کی ضامن

☆......آمد رمضان پژمردہ قلوب کے لئے حیات نو

☆......قربانی اللہ کی نصرت کی ضامن

☆......شوال کے روزے اور عید کے بعد ہمارا حال

☆...... ماہ رمضان اور کاسۂ گدائی

☆......آمد رمضان پر باران رحمت

اللہ کی خصوصی رحمت....غریبوں کا درد رکھنے والوں پر

غریب انسان پر بھی مالدار کی طرح لیل ونہار کی گردش جاری رہتی ہے،اس پر بھی امیر شخص کی طرح سورج معمول کے مطابق اپنی دائمی جگہ مشرق سے طلوع ہوکر دنیا کو منور کرتے کرتے تھک ہار کر آسمان کے کنارہ کوشفق کی سرخی دے کر مغربی حجرے میں روپوش ہوجاتا ہے،لیکن اس کی غربت کے دلی احساسات،خیالات اورتصورات امیرانہ تصوارات وخیالات سے بالکل الگ اورمختلف ہوتے ہیں،کبھی اس کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑنے کو بے قرار ہوجاتا ہے، وہ افلاس وتنگدستی کے زخموں کے بوجھ کواپنے کمزوراورناتواں کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے،کبھی وہ اپنے حالات سے اتنا مایوس ہوجاتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین کرنے کوتیارنہیں ہوتا کہ ہرتاریک رات کی ایک روشن صبح بھی ہوتی ہے،وہ'' عسر کے بعد یسر'' کے قرآنی اصول کا قائل ہی نہیں ہوتا اوراندھیری رات میں جگنو کے چمکنے کا منکر ہوجاتا ہے،اسے اس بات کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ غربت کے سیاہ بادل اللہ کی طرف سے میری آزمائش کے لئے ہیں یا بطورسزا کے، پھریہی غربت اپنوں کے فاصلوں کو بڑھا دیتی ہے،غربت میں قریب کا رشتہ دار بھی دور کا چراغ معلوم ہوتا ہے، بھوک وپیاس کی تکلیف کا احساس غریب ہی جانتا ہے،لیکن غریب آدمی کے دل میں روشن صبح کی کرنوں اورسفینۂ غربت کے ساحلِ سمندرلنگرانداز ہونے کی امید اس وقت پیدا ہوجاتی ہے جب مالدارحضرات کی کمائی کا ایک حصہ صدقات وزکوۃ کی شکل میں ناامیدی کے آسمان پرامید کا بادل اورمایوسی کے سمندرمیں آس بن کرنمودار ہوتا ہے، جسے دیکھ کرغریبوں کے چہروں پرخوشی چھاجاتی ہے،ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوجاتی ہے،ان کے دلوں میں زندہ رہنے کی تمنا بیدار ہوجاتی ہے،تنگدستی خوشحالی سے،فکرمندی بےفکری سے بدل جاتی ہے، دھڑکتے دلوں کوسکون اور بے

قراروں کو قرار آجاتا ہے۔

جب غریبوں اور مسکینوں کے قلوب خوش ہوتے ہیں تو ارض پر ان کے دل خرچ کرنے والوں کے حق میں دعا میں مشغول ہوجاتے ہیں تو فلک پر اللہ تعالی کی خصوصی رحمت ان مالداروں کو ڈھانپ لیتی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے " ورحمتی وسعت کل شیء فسأکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوۃ " (**اعراف: ١٥٦**)۔ اللہ کی رحمتِ عامہ میں تو دنیا کی ہر چیز داخل ہے، اس سے مومن وکافر دونوں کو حصہ مل رہا ہے، جس کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے، اس رحمتِ عامہ کے علاوہ خدا تعالی کی ایک رحمتِ خاصہ بھی ہے، جس کا خاص لوگوں پر نزول ہوتا ہے، اس رحمتِ خاصہ کے حصول کے لئے تقوی کے ساتھ ساتھ زکوۃ کی ادائیگی بھی شرط ہے (**معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی: ٣/ ٢٢٢**)۔ یعنی جب زکوۃ کی ادائیگی سے قلوب پاک وصاف ہوجائیں گے تو ان کے قلوب اللہ کی رحمت کو بھی قبول کریں گے اور یہ لوگ اللہ کی خاص رحمت کے مستحق کیوں نہ ہوں جب کہ زکوۃ اور صدقات کی ادائیگی ان کے مومن ہونے کی علامت ہے، اسی لئے قرآن نے زکوۃ ادا کرنے والوں کو مومنوں کا دینی بھائی قرار دیا، چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا "فإن تابوا وأقاموا الصلوۃ واٰتؤ الزکوۃ فإخوانکم فی الدین " (**توبہ: ١١**)۔ کہ اگر وہ اسلام لانے کے بعد نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اسلامی سوسائٹی میں ان کو برابر کے حقوق حاصل ہوجائیں گے، معاشرتی، تمدنی اور قانونی حیثیت سے وہ تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے، کوئی فرق وامتیاز ان کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوگا، اگر اسلام لانے کے باوجود ان کے دل کسی غریب ونادار بھائی کے لئے نہ تڑپتے ہوں، اس کی مدد کی خواہش ان کے دل میں پیدا نہ ہوتی ہو تو یہ تمہارے بھائی کیسے ہوسکتے ہیں؟ اسی لئے ایسے لوگوں کو قیامت کے دن جہنم میں داخل کرنے کے بعد سوال کیا جائے گا "ماسلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین " (**مدثر: ٤٢، ٤٣، ٤٤**)۔ کہ تم کو جہنم میں کیوں ڈالا گیا تو وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور ہمارے دل بھوکوں کی بھوک اور پیاسوں کی پیاس کو محسوس نہیں کرتے تھے، جس کی بناء پر ہم مسکینوں

کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

مذکورہ آیت سے پتہ چلا کہ مساکین اور غرباء کی خبر گیری نہ کرنا اہلِ جہنم کی صفت ہے اور اس کے برعکس اہلِ جنت کی خصلت ہے، نیز ان کی طرف دستِ تعاون دراز کرنے سے مال میں برکت پیدا ہوتی ہے، نہ کہ کمی، لیکن اگر ان کا تعاون نہ کیا جائے تو تنگدستی کی آگ مال کو خاکستر بنا دیتی ہے، فقیری کا سیلاب عیش و آرام کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، جس پر مالدار شخص افسوس کرتا ہے اور اپنی ذلت تصور کرتا ہے اور لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بن جاتا ہے، ارشاد باری ہے " وأما إذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه فيقول ربي أهانن ، كلا بلا تكرمون اليتيم ولا تحضون على طعام المسكين ....وتحبون المال حبا جما" (**الفجر :١٦، ١٧، ١٨، ٢٠**) ۔ کہ اللہ تعالی جب کسی مالدار کو آزماتا ہے اور اس کی روزی کو تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی اور ذلیل کیا، لیکن ایسا ہرگز نہیں بل کہ بات یہ ہے کہ تم ہی لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو اور حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مال خرچ کرنے والے شخص کے حق میں فرشتہ دعا کرتا ہے اور ایک فرشتہ مال خرچ نہ کرنے والے کے مال کی بربادی کی بددعا کرتا ہے (**مسلم : ١٠١٠**) ۔

آج بھی امت کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنے مال میں محتاجوں اور ناداروں کا حق سمجھتا ہے، اسی کی برکت سے غربت کا دائرہ وسعت اختیار کرنے کے بجائے محدود ہوتا جا رہا ہے، یقیناً ایسے لوگ اور ان لوگوں کا تعاون کرنے والے دنیا و آخرت کے اعتبار سے قابل تعریف ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ امت کے مالدار حضرات اپنی ضرورتوں سے زائد مال کو دنیوی بینکوں میں جمع کرنے کے بجائے اخروی بینک میں جمع کرائیں، جس میں کسی قسم کے خطرہ کا امکان نہیں ہے، تا کہ غربت دم توڑ دے، لوگ خودکشی جیسے حرام کام سے باز آجائیں، ناپاک اور مردار چیزوں کو کھانا ترک کر دیں، سود اور چوری جیسے گناہ سے بچنا آسان ہو جائے، بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی عزت و عصمت کی حفاظت ہو سکے، ان معصوم بچوں کو جن کی عمر ابھی کھیلنے کودنے کی ہے بھیک مانگنے سے نجات حاصل ہو جائے اور سسکتے ہوئے لوگوں کو نئی زندگی مل جائے، اسی لئے مال کے خرچ کرنے سے ہزاروں فائدے وجود میں آتے ہیں اور

کئی مضرات ختم ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ کی رضاء اور خوشنودی مقصود ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ فرماتے ہیں ''تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے، تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی مال خرچ کرنا چاہئے(البقرہ : ۲۷۲) ۔اور اپنا مال خرچ کرنے کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے بل کہ خیر کے کاموں میں رغبت رکھنے والے کے لئے ہر دن جتنا ممکن ہو سکے اتنا مال خرچ کرنا سنت ہے، البتہ افضل دنوں (جمعہ، شب معراج، شب برات، عیدین، رمضان وغیرہ) میں خرچ کرنا زیادہ محبوب ہے، لہذا اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی رضاء کی خاطر غرباء ومساکین پر خرچ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے تا کہ دنیا وآخرت کی بھلائی ہمارے قدم چومے اور اللہ سے نیک انجام مقدر کرے۔☆☆☆

ماہِ رمضان اور تہجد کی نماز

نیکیوں کا موسمِ بہار ماہ صیام ہم عاصی اور خطا کار بندوں کے لئے رحمت اور دوزخ کی آگ سے خلاصی کا سامان لئے ہر سال جلوہ گر ہوتا ہے، یہ مہینہ تمام مہینوں کا سردار ہے، جس میں انسانیت کی رشد وہدایت کے لئے قرآن کریم نازل کیا گیا اور ایک ایسی شب رکھی گئی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس ماہ کے روزے امتِ مسلمہ پر فرض کر کے بھوکوں اور پیاسوں کی تکلیف و درد کا احساس پیدا کیا گیا، اس ماہ کی مختلف عبادتوں کا مقصد بندگان خدا کے دلوں میں خوفِ الٰہی اور خشیت ربانی کو پیدا کرنا ہے، نیکیوں کا خوگر بنانا اور برائیوں سے نفرت دلانا ہے، یقیناً رمضان نیکیوں کا موسم بہار ہے، اس میں ایمان کی کلیاں کھلتی ہیں، اعمال کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، برائیوں کی بالیاں خشک ہونے لگتی ہیں اور معاشرے میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی ہے، اس لئے کہ یہ وہ مہینہ ہے جو ایمان وعمل کو جلا بخشتا ہے، اخلاق نبوی کا عادی بناتا ہے، صبر واخلاص اور روحانی طاقتوں میں اضافہ کرتا ہے، رمضان میں صوم وصلوۃ کی یہی یکسانیت مشرق سے لے کر مغرب تک اور عرب سے لے کر عجم تک دیکھی جاسکتی ہے۔

اس مقدس ماہ کے روزوں میں تو راتوں کی تراویح اور کلام مجید کی تلاوت میں، صبح صادق سے قبل سحری کی سنت کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں اپنے گناہوں کی معافی ، نیز اعمال کی قبولیت کی دعاؤں اور الحاح وزاری میں پوری دنیا کے مسلمان عالم وجاہل، امیر وفقیر ایک دوسرے کے شریک ورفیق نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر وگاؤں میں جلوہ افروز ہوتا ہے، ہر جگہ اس کے جلال وجمال کا مشاہدہ انسان اپنی کھلی آنکھوں سے کرتا ہے، درحقیقت یہ مہینہ مسلمانوں میں دینی شعائر کی پابندی ووابستگی کی جانچ کا پیمانہ ہے، لہذا جو اس پیمانہ اور کسوٹی پر پورا اترے اس کے لئے یہ مہینہ

مبارک ہے، الغرض اس ماہ کے فضائل ومسائل پر قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھنے والوں نے خوب لکھا اورلکھ رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی عمومی دین سے دوری اوردین بیزاری کے باوجود آج بھی ماہ رمضان کا احترام لوگوں کے دلوں میں نمایاں طور پر دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے، دن بھر لوگ روزہ کا مزہ لیتے ہیں تو رات میں تراویح سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو سحری سے قبل تہجد میں اپنے رب سے مناجات کرتے نظر آتے ہیں، لیکن بعض حضرات رمضان میں تہجد پڑھنے کو خلاف سنت سمجھتے ہیں، یہ بات عام دردمند مسلمانوں کے لئے باعث تشویش بن چکی ہے، اس تشویش سے نجات کے لئے درج ذیل سطور کو سمجھنا ضروری ہے، تاکہ کوئی شخص غلط فہمی کا شکار نہ ہوجائے اور یہ چھوٹی سی چیز مسلمانوں کے درمیان انتشار واختلاف کا سبب نہ بن جائے۔

اس بات سے ہر ایک واقف ہے کہ ہند وبیرون ہند مکہ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ جیسے مقدس شہروں میں رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی ہے، لیکن بعض جگہوں پر تراویح کے نام سے صرف آٹھ رکعات نماز پڑھی جاتی ہے، ایسے ہی علاقوں میں رمضان میں تہجد کی عدم سنیت کے دعوے کئے جاتے ہیں، کیوں کہ وہ تراویح اور تہجد کو ایک ہی نماز قرار دیتے ہیں، دونوں کو الگ الگ نماز تسلیم نہیں کرتے، اس لئے ایک مرتبہ آٹھ رکعات پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، جیسا کہ مولانا ابوعدنان محمد منیر قمر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں'' قیام ایل، قیام رمضان، صلوۃ اللیل تہجد اور تر واتح ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں جن کی مسنون تعداد وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں (رمضان، روزہ اور زکوۃ :۹) ۔لیکن حقیقت اور سچی بات یہ ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں اور مستقل دو سنتیں ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کے جانشین یعنی صحابہ کرامؓ جن کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالی ان سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے، آپ ﷺ نے اپنے بعد ان کی زندگی کو نمونہ بنانے کی تاکید کی، ان کا یہ معمول رہا ہے اور ان کے بعد تابعین تبع تابعین سے یہی بات ثابت ہے کہ یہ دونوں مستقل سنتیں ہیں چنانچہ رات میں بیس رکعات تراویح پڑھنے والے تہجد کا اہتمام کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہئے اور جو رات میں آٹھ رکعات تراویح کے نام سے پڑھتے ہیں ان کے نزدیک وہی تہجد کی

نمازمراد لی جاتی ہے،اس لئے وہ آخری شب میں تہجد پڑھنے کوخلاف سنت سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کا اکثر طبقہ رات میں تراویح کا اہتمام کرتا ہےاور رات کے آخری پہر میں تہجد کا اہتمام کرتا ہے، کیوں کہ تہجد کے قرآن وحدیث میں کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں،قرآن کریم میں کم وبیش چھ سات جگہ پرتہجد پڑھنے والوں کا تذکرہ کیا گیاہے،ارشاد باری ہے " ان المتقین فی جنت وعیون ،آ خذین ماآ تٰھم ربھم انھم کانوا قبل ذلك محسنين ، كانوا قليلا من اليل مايهجعون وبالأسحار هم يستغفرون " بےشک تقوی والےلوگ بہشتوں اورچشموں میں ہوں گے،ان کے رب نے جوکچھ انھیں عطاءفرمایاہےاسے لے رہے ہوں گے،وہ تواس سے پہلے ہی نیکوکار تھے،وہ رات کوبہت کم سویا کرتے تھےاوروقت سحراستغفارکیا کرتے تھے(الذٰریٰت : ۱۵ تا ۱۸)۔دوسری جگہ ارشادہے " تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا وطمعا ومما رزقنٰهم ينفقون" ان کے پہلواپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں اپنے رب کوخوف اورامید کےساتھ پکارتے ہیں اورجوکچھ انھیں ہم نے دے رکھاہےوہ خرچ کرتے ہیں(السجدۃ : ١٦) ۔حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نےتہجدکی نمازکی فضیلت کویوں بیان فرمایا"أفضل الصلاة بعدالصلاة المكتوبة الصلاة فی جوف الليل " کہ فرض نماز کےبعدسب سےافضل نمازتہجدکی نمازہے(مسلم : ۲۷۵٦)۔اسی وجہ سےآپ ﷺ نےاس کااہتمام کرنےکی ترغیب دیتےہوئےفرمایا" عليكم بقيام الليل فانه دأب الصالحين قبلكم وان قيام الليل قربة الى الله ومنهاة عن الاثم وتكفير للسيئات ومطردة للداء عن الجسد " کہ تم تہجد کااہتمام کروکیوں کہ یہ صالحین کاوطیرہ رہاہےاور یہ نمازاللہ تعالیٰ سےقربت اورگناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے، نیزگناہوں کاکفارہ اورجسم کی بیماریوں کے لئےشفاءکاسبب ہے(سنن ترمذی:۳۵۳۹) ۔مزیدبرآں خودباری تعالی تہجد پڑھنے والوں کی دعاء کوسننے کے لئے دنیوی آسمان پہ تشریف لاتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی ہرشب رات کےتیسرے پہرمیں دنیوی آسمان پہ تشریف لاکرارشادفرماتے ہیں "من يدعونی فأستجيب له ومن يسألنی فأعطيه ومن يستغفرنی فأغفرله " کون ہے جومجھ سےدعاءکرےاوراس میں اس کی

دعا کو قبول کرلوں، ہے کوئی سائل کہ میں اس کے سوال کو پورا کروں، ہے کوئی مغفرت و بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں(مسلم :۱۷۷۲)۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نماز کس قدر فضیلت والی ہے اور دوسری بات کہ ماہ رمضان المبارک کتنا بابرکت ہے کہ اس میں ہر چیز کا ثواب بڑھ جاتا ہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ رمضان میں تہجد نہیں پڑھنی چاہیئے یقیناً یہ کم علمی اور محرومی کی بات ہے، لہذا ہر مسلمان کو پورے سال نہیں تو کم سے کم اس بابرکت مہینہ میں دو چار رکعت تہجد پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ یہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے اور رب کی قربت حاصل کرنے کا ذریعہ ہو جائے۔☆☆☆

عشرہ ذی الحجہ.........مغفرت کا عشرہ

اس دنیا میں جس طرح ہر چیز فانی ہے اسی طرح محبت بھی فانی ہے اس کے باوجود انسانوں، جانوروں کے درمیان محبت کا مادہ اللہ کی طرف سے ودیعت شدہ ہے، اسی محبت کی بنیاد پر تمام رشتوں کا قرار ہے اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ ایک سچا محبّ اپنے محبوب کی کسی لغزش پر فوراً ناراض ہو کر اس سے اپنے تعلق کو ختم نہیں کرتا، بلکہ اس کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے اسے کئی ایسے مواقع فراہم کرتا ہے کہ اس کا محبوب ان مواقعوں سے فائدہ اٹھا کر مکمل اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ اس کا دل جیت لے اور اس کی خوشنودی حاصل کرے، یہ حال انسان کی فانی محبت کا ہے تو اس محبت اور محبّ کے خالق ومالک جس کی محبت میں سچائی، گہرائی، بے غرضی مکمل طور پر موجود ہے، اس کی ذات سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے جن سے اس کو بے انتہا محبت ہے، ایسے مواقع فراہم نہ کرے جن میں اس کے بندے اعمال صالحہ کے ذریعہ اسے راضی کریں اور اپنی خطاؤں کی بخشش کا سامان مہیا کریں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سال بھر میں کچھ مخصوص ایام متعین کئے ہیں، جن میں ذی الحجہ کا پہلا عشرہ بھی ہے۔

ذی الحجہ کا پہلا عشرہ سال کے افضل دنوں میں شامل ہے، کیونکہ یہ بیت اللہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ اسلام کے ایک اہم رکن ''حج'' کے ساتھ خاص تعلق رکھتا ہے، ان دس دنوں کو ایام حج بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ حج کے سارے شعائر اسی عشرہ میں مکمل کر لئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان دس راتوں کی قسم کھائی ہے، فرمان باری ہے:" والفجر ولیال عشر والشفع والوتر" قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی جو اپنی فضیلتوں اور برکتوں میں بہت ہی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو کہ یوم النحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور جفت ہے، اور یوم عرفہ جو نویں تاریخ

اور طاق ہے،(الفجر :معارف القرآن کاندھلوی)۔نیز اعمال صالحہ کے اعتبار سے بھی یہ دس دن اللہ کو بہت زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام دنوں کے مقابلہ میں اس عشرہ میں نیک عمل کرنا اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے تو صحابہ نے پوچھا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ کوئی شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوجائے تو یہ افضل ہے(مسند احمد: ٦٥٠٥)۔اسی لئے اس عشرہ کے روزوں کو سنت قرار دیا گیا ہے، یعنی ایک ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک اور پھر عرفہ کا روزہ ایک مستقل فضیلت کی چیز ہے، ان روزوں کی فضیلت اللہ کے رسول ﷺ نے یوں بیان فرمائی: ”یعدل صیام کل یوم منها بصیام سنة وقیام کل لیلة منها بقیام لیلة القدر“ اس عشرہ کے ایک روزہ کا ثواب ایک سال روزہ رکھنے کے بقدر اور اس کی کسی رات میں عبادت کرنا لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے،(سنن ترمذی : ٦٨٩)۔

اس حدیث کی بنیاد پر بعض حضرات نے عشرہ ذی الحجہ کو رمضان کے آخری عشرہ سے افضل قرار دیا ہے، جیسا کہ علامہ زین الدین الملیباریؒ فرماتے ہیں ” ویتأکد صوم الثمانیة قبله أی قبل صوم یوم عرفة للخبر الصحیح المقتضی لأفضلیة عشرها علی عشر رمضان الاخیر “ کہ عرفہ کے روزہ سے پہلے ذی الحجہ کے شروع کے آٹھ دن روزہ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، اس صحیح حدیث کی بناء پر جو رمضان کے آخری عشرہ پر ذی الحجہ کے عشرہ کے افضل ہونے کا تقاضہ کرتی ہے(فتح المعین مع اعانة : ٢/٣٠٠)۔

مذکورہ آٹھ روزوں کے بعد عرفہ کا روزہ سنت ہے، حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے روزہ کے ثواب کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ” یکفر السنة الماضية و الباقية“ کہ اس روزہ کی وجہ سے گذشتہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں(مسلم ١٩٧٧)۔دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ” من صام یوم عرفة غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر “ کہ جو عرفہ کا روزہ رکھے اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں(تنویر الحوالك لسیوطی : ١٩٤)۔نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے اس دن کی فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا:”یا ابن أخی ان هذا الیوم من ملك

فیه سمعه و بصره و لسانه غفرله " کہ اے میرے بھتیجے: اس دن جس نے اپنے کان، آنکھ اور زبان پر قابو رکھا اس کی مغفرت کی جاتی ہے(مسند احمد ۲۸۸٤)۔حدیث میں گناہوں کی معافی صرف گناہ صغیرہ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد کے لئے توبہ اور حقوق کی ادائیگی شرط ہے (دلیل الفالحین :٤/ ٤٨)۔

مسلم شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم عرفہ، صوم عاشورہ کے مقابلہ میں افضل ہے، اس لئے کہ صوم عاشورہ سے صرف ایک ہی سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور صوم عرفہ سے دوسال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، علامہ سید بکری دمیاطیؒ نے اس فرق کی حکمت یہ نقل کی ہے کہ عرفہ کا روزہ شریعت محمدی ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور عاشورہ کا روزہ شریعت موسوی سے بھی تعلق رکھتا ہے، اس لئے صوم عرفہ سے دوسال کے گناہ معاف ہوتے ہیں(اعانة الطالبین: ۲/ ۱۰۳)۔اسی طرح دس ذی الحجہ کی رات دعا کی قبولیت کے لئے بہت اہم ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جن پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے ان میں یہ رات بھی شامل ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس رات میں عبادت کروں(تلخیص الحبیر:۲/ ۱۹۱، روضة الطالبین:۲/ ۷۵) ۔ نیز اس رات کی شب بیداری بھی باعث فضیلت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص عیدین کی رات بیدار رہ کر اللہ کی عبادت کرے تو اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن سارے قلوب مردہ ہوجائیں گے(سنن ابن ماجه : ۱۷۷۲)اسی طرح دس ذی الحجہ کا دن بھی مختلف خصوصیات کا حامل ہے، اس لئے کہ اس دن مکہ مکرمہ میں حاجیوں کے طواف، رمی، سعی اور حلق جیسے شعائر سے مذہب اسلام کی جو شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے، وہ بے مثال ہے اور مکہ کے علاوہ دنیا کے ہر گوشہ میں ملت محمدیہ ﷺ کے پیروکار اپنی صلاحیت کے مطابق جانوروں کی قربانی دے کر اطاعت خداوندی کا جو نمونہ پیش کرتے ہیں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

الغرض اس پوری تفصیل سے عشرہ ذی الحجہ کی اہمیت وفضیلت واضح ہوگئی، جو شخص اس عشرہ کو غنیمت جان کر اس میں عبادت کرے گا وہ فائدے میں رہے گا اور جس کا عمل اس کے برعکس ہوگا وہ نقصان میں رہے گا، لہٰذا اس عشرہ کو اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گذارنے کی سعی وجدوجہد کرنا چاہئے۔☆☆

اعتکاف.....مساجد کا بنیادی حق ہے

کسی عاشق کو اپنے معشوق کی یاد میں رہنے، محبّ کو دلی تصورات وخیالات میں اپنے محبوب کو بسانے میں صرف لطف اور مزہ ہی نہیں آتا، بل کہ وہ اس پر دوسروں کے سامنے فخر بھی کرتا ہے، اس کی صفات کے گن گاتا رہتا ہے، اس کے خیال سے اسے کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی، گویا وہ اپنے پورے وجود کو اس کے سپرد کردیتا ہے، اسی طرح اپنے آپ کو تمام تفکرات وخیالات، تمام دنیوی مشاغل ومقاصد کو ترک کر کے اپنے پورے وجود کو اللہ کے گھر میں اللہ کے حوالہ کرنے کا نام اعتکاف ہے، چونکہ اعتکاف کے معنی رکنے اور ٹھہرنے کے ہیں، جس کا تقاضہ یہی ہے کہ معتکف محبتِ الٰہی میں غرق، خدا کی یاد میں مگن اور اس کی سوچ میں منہمک ہوکر خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی عبادت وریاضت کے لئے کچھ وقت کے لئے مسجد میں ٹھہر جائے، تاکہ اس کا دل صاف ہوجائے، اس کے نفس کو مسلسل عبادت کرنے کی عادت اور مشق ہوجائے، وہ مسجد کے نورانی ماحول سے منور ہوجائے، وہ کچھ دیر ہی کے لئے سہی دنیا کے گندے ماحول سے الگ تھلک رہے، دنیوی خیالات کا سلسلہ کچھ وقفہ کے لئے محدود ہوجائے، اور جب وہ مدت اعتکاف مکمل کر کے نکلے تو وہ گناہوں سے پاک وصاف اور خدا کا محبوب بندہ بن کر نکلے اس لئے کہ اعتکاف مغفرت کا بہترین سبب اور ذریعہ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا " من اعتكف ايمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه " جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ اعتکاف کرے اس کے ماقبل کے سارے (صغیرہ) معاف کئے جاتے ہیں (مسند الفردوس:۸۴۸۰)۔

اعتکاف کی ابتداء

اصل اعتکاف تو سنت قدیمہ ہے، بل کہ یوں کہا جائے کہ سنت ابراہیمیہ ہے، جس کی تائید

قرآنی آیت سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے کعبۃ اللہ کی از سرِ نو تعمیر فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم واسماعیلؑ کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا "وعهدنا الى ابراهيم واسمٰعيل أن طهرا بيتي للطائفين والعٰكفين والركع السجود" کہ ہم نے ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھو(البقرہ : ۱۲۵)۔لیکن اعتکاف مسنون کی ابتداء تو بظاہر ہجرت کے بعد ۲ھ میں روزہ کی فرضیت کے بعد ہوئی، جیسا کہ قرآنی آیت کے سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا " ثم أتموا الصيام الى اليل ولا تباشروهن وأنتم عٰكفون فى المسجد " کہ تم اپنا روزہ غروب تک مکمل کرو اور عورتوں سے اس وقت تک مباشرت نہ کرو جب تک تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو(البقرہ :۱۸۷) ۔آیت میں روزہ کے وقت کی تعیین کے بعد اعتکاف کا تذکرہ ہے، جس سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اعتکاف کا روزہ سے گہرا تعلق ہے۔

اعتکاف کا وقت

اعتکاف کے لئے شرعی اعتبار سے کوئی وقت متعین نہیں ہے اور نہ کسی مخصوص وقت میں ممنوع ہے، پورے سال میں کسی بھی وقت اعتکاف سنت ہے، البتہ رمضان کے آخری عشرہ میں سنت مؤکدہ ہے، کیوں کہ اس عشرہ میں لیلۃ القدر کا بھی امکان ہے اور لیلۃ القدر کی تلاش میں آپ ﷺ اعتکاف کا اہتمام فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " أن النبى ﷺ كان يعتكف فى العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله تعالى ويقول تحروا ليلة القدر فى العشر الأواخر فى رمضان ثم اعتكف أزواجه من بعده" کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں موت تک اعتکاف اہتمام فرمایا اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کی کوشش کرو آپ ﷺ کے انتقال کے بعد ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف فرمایا(بخاری : ۲۰۲۶)۔لہذا جو شخص آخری عشرہ کا اعتکاف کرنا چاہتا ہو وہ بیسویں روزہ کے غروب شمس سے پہلے ہی مسجد میں حاضر ہو جائے اور عید کا چاند

نظر آنے کے بعد اپنے گھر واپس ہوجائے تاکہ اسے مکمل ایک عشرہ اعتکاف کرنے کا ثواب مل جائے۔

عورت کے لئے اعتکاف

اصل تو اعتکاف کی جگہ مسجد ہی ہے، لیکن عام طور پر چونکہ مسجد میں عورت کے لئے اعتکاف کا انتظام نہیں ہوتا اور اگر انتظام کر بھی دیا جائے تو حالات اور ماحول کے اعتبار سے عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہے، اس لئے عورت کے لئے گھر کے اس حصہ میں جو نماز پڑھنے کے لئے خاص کیا جاتا ہے اعتکاف کرنا درست ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں " یصح اعتکاف المرأة فی مسجد بیتها" کہ عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا درست ہے، نیز گھر کی مسجد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں " وهو المعتزل المهيأللصلاة " وہ الگ جگہ جو نماز کے لئے تیار کی گئی ہے (المجموع : ٤٧٢/٦)۔ البتہ اگر عورت شادی شدہ ہے تو اسے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف کرنا درست نہیں ہے، نیز اگر شوہر نے ابتداء میں اجازت دی ہو، لیکن اعتکاف شروع کرنے کے بعد منع کرے تو اعتکاف کو ترک کرنا چاہئے۔

معتکف کے اعمال

معتکف اخلاص کے ساتھ بشری ضرورتوں کے علاوہ زیادہ سے زیادہ وقت مسجد میں ہی گذارنے کی کوشش کرے، حالت اعتکاف میں تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، نوافل، تسبیحات اور دعاؤں کا اہتمام کرے، نیز مسجد ہی میں علمی حلقوں میں شرکت کرے اور ہر وقت باوضو رہے، مسجد کے ادب واحترام کا خیال رکھے، مسجد کی لائٹ وپنکھوں کے استعمال میں اسراف سے بچتا رہے، فضول گفتگو، موبائل کا بغیر ضرورت کے استعمال، نامناسب وبے ہودہ کلام سے احتراز کو اپنے اوپر لازم کرے، تاکہ اعتکاف کا اصل مقصد حاصل ہوجائے، اگر معتکف مذکورہ باتوں پر عمل نہ کرے تو یقیناً وقت تو پورا ہوجائے گا، لیکن اعتکاف کے اصل مقصد کا حصول نہ ہوسکے گا۔ ☆☆☆

قربانی.......مسلمانوں کے عروج وبقاء کی ضامن

ہر قوم کے کچھ مخصوص تہوار ہوتے ہیں جن مین وہ خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں،اور حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت یہ چاہتی ہے کہ انسان کی زندگی میں کچھ ایسے مواقع ضرور آنے چاہئیں، جب لوگ تمام غموں کو بھول کر خوشیاں منائیں، بھلا اسلام کیونکر انسانی فطرت کے اس تقاضہ کونظر انداز کرسکتا ہے،اس نے اپنے ماننے والوں کو دو بے مثال تہوار عطاء کئے،ایک رمضان المبارک کے بعد عید الفطر کے نام سے اور دوسرا عید الاضحیٰ کے نام سے،تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر تمام انبیاء کی قومیں سال میں کوئی نہ کوئی جشن ضرور مناتی تھیں،مثلاً حضرت آدمؑ کی اولاد اس دن عید مناتی جس دن حضرت آدمؑ کی دعاء کو بارگاہ ایزدی میں قبولیت حاصل ہوئی تھی،حضرت نوحؑ کی قوم اس دن عید مناتی جس دن سفینۂ نوح کونجات حاصل ہوئی تھی،حضرت عیسیٰؑ کی قوم اس دن عید مناتی تھی جس دن اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰ کوسولی سے بچاکر زندہ اپنے پاس بلالیا تھا،اسی طرح ہر قوم اپنے طور پر عید مناتی ہے،ہم جب اسلامی دونوں عیدوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما کرتشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اہل مدینہ دومخصوص دنوں کوبطور تہوار مناتے ہیں،لہذا آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کو دوعیدوں کا تحفہ عطا فرمایا(ابو داود:۱۱۳۴)۔اس وقت سے دنیا کے تمام مسلمان جو دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں،ان دو دنوں کوخوشی ومسرت کے دن کی حیثیت سے اختیار کئے ہوئے ہیں،جومسلمانوں کے مشترک دینی وملی تصورات کا مظہر ہے اور بیک وقت اطاعت خداوندی کا رمزاور سرور وشادمانی کا موقع ہے،ان عیدین میں سے عید الاضحیٰ کوعید قرباں بھی کہا جاتا ہے جسے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کوملت ابراہیمی کے پیروکار

فرمان رسول ﷺ کے مطابق مناتے ہیں اور اس میں قربانی بھی کرتے ہیں، اسی عید قربان کی حقیقت واہمیت کو ذیل میں بیان کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔

دنیا میں کوئی نظام قربانی اور ایثار کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، قوموں اور ملتوں کے عروج وبقاء کے لئے قربانی ضروری ہے، جس طرح دعوی بلادلیل ناقابل تسلیم ہے، اسی طرح ایمان بلاامتحان نامکمل اور قوم بلاقربانی کے کمزور ہے، جس طرح سونا آگ پر رکھ کر اور بھی نکھر جاتا ہے اسی طرح انسان قربانی کے بعد چمک جاتا ہے، دنیا میں سربلندی اسی قوم کو حاصل ہوتی ہے جس کے اندر ایثار اور قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہو، جس قوم سے قربانی کا جذبہ مفقود ہوجائے وہ قوم مردہ ہے، اللہ تعالی نے ہر نبی کا قربانی کے ذریعہ امتحان لیا، اسی لئے قربانی ہر نبی کی سنت رہی ہے، لہذا مسلم علاقوں میں لوگ مختلف قسم کے جانوروں کی قربانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مسلم قوم میں ایثار وقربانی کا جذبہ موجود ہے، جس کی وجہ سے اسے سربلندی نصیب ہوسکتی ہے اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی تاریخ اسلام کی قربانیوں میں سے ایک عظیم ترین قربانی ہے، جو درحقیقت حضرت ابراہیم واسمٰعیل کی یادتازہ کرتی ہے، جب حضرت ابراہیم نے اسلام کی راہ میں اپنے معزز خاندان کو چھوڑا پھر آخر میں دنیائے اسلام کی اس بے مثال قربانی کو پیش کیا جس سے دنیا آج تک عاجز ہے اور اس قربانی سے تسلیم ورضاء کا جو مثال وجود میں آئی، وہ آج تک تاریخ اسلام کے صفحات پر نقش ہے، جس پر زمین بھی حیران اور آسمان بھی دنگ تھا، اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے خواب کے مطابق امتحان میں سوفیصد نمبرات حاصل کرکے یہ ثابت کردیا کہ وہ اللہ کے حکم اور اس کی خوشنودی کے لئے اپنی عزیز سے عزیز تر چیز بھی قربان کرسکتے ہیں اور دنیا والوں کے سامنے مومن کامل کا حقیقی مقام واضح کردیا، اللہ تعالی نے اس جذبہ کے صلہ میں ان کو دنیا کی پیشوائی اور امامت کبریٰ کا منصب عظیم عطا کیا، نیز ان کی اس عظیم قربانی کی یادگار کے طور پر موجودہ قربانی کا حکم دیا، ارشاد باری ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو بدلہ دیا ایک عظیم قربانی کا اور اسے آنے والی نسلوں میں باقی چھوڑا اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں، پس سنت ابراہیمی کا حقیقی تقاضہ یہ ہے کہ ہم عید قربان کے موقع پر جانوروں کی قربانی دیتے وقت اسی جذبہ وجوش کو اپنے

اندر زندہ کرلیں، کہ ہم ظاہری طور پر تو ایک جانور ہی کو ذبح کر رہے ہیں، لیکن ہم خدا کی راہ میں اپنی عزت، جان و مال، اہل وعیال سب کچھ قربان کر سکتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم اخلاص کے ساتھ قربانی کریں کیونکہ جانور کا گوشت، کھال وغیرہ تمام چیزیں دنیا میں ختم ہو جاتی ہیں، ان میں سے کوئی چیز خدا کے دربار تک بظاہر نہیں پہنچتی، اس کی بارگاہ تک پہنچنے والی صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے دل کا ارادہ اور سچی تڑپ، خوف خدا اور اس کی رضاء کے حصول کا جذبہ صادق، لیکن افسوس لوگ نیت کی صفائی کے بجائے جانوروں کے حسن، اس کے گوشت، اور وزن و قیمت پر زیادہ نظر رکھتے ہیں اور اس میں مقابلہ کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رسمی قربانی تو ہو جاتی ہے، لیکن حقیقی قربانی سے محرومی ہی رہتی ہے۔☆☆☆

آمدِ رمضان.... پژمردہ دلوں کے لئے حیاتِ نو

برسات کا ٹھنڈا موسم کسے پسند نہیں، موسم سرما کی خنک ہوائیں کسے محبوب نہیں، بنجر زمین کو سرسبز وشاداب، خشک کنوؤں اور تالاب کو پانی سے بھرا دیکھنا کون نہیں چاہتا، اچھے اور خوشگوار ماحول سے کون بیزار ہے، پرسکون اور پرلطف فضاء کس کو راس نہیں آتی، برسات کی آمد پر صرف پانی ہی کا انتظام نہیں ہوتا بلکہ ایک اچھا ماحول اور دلکش منظر نظر آتا ہے، ایک طرف کاشت کار اور کسان پرامید نظر آتے ہیں تو دوسری طرف پانی کی قلت کی بناء پر پیاس سے پریشان حال جانور وانسان راحت کی سانس لیتے دکھائی دیتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم نے بارش کو رحمت الٰہی کا نام دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی بارش کے ذریعہ اپنی مخلوق پر رحم وکرم کا معاملہ فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری ہے "وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته حتی اذاأقلت سحابا ثقالا سقنه لبلد میت فأنزلنا به الماء فأخرجنا به من کل الثمرات" یہ وہی ذات ہے جو ہواؤں کو رحمت کی بارش سے پہلے خوشخبری کے طور پر بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی سے بوجھل بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم اسے خشک اور قحط زدہ بستی کی طرف روانہ کردیتے ہیں، پھر اس میں پانی برساتے ہیں اور ہم اس میں ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں (اعراف: ۵۷)۔ مردہ زمین کے اندر حیات اور زندگی کے آثار پیدا ہو جانے سے کسان خوشی سے پھولے نہیں سماتے، خدا کا شکر ادا کرنے لگتے ہیں، معصوم بچے بھی بارش کے پرلطف ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح پرلطف اور خوشگوار ماحول اور دل کش منظر آمدِ رمضان کے مبارک موقع پر سامنے آتا ہے کہ رحمت الٰہی اس ماہ میں جوش میں آتی ہے، بکثرت مغفرت کا اعلان ہوتا ہے، رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے، عبادات میں مزہ محسوس ہوتا ہے، گنہگاروں کو راحت محسوس ہوتی ہے،

اور کیوں نہ ہواس لئے کہ یہ مہینہ سب سے مکرم اور معظم مہینہ ہے، یہ مہینہ دیگر مہینوں کے مقابلہ میں بہت سی خصوصیات کی بنیاد پر منفرد حیثیت اور الگ شناخت رکھتا ہے اور اس شناخت کو باقی رکھنے کے لئے ان تمام خصوصیات کو بروئے کار لانا لازم اور ضروری ہے۔

ماہ رمضان میں تلاوتِ قرآن

اس ماہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نزول قرآن کا تعلق اسی ماہ سے ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے ''شھر رمضان الذی أنزل فیه القرآن ھدی للناس " کہ ماہ رمضان جس کے ایک خاص حصہ شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر قرآن مجید نازل کیا گیا جس کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے(البقرہ : ۸۵)۔ یہی وجہ ہے کہ اس ماہ میں قرآن کریم کی بہت زیادہ تلاوت ہوتی ہے، خود آپ ﷺ کا بھی اس ماہ میں بکثرت تلاوت کا معمول تھا، جس کی بناء پر فقہاء نے رمضان میں تلاوت قرآن کی کثرت کو تاکید کے ساتھ سنت قرار دیا ہے، شیخ زین الدین ملیباریؒ فرماتے ہیں "سن مع التاکید برمضان ....اکثار تلاوۃ قرآن " کہ رمضان میں تلاوت قرآن کی کثرت تاکید کے ساتھ سنت ہے (فتح المعین : ۹۳)۔ اگر پورے سال میں تلاوت کا موقع نہ ملا ہوتو کم ازکم رمضان کے موقع پر ایک دومرتبہ قرآن ختم کرلینا چاہئے، جیسے کہ شیخ ابواللیثؒ فرماتے ہیں "ینبغی للقاری أن یختم القرآن فی السنة مرتین إن لم یقدر علی الزیادۃ " کہ قرآن پڑھنے والے کے لئے کم ازکم سال میں دومرتبہ قرآن ختم کرنا چاہئے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں" من قرأالقرآن فی کل سنة مرتین فقد أدی حقه " کہ جس نے کم سے کم سال میں دومرتبہ قرآن ختم کیا اس نے قرآن کریم کا حق ادا کردیا(فتح المعین : ۹۳) ۔ نیز تراویح وقیام اللیل قرآن کریم کی تلاوت کے لئے بہترین ذریعہ ہے اور بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی عورتیں اس ماہ میں پورا قرآن پڑھ کر مرحومین کے حق میں ایصال ثواب کرتے ہیں ،لیکن امت کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو قرآن کریم پڑھنا جانتا ہی نہیں اور اگر جانتا بھی ہے تو اسے ماہ مبارک کی ان متبرک ساعتوں میں بھی تلاوت کی توفیق نہیں

ہوتی، یقیناً یہ باعث افسوس ہے اور اس تعلق سے فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔

ماہ رمضان میں گناہوں پر بندش

ماہ رمضان کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس ماہ میں گناہوں کی رفتار کم ہوجاتی ہے، ایک مسلمان اس ماہ کے احترام واکرام کی بناء پر گناہ سے دور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے، نیز نظام قدرت سے بھی گناہ سے بچنے پر تعاون اور مدد حاصل ہوتی ہے کہ شیاطین کو قید کیا جاتا ہے، اس لئے کہ روزہ میں کمال اللہ کی معصیت اور نافرمانی کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ روزہ صرف بھوک و پیاس برداشت کرنے کا نام نہیں ہے بل کہ روزہ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ معصیات سے بچنے کی مشق اور عادت ہوجائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "لیس الصیام من الطعام والشراب وحده ولكنه من الكذب والباطل و اللغو" کہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام روزہ نہیں بل کہ لغو اور گناہ سے بچنا اصل روزہ ہے (**المصنف لابن شیبہ: ٦/ ١٠١**)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة أن يدع طعامه وشرابه" کہ جو شخص جھوٹ بات کہنے اور اس پر عمل کرنے کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کا کھانا پینا ترک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (**بخاری: ١٩٠٣**)۔ اسی لئے بحالتِ روزہ جھوٹ، غیبت اور گالی گلوچ جیسے گناہوں کی بناء پر روزہ دار ثواب سے محروم ہوجاتا ہے، چنانچہ منقول ہے " ومما يتأكد للصائم كف اللسان عن كل محرم ككذب وغيبة ومشاتمة لأنه محبط للأجر" کہ روزہ دار کے لئے اس بات کی تاکید ہے کہ وہ اپنی زبان کو حرام باتوں سے محفوظ رکھے جیسے جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، اس لئے کہ یہ چیزیں اجر کو ختم کردیتی ہیں (**فتح المعین مع اعانہ: ٢/ ٢٨١**)۔ نیز حرام چیزوں کے علاوہ بہت سی ایسی مباح چیزیں جن کی طرف دل مائل ہوتا ہے اور ان دیکھ کر یا سن کر دل خوش ہوتا ہے ان کو ترک کرنا بھی کمال روزہ میں سے ہے، علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں " وليصن نفسه ندبا عن الشهوات التى لا تبطل الصوم من المشمومات والمبصرات والملموسات والمسموعات كشم الريا حين والنظر اليها

ولمسها و سماع الغناء لما في ذلك من الترفه الذى لا يناسب حكمة الصوم " کہ اپنے نفس کو ان شہوتوں سے روکنا مندوب ہے جن سے روزہ باطل نہیں ہوتا چاہے وہ سونگھنے، دیکھنے، پہننے یا سننے کے قبیل سے ہوں جیسے خوشبو کو سونگھنا، اسے دیکھنا، چھونا اور ایسی جائز چیزیں سننا جن سے نفس کو سکون اور سرور حاصل ہوتا ہو، اس لئے کہ وہ روزہ کی حکمت کے مناسب نہیں ہے(مغنی المحتاج : ۲/ ۴۳۵)۔

ماہ رمضان میں مغفرت کی بارش

ماہ رمضان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس ماہ میں ہر ایک کا دل نرم ہوجاتا ہے، اللہ کے خوف اور خشیت کی بناء پر مومن بندہ اللہ تعالی کی طرف رجوع ہوتا ہے، گناہوں کی معافی اور بخشش کے لئے ہاتھ اللہ کے حضور میں اٹھ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس مہینہ میں روزہ اور تراویح جیسی چیزوں کو مشروع فرما کر اپنے بندوں کی مغفرت کا انتظام کیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''من صام رمضان إيمانا وإحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه '' کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اس کی برکت سے اس کے تمام صغائر معاف ہوجاتے ہیں(بخاری : ۳۸)۔

الغرض ماہ رمضان کی مذکورہ ودیگر خصوصیات کو سننا اور پڑھنا کافی نہیں بل کہ حق تو یہ ہے کہ ماہ رمضان میں اپنی وسعت وطاقت کے بقدر رضاء الٰہی کی طلب اور جستجو میں اپنے اوقات کو صرف کرنا چاہیئے تا کہ ایک طرف ہماری مغفرت ہوجائے تو دوسری طرف ہمارے روزے دربار الٰہی میں کمال کے ساتھ قبولیت کا شرف حاصل کریں اور خود اللہ تعالی اس کا بدلہ اور ثواب ہمیں عطاء کرے، نیز روزہ دار کے لئے جو دوخوشیاں ہیں وہ ہمیں میسر آجائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا " إن للصائم فرحتين : إذا أفطر فرح وإذا لقى الله فرح " کہ روزہ دار کے لئے دوخوشیاں ہیں ایک جب وہ افطار کرتا ہے اور دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی(المصنف لابن ابی شیبہ:۶/ ۱۰۳)۔اور اگر ہم نے اس ماہ کی مبارک ساعتوں کی قدر نہیں کی اور غفلت وسستی میں اس مہینہ کو گذار دیا تو یقیناً ہم حضرت

جبرئیل جیسے فرشتہ کی بد دعاء جس پر آپ ﷺ نے آمین کہا ہے مستحق بن سکتے ہیں، حضرت کعب بن عجرہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا"إن جبرئیل عرض لی فقال بعدالمن أدرك رمضان فلم یغفر له قلت آمین" کہ حضرت جبرئیل میرے پاس تشریف لائے تھے تو انھوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی تو میں نے اس پر آمین کہا(مستدرك حاكم : ٧٢٥٦)☆☆☆

قربانی.........اللہ کی نصرت کی ضامن ہے

لفظ قربانی سے عام طور پر ہر ایک کا ذہن عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جانے والی قربانی کی طرف جاتا ہے،لیکن قربانی صرف اسی کا نام نہیں، بلکہ قربانی کا لفظ بہت وسیع ہے، وہ اپنی وسعت میں مختلف معانی کو سمیٹے ہوئے ہے،دراصل قربانی دلی ارمانوں ،امیدوں،اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو چھوڑنے اوراپنی ذات کو مشقت وخلاف عادت وطبیعت باتوں کو برداشت کرنے کے لئے تختۂ مشق بنانے کا نام ہے،اسی طرح کی قربانیوں سے اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوتا ہےاور تمام انبیاء کے اللہ تعالی کا قرب حاصل ہونے میں قربانی ہی کا بڑا دخل تھااور نبی اکرم ﷺ کی قربانی ان تمام معانی ومطالب کے اعتبار سے امت کے لئے نمونہ اوراسوہ ہےاورآپ ﷺ کے صحابہ اور دیگر سلف صالحین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ،لہذا ہم درج ذیل سطور میں لفظ قربانی کے عموم کو قید تحریر میں لانے کی سعی کررہے ہیں۔

اللہ کے راستہ میں جان کی قربانی

ہرانسان کواپنی جان پیاری اورعزیز ہوتی ہے،خوداللہ تبارک وتعالی کے نزدیک بھی انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے،اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ناحق کسی کے قتل اور خودکشی کوحرام قرار دیا ہے،اس کے باوجود دین اسلام کی سربلندی اوراسلامی تعلیمات کے فروغ ونشرواشاعت کے لئے سر پر کفن باندھ کر دشمن کے مقابلہ میں لڑتے لڑتے شہادت کی عظیم نعمت سے سرفراز ہونے کوقربانی کا درجہ دیا گیا،اسی طرح کسی کے ناحق قتل پر قصاصا اور نکاح کے بعد کسی عورت سے زنا کی پاداش میں بطور رجم اپنے گناہ کے اعتراف کے ساتھ اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرنے کے لئےقتل ہونا بھی قربانی کی ایک قسم ہے، مذکورہ دونوں قسم کی قربانی میں امت محمدیہ کے لئے امن وسکون ،اللہ کی نصرت ومدد کے ساتھ دخول جنت

کی بشارت وضمانت مضمر و پوشیدہ ہے،قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ اس پر شاہد وگواہ ہیں۔

انفاق مال کے ذریعہ قربانی

مال ضروریات انسانی میں سے ایک اہم اور لازمی رکن ہے،غریب سے غریب اور بڑے سے بڑے مالدار شخص کی ضروریات کی تکمیل کا انحصار مال پر ہے،اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف مقامات پر حلال طریقہ سے کسب مال کی ترغیب وحکم دیا ہے،چنانچہ ارشاد باری ہے " فاذا قضیت الصلوٰۃفانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ " کہ جب تم نماز سے فارغ ہوجاؤ تو تجارت وغیرہ کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو(الجمعہ:۱۰)۔اللہ تعالیٰ نے حج جیسے عظیم رکن کے سفر میں بھی تجارت سے نہیں روکا،اللہ فرماتے ہیں: "لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم" کہ تم پر سفر حج کے دوران اپنے رب کا فضل تلاشنے یعنی تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں(البقرہ :۱۹۸)۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ محتاج اور نادار لوگوں کی ضرورت اور دینی مصالح وامور میں واجب اور مندوب موقعوں پر اپنے مال کو خرچ کرنے کو قربانی کے قائم مقام قرار دیا،اور یہ قربانی نہایت ہی ضروری ہے، کیونکہ حیات انسانی کا مال سے گہرا رشتہ ہے اور اس رشتہ میں دوام واستمرار انفاق فی سبیل اللہ پر موقوف ہے، انفاق فی سبیل اللہ کے بغیر مال کے بقاء کی امید کرنا ناسمجھی ہے اور اس قربانی کے ترک کا نتیجہ ہلاکت وبربادی کے سوا کچھ نہیں ہے،اللہ تعالی کا ارشاد ہے،" وأنفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التھلکہ" کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو،ترک انفاق کی بناء پر اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو(البقرہ :۱۹۵)۔

اہل وعیال ورشتہ داروں کے ذریعہ قربانی

انسان کو اپنے اہل وعیال اور قرابت داروں سے فطری طور پر محبت والفت ہوتی ہے،اسی محبت کا اثر ہے کہ وہ تمام لوگوں پر اپنے اہل وعیال کو ترجیح دیتا ہے اور انہیں کے چین وسکون کے لئے ہر طرح کی تکلیف ومصیبت کو بسہولت برداشت کرتا ہے،شریعت نے اپنے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا

حکم دیا، اور اسے باعث ثواب قرار دیا، لیکن ان تمام پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مقدم رکھنے کو فرض کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی چیز کو ترجیح نہ دینے کو قربانی قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا تذکرہ اس طرح کیا، "اے ایمان والو: اگر تمہارے والدین اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں یا دینی امور پر دنیوی امور کو مقدم رکھیں تو انھیں اپنا رفیق اور دوست نہ بناؤ، تم میں سے جو انہیں اپنا رفیق بنائے گا وہ بڑا ظالم ہوگا، اے نبی کہہ دو اگر تمہارے والدین، اولاد، بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب تم کو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) تمہارے سامنے لے آئے (توبہ: ۲۴)۔

ذبح جانور کے ذریعہ قربانی

دس ذی الحجہ کے دن جانور کو ذبح کر کے کی جانے والی قربانی تاریخ اسلام کی قربانیوں میں سے عظیم ترین قربانی ہے، جو درحقیقت حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی بے مثال قربانی کی یاد تازہ کرتی ہے اور اسی عظیم قربانی کی یادگار کے طور پر موجودہ قربانی کا حکم دیا گیا، فرمان باری ہے:" فصل لربک وانحر" کہ تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو، (کوثر:۲)۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے اسی قربانی کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے والد حضرت ابراہیم کی سنت ہے، تو صحابہؓ نے پوچھا کہ اس کے بدلہ ہمیں کیا ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی (مسند احمد)۔

اس کے علاوہ بھی مختلف طریقوں سے انسان اپنی قربانی پیش کرسکتا ہے اور جب تک انسان ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا، اسے ذبح جانور کی قربانی کا اصل مقصد حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ قربانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر عجز کا احساس پیدا ہو جائے جو اسے یہ سوچنے پر مجبور کردے کہ ہماری زندگی میں یقین وخلوص کا کتنا جذبہ ہے، ہم نے کسی جزاء وبدلہ کی پرواہ کئے بغیر راہ حق میں کون کونسی قربانیاں پیش کیں، اللہ کے غریب بندوں اور بے سہارا انسانوں کی امداد واعانت کی کون سی

سبیل پیدا کی، دوسروں کے حقوق ہمارے نزدیک کتنے محترم ہیں، ہم نے کتنے یتیم بچوں کے سروں پر شفقت ومحبت کا ہاتھ پھیرا ہے، ہم نے دین کے لئے اپنی کتنی خواہشات کی قربانی دی ہے، اپنی ضرورتوں کی پرواہ کئے بغیر دین کے کاموں کے لئے اپنے وقت کو کتنا قربان کیا ہے، جانور کی قربانی سے اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ ہمارا جینا، مرنا اور پوری زندگی اللہ کی رضاء کے لئے وقف ہے، اس لئے کہ ہماری زندگی کا مقصد اللہ کی بندگی ہے اور اس بندگی کے اظہار میں ہر طرح کی قربانی کے لئے ہم تیار ہیں، کسی بھی طرح کی قربانی سے پیچھے نہ ہٹنا ہماری زندگی کا شیوہ ہے۔ ☆☆☆

شوال کے روزے اور عید کے بعد ہمارا حال

یکم شوال کو پورے سال میں ایک منفرد خصوصیت حاصل ہے، کہ یہ دن خوشی و مسرت کا دن ہے جس دن دنیا کے سارے مسلمان نماز عید ادا کرتے ہیں اور اس دن عید مناتے ہیں، پورا مہینہ روزہ رکھنے اور عام دنوں کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت و ریاضت کی مشغولی سے فراغت کے بعد اللہ تعالی نے آرام و راحت، انبساط و انشراح کے لئے عید کا دن عطاء فرمایا اور اس بات کی اجازت دی کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس دن کو خوشی کے ساتھ منایا جا سکتا ہے،لیکن اس کے فورا بعد شوال کے چھ روزوں کو مشروع فرما کر اس عمل کو سنت و مستحب قرار دیا تا کہ عید کی خوشی کے بعد مسلمان بے لگام نہ ہو جائے ،بل کہ اس کے اندر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا شوق و رغبت باقی رہے،عید کی خوشی میں شیطان نفس پر غالب نہ آجائے اور صفت بہیمیت و شیطانیت ماہ رمضان کی روحانیت پر جلد اثر انداز نہ ہو جائے اسی لئے آپ ﷺ اور صحابہؓ شوال کے چھ روزے رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

شوال کے روزوں کی فضیلت

اللہ تعالی نے نیکی و بدی کا جو اصول متعین کیا ہے اس میں ایک مومن پر رحمت خداوندی کا حد سے زیادہ اظہار اور اللہ کے خاص فضل کا بیان ہے، کہ اہل ایمان کے لئے ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطاء فرمائے گا اور بدی کا بدلہ صرف اسی کے برابر ملے گا، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے " من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها و من جاء بالسيئة فلا يجزى الا مثلها " جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گناہ برابر ثواب ملے گا اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی(انعام :١٦٠) ۔یہ کم از کم اجر ہے ورنہ قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی

گنا بل کہ ہزاروں گنا ملے گا اس اصول کے تحت ایک مہینہ یعنی رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں اوراس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لئے جائیں تو یہ دو مہینوں کے برابر ہوجاتے ہیں تو گویا پورے سال کے روزوں کا اجر ملے گا، دوسرے لفظوں میں اس نے پورے سال کے روزے رکھ لئے اور جس کا یہ مستقل معمول بن جائے وہ ایسا ہے جیسے اس نے پوری زندگی روزہ کی حالت میں گذاری اور وہ ہمیشہ روزہ رکھنے والا شمار ہوگا، اس اعتبار سے یہ شش عیدی روزے بڑی اہمیت کے حامل ہیں حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر" جس نے رمضان کے روزے رکھے اوراس کے بعد شوال کے چھ سنت روزے رکھے گویا اس نے پورے زمانہ کے روزے رکھے(**مسلم :۲۷۵۸**)۔

شوال کے روزوں کے احکام

شوال کے چھ روزے سنت ہیں، ان روزوں کو عید کے بعد متصل اور مسلسل رکھنا افضل ہے، البتہ شوال کے پورے مہینہ میں کسی بھی وقت اور متفرق طور پر رکھنے سے اصل سنت حاصل ہوجائے گی اور روزے ادا بھی کہلائیں گے امام نوویؒ فرماتے ہیں " يستحب صوم ستة أيام من شوال --- ويستحب أن يصومها متتابعة في أول شوال فان فرق أو أخرها عن أول شوال جاز وكان فاعلا لاصل هذه السنة" شوال کے چھ روزے سنت ہیں اور مستحب یہ ہے کہ ان روزوں کو شوال کی ابتداء میں پے در پے رکھے اگر کسی نے پے در پے روزے نہیں رکھا یا تاخیر سے رکھا تو جائز ہے اور وہ اصل سنت کو بجالانے والا شمار ہوگا(**المجموع:۶/ ۳۰۰**)۔اگر شوال میں یہ روزے نہ رکھ سکے تو آئندہ ان کی قضاء سنت ہے(**مغنی المحتاج :۱/ ۵۹۹**)۔اگر کسی عذر کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھ سکے تب بھی یہ روزے سنت ہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے فوت شدہ روزوں کی قضاء کرے پھر شوال کے روزے رکھے، اگر روزے بغیر عذر کے فوت ہوئے ہوں تو ان کی قضاء پہلے ضروری ہے اور بعد میں شوال کے روزے مستحب ہیں(**حاشیۃ الجمل :۳/ ۴۷۰**) ۔نیز شوال کے روزہ کے ساتھ رمضان کے

قضاء روزہ کی نیت کرے تو ان ایام میں سنت روزہ کا ثواب بھی ملے گا اور رمضان کے روزہ کی قضاء بھی ہوجائے گی، البتہ سنت روزہ کا کامل ثواب نہیں ملے گا، چنانچہ علامہ رملیؒ فرماتے ہیں "ولو صام فی شوال قضاء أو نذرأو غيرهما أو فی نحو يوم عاشوراء حصل له ثواب تطوعهما ....لكن لا يحصل له ثواب الكامل" کہ اگر کوئی شخص شوال کے روزہ کے ساتھ یا عاشوراء کے روزہ کے ساتھ قضاء یا نذر کے روزہ کی نیت کرتا ہے تو اسے دونوں سنت روزوں کا ثواب مل جائے گا، البتہ ثواب کامل نہیں ملے گا(**نہایۃ المحتاج :۲۰۸/۳**)۔

رمضان کے بعد ہماری حالت

رمضان المبارک میں سرکش شیاطین کے قید و بند اور اس ماہ کی بابرکت ساعتوں کی وجہ سے یقیناً اللہ کی نافرمانی اور شیاطین کی فرمانبرداری میں کسی حد تک کمی واقع ہوجاتی ہے، نمازوں کی ادائیگی، ذکر وتلاوت کی پابندی، وضع قطع کی درستگی مسلم معاشرہ میں فطری طور پر وجود پذیر ہوتی ہے، لیکن رمضان کے بعد مسلمانوں کے حالات یکسر بدل جاتے ہیں، ایک ماہ سے آرام کردہ ٹی ویاں کھل جاتی ہیں، مسلم محلوں کی صبح کی ابتدا فحش اور عشقیہ گانوں سے ہوتی ہے، ایک ماہ سے شراب کے اڈوں کے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، مساجد مصلیوں کی عدم موجودگی پر ماتم کناں رہتی ہیں، حرام وحلال کی تمیز ختم ہوجاتی ہے، جھوٹ دھوکہ دہی ، چوری ڈکیتی کا بازار دوبارہ گرم ہوجاتا ہے، باہمی جھگڑوں اور آپسی اختلافات کا سلسلہ از سر نو شروع ہوجاتا ہے، الغرض وہ ساری برائیاں اور جرائم جن پر رمضان میں ایک طرح سے بریک لگ گیا تھا وہ آہستہ آہستہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے کر اسلامی روح کو ختم کردیتے ہیں، اس کے باوجود ہر ایک اپنے آپ کو بطور فخر کے مسلمان سمجھتا ہے اور نبی کے عشق کے کھوکھلے نعرے لگاتا رہتا ہے، جبکہ یہ حقیقت مسلم ہے کہ عمل صالح اور فرائض وسنن کی پابندی کے بغیر آپ ﷺ سے محبت کے یہ کھوکھلے دعوے ونعرے عنداللہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے، حالاں کہ آپ ﷺ سے سچی محبت کے لئے مکمل سال اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول ضروری ہے کہ اسی میں

مسلمانوں کی رفعت وعظمت کا راز مضمر ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب تک مسلمانوں نے اپنی رفعت وعظمت کے اسباب کو لازم پکڑے رکھا ان کی عظمت ورفعت کا جھنڈا پوری دنیا میں لہراتا رہا اور ان کی تہذیب وثقافت کا سکہ رواں رہا اور جب مسلمانوں نے ان چیزوں کو فراموش کیا تو ذلت ورسوائی کی زنجیروں نے ان کے قدموں کو جکڑ لیا اور ان کی بے مثال تہذیب بھی دنیا کی نظروں میں بے وقعت ہوگئی، آج پوری دنیا میں مسلمان ذلیل وخوار ہیں جن کی تہذیب ایسے کھوٹے سکہ کے مانند ہوگئی جسے وہ خود اپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں، ذلت وادبار کی یہ گھٹا پوری دنیا کے مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے، ہر وقت خطرات کے بادل ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، لیکن مسلمان خواب غفلت میں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اندر اپنی عظمت ورفعت کے حصول کے لئے کوئی تڑپ ولگن، جذبہ وحوصلہ اور اقدام وعزائم نہیں ہیں، نیز اسلامی شعائر کا ان میں فقدان نظر آرہا ہے۔

لہذا وقت اور حالات کا تقاضہ ہے کہ مسلمان اسلامی احکامات کو رمضان کی حد تک واجب اور ضروری نہ سمجھیں، اس لئے کے روزوں کے علاوہ تمام چیزوں کا تعلق پورے سال کے ہر دن سے ہے، رمضان کی طرح پورے سال نمازوں کے اہتمام کے ساتھ اپنی روزمرہ کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کے طریقہ کے مطابق گذارنے کی کوشش کریں، تاکہ یہ بات ثابت ہوجائے کہ ماہ رمضان صحیح طور پر ٹریننگ اور مشق میں گذرا ہے، ورنہ حالات اس سے بدتر ہوجائیں گے اور مسلمانوں پر عرصہ حیات مزید تنگ ہوجائے گا اور رہے سہے اسلامی نقوش بھی مٹ جائیں گے۔ ☆☆☆

ماہ رمضان اور کاسۂ گدائی

اس دنیا میں اللہ تعالی نے تقریبا تمام چیزوں کو ان کی ضد کے ساتھ پیدا کیا، مذکر کو پیدا کیا تو اس کی ضد مونث کو بھی پیدا کیا، اسی طرح آگ و پانی، سایہ دھوپ، سردی وگرمی، دن ورات، روشنی وتاریکی، امیری وفقیری وغیرہ آپس میں اضداد ہیں ان میں سے امیری وفقیری کا اثر معاشرہ میں بالکل نمایاں ہے، اسی لئے جہاں اونچے اونچے اور خوبصورت محلات وبنگلے نظر آتے ہیں جن پر کروڑوں روپئے خرچ کئے گئے ہیں، وہیں کچھ لوگ اپنا سر ڈھانکنے کے لئے جھونپڑوں کا انتظام کرتے ہیں، کچھ لوگ عمدہ ومزین ملبوسات زیب تن کرتے ہیں تو کچھ پرانے وسیدھے سادھے معمولی قیمت کے کپڑوں سے ہی ستر پوشی کا کام لیتے ہیں، بعض لوگ اپنا پیٹ اعلی سے اعلی اور لذیذ کھانوں سے بھرتے ہیں تو دوسری طرف بعض غریب حضرات سوکھی روٹیوں کے ٹکڑوں ہی سے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں، چند لوگ پنکھوں اور ایرکنڈیشن کی ٹھنڈک میں خراٹے لیتے ہوئے نیند کے مزے لوٹتے ہیں تو چند لوگ فٹ پاتھ، ریلوے وبس اسٹیشنوں پر اپنے جسم کو زمین کے حوالہ کرکے دن بھر کی تھکان دور کرتے ہیں، بعض لوگ ہر چیز سے بے فکر، آرام وآسائش کی زندگی بسر کررہے ہیں تو کچھ لوگ مصائب ومشکلات کے سمندر میں اپنے سفینہ کو ساحل تک پہچانے کی تگ ودو کررہے ہیں۔

اس وقت پوری دنیا کا اگر جائزہ لیا جائے تو غربت کا تناسب مالداری وخوشحالی کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ملتا ہے، ہندوستان ہی نہیں بل کہ دنیا کے اکثر ممالک میں غربت تیزی سے بڑھ رہی ہے لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہیں مردار اور ناپاک چیزوں سے اپنے پیٹ کی جہنم کو بھر رہے ہیں، وہ معصوم بچے جن کی عمر ابھی کھیلنے کودنے کی ہے لیکن پیٹ کی بھوک انھیں کڑی سے کڑی دھوپ میں کام کرنے پر

مجبور کر دیتی ہے، پیٹ کی بھوک ہی ایسی چیز ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں کی اسناد جب ان کی روزی کا دروازہ نہیں کھولتی اور ان پر قسمت مہرباں نہیں ہوتی تو ایسے لوگوں کی بے بسی اور لاچارگی ناقابل دید ہوتی ہے، جس سے دل کانپ جاتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور زبان شکر الٰہی میں مشغول ہو جاتی ہے اور جس مسلمان کا دل اپنے غریب و نادر بھائیوں کے لئے نہ تڑپتا ہو اور جس کے دل میں یہ خواہش نہ پیدا ہوتی ہو کہ اللہ تعالی نے جس طرح مجھے خوش حال رکھا ہے اسی طرح اس غریب کو بھی خوشحالی حاصل ہو جائے تو اس کا ایمان ناقص و کمزور ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (مسلم: ۱۷۰)۔

دنیا کے تمام مذاہب میں محتاجوں و ناداروں کی طرف دست تعاون دراز کرنے کا رواج پایا جاتا رہا ہے، چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی سیرت النبی (جلد پنجم) میں ''زکوۃ گذشتہ مذاہب میں'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ زکوۃ بھی ان عبادتوں میں سے ہے جو تمام آسمانی مذاہب کے صحیفوں میں فرض بتائی گئی ہے لیکن ان کے ماننے والوں نے اس فرض کو اس حد تک بھلا دیا تھا کہ بظاہر ان کے مذہبی احکام کی فہرست میں اس کا نام نظر نہیں آتا، حالاں کہ قرآن کا دعوی ہے اور اس کی تائید مختلف آسمانی صحیفوں سے ہوتی ہے کہ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزء لاینفک تھی اسی طرح زکوۃ بھی تمام مذاہب میں ہمیشہ ضروری رہی ہے (ارکان اربعہ: ۱۷۶) بعض مذاہب میں تو اس کے اندر سوائے ہمدردی و خیر سگالی کے علاوہ کوئی پہلو نہیں ہوتا، البتہ مذہب عیسائیت میں اس امداد کے پیچھے ایک اہم پہلو مذہب عیسائیت کی تبلیغ کارفرما ہوتا ہے اور عیسائی اپنے اس مقصد میں بہت حد تک کامیاب بھی ہیں، لیکن مذہب اسلام نے ایک طرف غریبوں اور مساکین کی مدد کی تعلیم دی تو دوسری طرف اس کے ساتھ چند ایسے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں کہ جن کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی، اللہ تعالی نے قرآن میں اعلان کیا کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو اور خرچ کرنے والے اصحاب حاجت کو دینے کے بعد احسان نہ جتلائے اور نہ ریا و نمود کے لئے دوسروں سے اس کا تذکرہ کرے اور جس پر خرچ کیا ہے اسے کسی طریقہ سے تکلیف نہ پہنچائے تو اللہ تعالی ان کو اجر خاص عطا فرمائے گا اور اگر اس

کے برعکس ہو تو پھر اس کا خرچ کیا ہوا مال باطل ہے، جس سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا، اسی طرح اللہ تعالی نے یہ تاکید کی کہ اگر آدمی سائل کو کچھ نہ دے سکے تو اچھے اسلوب میں معذرت کر دے اور اگر سائل کسی بات کے ذریعہ تکلیف پہنچائے تو اسے درگذر کر دے، یہ ایسے صدقات وخیرات سے بہتر ہے جن کے بعد صاحب حاجت کو اذیت پہنچائے اور احسان جتائے، حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالی صدقہ کر کے احسان جتلانے والے کی طرف نہ دیکھے گا اور نہ اس سے بات کرے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا(مسلم : ۲۹٤) ۔ اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی سائل کے ساتھ نرمی اور اچھے اسلوب کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا اور سائل کو جھڑکنے اور اس کے ساتھ سخت رویہ برتنے سے اس آیت میں منع فرمایا" واما السائل فلا تنھر "(الضحی : ١٠) کہ تم نادار کے سوال سے گھبرا کر جھڑکنے ڈانٹنے کا شیوہ اختیار نہ کرو بل کہ فراخ دلی وخوشحالی کے ساتھ پیش آو، حدیث میں سائلین کے ساتھ آپ ﷺ کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ ﷺ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں اللہ کے راستہ میں صدقات وخیرات کرنے کی بکثرت ترغیب وارد ہوئی ہے، اور ساتھ میں اخلاص کی شرط لگائی گئی ہے، فرمان باری ہے' اللہ کی راہ میں تم جو بھلی چیز دو گے اس کا فائدہ خود پاوگے، تمہیں صرف اللہ تعالی کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہئے تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا(البقرہ :٢٧٢) ۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ خرچ کرنے والے شخص کے حق میں ایک فرشتہ اس کے مال میں برکت کی دعا کرتا ہے، اور مال نہ خرچ کرنے والے کے مال کی بربادی کی بددعا کرتا ہے(مسلم : ١٠١٠) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی صرف اسی مال کا حقیقی مالک ہے جسے وہ خرچ کرتا ہے اور جسے وہ خرچ نہیں کرتا اس مال کے مالک اس کے وارثین ہیں(بخاری : ٦٤٤٢) لیکن مال خرچ کرنے کے لئے کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے بل کہ خیر کے کاموں میں رغبت رکھنے والے کے لئے ہر دن جتنا ممکن ہو سکے اتنا مال خرچ کرنا سنت ہے، البتہ رمضان میں اور خصوصا آخری عشرہ میں زیادہ افضل ہے(فتح المعین :

١٢٤)۔اس اعتبار سے ماہ رمضان اللہ کی راہ میں مال وزر لٹانے کے لئے سب سے افضل وقت ہے،اسی مناسبت سے ماہ رمضان میں مانگنے والوں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے اس اعتبار سے کچھ غیر مستحق حضرات بھی موقع کا فائدہ اٹھا کر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں جن کی حقیقت سے ہم ناواقف اور نا آشنا ہوتے ہیں اور کچھ غیر مسلم بھی اسلامی لباس میں دروازہ پر نمودار ہوکر چند مشہور جملے اس میں اللہ کا واسطہ دے کر بھیک مانگتے ہیں اور لوگ بغیر سوچے سمجھے کچھ رقم ان کے حوالے کردیتے ہیں،اگر یہ رقم نفلی صدقات کی ہے تو غیر مستحق یعنی مالدار اور کافر کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے (**مغنی المحتاج : ٤/٣٠٣**) ۔لیکن اگر یہ رقم زکوۃ کی ہے تو پھر غیر مستحق اور کافر کو دینا عندالشوافع جائز نہیں ہے، اگر کسی نے دیا تو ادا بھی نہ ہوگی(**المجموع : ٦/٢٢١**) کیوں کہ حدیث پاک میں آپ ﷺ نے فرمایا " تـوخـذ من اغنيائهم و ترد علی فقرائهم " کہ زکوۃ مسلمان مالداروں سے لیکر مسلمان فقراء پر خرچ کی جائے گی(**مسلم : ١٢١**) ۔اور بہتر تو یہ ہے کہ زکوۃ وصدقات کی ادائیگی کے لئے اپنے رشتہ داروں اور گاوں کے لوگوں کا انتخاب کریں،بل کہ گاؤں کے وہ لوگ جو زکوۃ کے مستحق ہونے کے باوجود غیرت وشرمندگی کی وجہ سے اپنے دردوغم کو سوائے اللہ تعالی کے کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے ایسے لوگوں کو تلاش کر کے زکوۃ کا نام لئے بغیر بھی انھیں رقم پہنچانے کی کوشش کریں،اس طرح آپ کی زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی اور ان کی ضرورت بھی مکمل ہوگی۔☆☆☆

آمدِ رمضان پر بارانِ رحمت

آمدِ رمضان سے کئی دن پہلے ہی سے رمضان کے تذکرہ میں لوگ رطب اللسان نظر آتے ہیں،اس کے روزوں، تراویح،تلاوتِ قرآن، اعتکاف، زکوۃ وغیرہ عبادتوں کی ادائیگی کی فکراورعزم مسلمانوں کے دلوں میں جوش مارنے لگتا ہے، کئی لوگ رمضان میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کی غرض سے اپنے کام کاج کی ترتیب کوتبدیل کرتے ہیں،مسلم اسکولوں کے وقت میں بھی ردوبدل ہوتا ہے، یہاں تک کہ سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں بھی مسلم ملازمین کے ساتھ رعایت برتی جاتی ہے،کئی معصوم بچے جوابھی نہ اچھی طرح بات کرسکتے ہیں اور نہ ان کے اندر بھوک وپیاس کو برداشت کرنے کی سکت وطاقت ہے اپنے والدین سے پورے مہینہ کے روزے رکھنے کے عزم وارادہ کا اظہار کرتے ہیں، مستورات کورمضان کی مناسبت سے گھر کے ساز وسامان کی دیگر مہینوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ فکر ستاتی رہتی ہے اورمہینہ بھر کے لئے ضروری اشیاء کوخرید کرسکون کی سانس لیتی ہیں، مالدار حضرات اپنی زکوۃ کوالگ کرکے مستحقین کے انتظار میں رہتے ہیں،غریبوں محتاجوں اور بے کسوں کے لئے رمضان کا مہینہ بڑاہی مہرباں ثابت ہوتا ہے،الغرض رمضان اپنی بے انتہا خصوصیات کی بناء پرایک منفرداورممتاز مہینہ کہلاتا ہے،اسی لئے اس کی آمد پرامیر وغریب، مرد وعورت ، نوجوان وبوڑھے ہرایک شاداں وفرحاں نظرآتے ہیں جیسا کہ کسی بڑے مکرم ومعظم مہمان کی آمد پر گھر کے سبھی افراد کے چہروں پر خوشی کے پھول کھلتے نظرآتے ہیں،تمام مسلمانوں کے رہن سہن، چال چلن، عادات واطوار،لباس وپوشاک اور گفت وشنید میں رمضان کا اثر نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے،اسی لئے رمضان میں بے نمازی نماز کے پابند،شراب وجوئے کے عادی ذکر وتلاوت میں مشغول اور جھوٹ وغیبت کے ماہر اللہ کی تسبیح وتقدیس

میں منہمک نظر آتے ہیں، مسلمانوں کی یہ عجیب کیفیت بعض کفار کو بھی متأثر کردیتی ہے اور وہ بھی ٹوپی وکرتہ پہنے روزہ رکھ کر رمضان کا لطف اٹھاتے ہیں۔

ماہِ رمضان میں مسلم علاقوں میں جو دینی فضاء اور اچھا ماحول قائم ہوتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ اس مہینہ کے آتے ہی مسلمانوں کی ایمانی شمع روشن اور فروزاں ہوجاتی ہے، سویا ہوا ایمان جاگ جاتا ہے، مردہ دل زندہ ہوجاتے ہیں، سخت طبیعتیں نرم ہوجاتی ہیں، گناہوں کی محبت نفرت میں بدل جاتی ہے، جرائم کے بازار ٹھنڈے ہوکر اعمال صالحہ کے کارخانے کھل جاتے ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين" کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروزے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازہ بند کردیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ لیا جاتا ہے،(بخاری : ۱۸۹۸) ۔گویا ماہ رمضان بنجر زمین کے لئے بارش، بھٹکے ہوئے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ، گنہ گاروں کے لئے مغفرت کا سمندر، نیکیوں کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، کیونکہ اس مہینہ کا تعلق روزہ اور تراویح سے ہے اور حدیث پاک میں روزہ دار اور اس ماہ میں عبادت کرنے والے کے لئے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا " من قام رمضان إيمانا وإحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه" کہ جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام (تراویح) کیا تو اس کے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کردئے جاتے ہیں(بخاری : ۳۷) نیز روزہ دار کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک مخصوص دروازہ متعین کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا" إن في الجنة بابا يقال له الريان يدخل منه الصائمون يوم القيمة لا يدخل منه أحد غيرهم ، يقال أين الصائمون فيقومون لا يدخل منه أحد غيرهم فاذا دخلوا أغلق فلم يدخل منه أحد" کہ جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کا نام ریان ہے، قیامت کے دن اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے، ان کے سوا اس سے کوئی داخل نہ ہوگا، آواز لگائی جائے گی کہ روزہ دار کہاں ہے، تو وہ کھڑے ہوں گے، ان کے سوا اس سے کوئی داخل نہ ہوگا، جب وہ داخل ہوجائیں گے تو اس دروازہ کو بند کردیا جائے گا، پھر اس سے کوئی اور

داخل نہ ہوگا(بخاری :۱۸۹۶)۔

سخاوت اور اللہ کی رضاء کے لئے اپنا مال خرچ کرنا انتہائی محبوب عمل ہے،لیکن اگر اسی عمل کو محبوب وقت میں کیا جائے تو اور محبوب اور افضل بن جاتا ہے، اسی لئے افضل اوقات میں کثرت سے صدقہ وخیرات کرنا خاص طور پر سنت ہے، چنانچہ علامہ خطیب شربینیؒ نقل کرتے ہیں "ویسن الإکثار من صدقة فی رمضان " کہ رمضان میں صدقہ میں کثرت کرنا سنت ہے(الإقناع مع تحفة الحبیب علی شرح الخطیب:۲/ ۳۲۲) ۔اس لئے کہ آپ ﷺ کی سخاوت کی رفتار رمضان میں کافی تیز ہوجاتی تھی ،حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں " کان رسول الله ﷺ أجود الناس و کان أجود مایکون فی رمضان حین یلقاه جبرئیل ، فلرسول الله ﷺ حین یلقاه جبرئیل أجود بالخیر من الریح المرسلة " کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب بھی حضرت جبرئیل آپ ﷺ سے ملتے تو اور بھی زیادہ سخاوت کرنے والے ہوجاتے اور حضرت جبرئیل کی ملاقات کے وقت بھلائی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ آپ ﷺ سخاوت کرنے والے ہوجاتے (بخاری:۱۹۰۲)

اگر ماہ رمضان نہ ہوتا تو یقیناً گنہ گاروں کو اپنی بخشش کرانے کے لئے اتنا بہترین موقع ہاتھ نہ آتا، روزے نہ رکھنے کی صورت میں دوسروں کی پیاس وبھوک کا احساس پیدا نہ ہوتا، رمضان کی خصوصی تجلیات وانوارات سے محروم رہنا پڑتا، نیک لوگوں کے پاس اپنے درجات کی بلندی کا اتنا اچھا کوئی ذریعہ نہ ہوتا، دعاؤں کی قبولیت کے لئے ترستے رہنا پڑتا، اللہ کی نعمتوں اور برکتوں سے ناواقفیت ہی مقدر ہوتی ،نوافل کی ادائیگی پر فرائض کا اور ایک فرض پر ستر فرائض کا ثواب حاصل نہ ہوتا، غریبوں اور مسکینوں کی غربت ومسکنت میں کمی واقع نہ ہوتی ، نافرمان اور مجرم لوگوں میں تبدیلی واقع نہ ہوتی ، راہ بھٹکوں کو منزل کا پتہ نہ چلتا اور وہ ساری خوبیاں اور اوصاف جن کا تعلق اس مبارک ماہ سے ہے ہمیں ان سے محروم رہنا پڑتا اور آمد رمضان پر مسلمانوں میں جو خوشی کے بادل سایہ کئے ہوتے ہیں وہ تلاش بسیار کے باوجود حاصل نہ ہوتے ، لیکن اللہ کے اس قیمتی تحفہ کے بعد بھی بہت سے لوگوں پر رمضان آتا ہی نہیں

ہے،ان کی ایمانی قندیل میں حرارت ہوتی ہی نہیں،ان کے ناپاک دلوں پر بارانِ رمضان کا اثر ہوتا ہی نہیں،اسی لئے وہ اس مہینہ میں بھی روزہ رکھنے کے بجائے جانوروں کی طرح معمول کے مطابق کھانے پینے میں مشغول اوران کے کان وزبان قرآن کی تلاوت کرنے وسننے کے بجائے فحش اورشہوت انگیز گانے گنگنانے اور سننے میں منہمک رہتے ہیں اوران کی آنکھیں رمضان کی نورانیت سے منور ہونے کے بجائے دیگرایام کی طرح فلم اورسیریل کے ذریعہ عریاں اورننگی تصویریں دیکھنے سے تھکتی نظرنہیں آتیں،ان کورمضان کی آمد کا احساس رمضان کے اختتام پر چاندرات میں ہوتا ہے،ایسےلوگ اخروی اعتبار سے تو محروم ہے ہی لیکن دنیوی اعتبار سے بھی رمضان اورعید کی حقیقی خوشی سے محروم رہتے ہیں کیونکہ جوشخص موتیوں کے سمندر سے اپنے دامن کونہ بھرلےاوراس میں سے قیمتی سے قیمتی موتیوں کو نہ چن لےتو اسے اس شخص کی بدنصیبی اور بدبختی ہی کہی جاسکتی ہے،اس لئے اس بابرکت ماہ کی قدر کرتے ہوئے پورے مہینہ کواللہ کی اطاعت میں گذارنا چاہیئے تاکہ ہمارے لئے مغفرت کا سامان مہیا ہوجائے اوررمضان کی حقیقی خوشیاں میسرآجائیں۔☆☆☆

آٹھواں باب

پیغام سیرت

☆......رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کے چند نمونے

☆......وہ مذاق بھی باعث ثواب ہے جو طرز نبوی پر ہو

☆......وہ نیند بھی باعث عبادت ہے جو طریق نبوی پر ہو

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کے چند نمونے

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے بے انتہاء اور والہانہ محبت ہے، اس کی محبت ورحمت ہوا اور پانی کی طرح ہر ایک کے لئے عام ہے، وہ رحمٰن بھی ہے اور کریم بھی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ جانوروں، چرند پرند اور کیڑوں مکوڑوں ہر ایک کے لئے رزق کا انتظام کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحم وکرم کا بہت ہی معمولی حصہ اپنی مخلوق میں ودیعت کیا ہے، جس کی وجہ سے انسانوں میں آپسی محبت والفت، بھائی چارگی، غم خواری وغمگساری اور ہمدردی نظر آتی ہے، تو جانوروں میں بھی محبت و شفقت کا نمونہ دیکھنے ملتا ہے، لیکن مخلوق خدا کی محبت وشفقت کا دائرہ مخصوص اوقات وحالات اور مخصوص افراد تک محدود رہتا ہے، جیسے کہ والدین کی محبت اپنی اولاد کے ساتھ، اساتذہ کی شفقت اپنے شاگردوں پر، آقا اور مالک کا حسن سلوک اپنے نوکروں سے، ایک شوہر کا پیار اپنی بیوی اور ایک دوست کے بہترین تعلقات اپنے دوست کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں، لیکن مخلوق خدا ہی میں سے ایک ایسا انسان جس کی محبت کسی خاص فرد اور وقت کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اس کی شفقت کا دائرہ انتہائی وسیع کہ اس کی شفقت سے نہ کبھی بچے محروم ہوئے، نہ عورتیں مایوس ہوئیں، نہ نوجوانوں اور بوڑھوں کو اس کی محبت کی کمی کا احساس ہوا، جو عفو درگذر میں سب سے ممتاز، مہربانی وکرم فرمائی میں سب سے نمایاں، بھلائی اور خیر سگالی میں دوسروں کے لئے نمونہ اور اسوہ، کیوں کہ اس کی ذات سراپا رحمت تھی، صرف اپنوں کے لئے نہیں بلکہ پرایوں کے لئے بھی، صرف دوستوں کے لئے نہیں بلکہ دشمنوں کے لئے بھی، صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ جانوروں اور حشرات الارض کے لئے بھی، یہاں تک کہ غلامی کا طوق پہنے ہوئے غلام بھی آپ کی شفقت ومحبت سے محروم نہیں تھے جس کی گواہی دشمنوں نے بھی دی، دنیا والوں

نے بھی دی فرشتوں نے بھی دی اور خود اس کائنات کے خالق، عرش وکرسی کے مالک نے اس کا اعلان کیا کہ ہم نے ہمارے لاڈلے حبیب محمد عربی ﷺ کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، ارشاد باری ہے "وما أرسلنٰك الا رحمة للعلمين" (الانبياء: ۱۰۷) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "من آمن بالله واليوم الآخر كتب له الرحمة فى الدنيا والآخرة ومن لم يؤمن بالله ورسوله عوفى مما أصاب الامم من الخسف والقذف" کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے آپ ﷺ کی ذات دنیا وآخرت دونوں جہاں میں رحمت ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے اس اعتبار سے رحمت ہے کہ وہ سابقہ امتوں پر نازل شدہ دھنس جانے اور پتھروں کے عذاب سے محفوظ رہے گا (المعجم الكبير: ۱۲۳۸۷) شارح بخاری شیخ شمس الدین قشیریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام مومنین کے لئے ہدایت، منافقین کے لئے قتل سے امان، کافروں کے لئے عذاب کے نزول میں تاخیر اور اہل کبائر کے لئے شفاعت کے اعتبار سے کامل طور پر رحمت ہیں (شرح صحيح البخارى: ۱۴/۳۴) آپ ﷺ کی رحمت کا بہت زیادہ حصہ آپ ﷺ کی امت کو حاصل ہوا ہے، کہ آپ ﷺ اپنی قیامت تک آنے والی امت کے لئے باعث رحمت ہیں، نیز اخروی زندگی میں بھی آپ ﷺ کی رحمت کی برسات اس امت پر ہوگی کہ آپ ﷺ حشر کے میدان میں سفارش فرمائیں گے، اہل جنت کے درجات کی بلندی کی درخواست فرمائیں گے (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم: ۶۷/۱۹) ۔ اور نبی اقدس ﷺ نے خود اپنی ذات کے چشمہ رحمت ہونے کا اعتراف کیا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ مشرکین کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے جواب دیا "انى لم أبعث لعانا وانما بعثت رحمة" کہ میں لعنت اور بدعاء کرنے کے لئے بھیجا نہیں گیا ہوں بلکہ میں رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں (مسلم: ۲۵۹۹) جیسا کہ علامہ مودودیؒ مذکورہ آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت دراصل نوع انسانی کے لئے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے، کفار مکہ حضور ﷺ کی بعثت کو اپنے لئے زحمت سمجھتے تھے اور کہتے تھے اس شخص نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے، اس پر فرمایا

گیا کہ نادانو! تم جسے زحمت سمجھتے ہو یہ درحقیقت تمہارے لئے خدا کی رحمت ہے (تفہیم القرآن:۳/ ۱۹۲)۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ جو احادیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے اس کے پڑھنے اور مطالعہ سے قرآن کریم کی آیت اور خود آپ کے فرامین کی صداقت شمس وقمر کی طرح روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے، کبھی آپ ﷺ نے غلاموں کو مارنے سے منع فرمایا تو کبھی جانوروں کو تکلیف دینے سے روکا۔ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے آواز دے کر تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا"اعلم یا أبا مسعود ان الله أقدر علیك منك علی هذا الغلام" کہ اے ابو مسعود! اللہ تعالی تجھ پر اس سے کہیں زیادہ قادر ہے جتنا کہ تو اس غلام پر ہے تو میں نے کہا کہ میں اس غلام کو اس کے بعد کبھی نہیں ماروں گا (مسلم :٤٣٠٦)۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے کہا کہ اس غلام کو میں نے آزاد کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا"أما لو لم تفعل للفحتك النار" کہ اگر تم اس کو آزاد نہ کرتے تو آگ تم کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی (مسلم :٤٣٠٨)۔ نیز ہشام بن حکیمؓ سے روایت ہے کہ ان کا ملک شام میں کچھ عجمی کاشتکار لوگوں پر گذر ہوا جن کو دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر زیتون کا تیل لگایا گیا تھا انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے تو ان کو بتلایا گیا خراج ادا نہ کرنے کی وجہ سے سزا دی جارہی ہے تو صحابی رسول ﷺ نے فرمایا"أشهد لسمعت رسول الله ﷺ یقول ان الله یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا" کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں (مسلم :٦٦٥٧) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "نهی رسول الله ﷺ أن تصبر البهائم" کہ آپ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر نیزوں اور تیروں سے نشانہ لگا کر مارنے سے منع فرمایا (مسلم:٥٠٥٧) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم نے ایک سرخ پرندہ دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا، تو وہ پرندہ (ماں) ان کے اردگرد منڈلانے لگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "من فجع هذه بولدها" کہ اس پرندہ کو اس کے بچوں کی وجہ سے

کس نے تکلیف پہنچائی ؟ اسے اس کے بچے لوٹا دو، اسی طرح آپ ﷺ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی جس کو ہم نے جلا دیا تھا تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ بستی کس نے جلا دی؟ ہم نے جواب دیا ہم نے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:"انـه لا ينبغي أن يعذب بالنارالا رب النار" کہ آگ کا عذاب دینا تو آگ کے رب کو ہی سزاوار ہے(ابو داؤد:٥٢٦٨) آپ ﷺ نے جانور کے چہرے کو داغنے اور کسی زندہ جانور کو نشانہ بنانے سے بھی منع فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے" لعن الله الذی وسمه " اللہ کی اس شخص پر لعنت ہے جس نے کسی جانور کے چہرے کو داغا(مسلم :٥٥٥٢)۔

اس کے علاوہ بھی سینکڑوں مثالیں اور واقعات ایسے موجود ہیں جن سے آپ ﷺ کا شفیق ومہرباں ہونا بالکل واضح ہوتا ہے، مذہب اسلام کے اس داعی کی تعلیمات اوراس کے اقوال اورافعال پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کی ذات سراپا رحمت تھی اورآپ کو جس لقب اور جس صفت " رحمة للعالمين " کے ساتھ اس روئے زمین پر بھیجا گیا تھا یقیناً آپ اس کے حقدار تھے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ بے حد نرم دل تھے، آپ کی آنکھیں بہت جلد نم اور اشکبار ہوجاتیں، آپ صحابہ کرام کو کمزور لوگوں اور بے زبان جانوروں کے ساتھ نرمی کا حکم فرماتے اوران کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کو منع فرماتے(نبی رحمت :٦١١) نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنے والے اگر نبی رحمت کی ان صفات سے ہی واقف ہوجائیں تو وہ اسلام میں داخل ہوجائیں گے، لیکن ہماری اپنی کوتاہی یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل نہیں کی تو دوسروں کو کیا واقف کرائیں؟ اوراگر ہم کسی قدر واقف ہیں بھی تو ہمیں اپنا تجزیہ کرنا ہوگا کہ ہم انسانوں کے ساتھ اوراس سے کئی گنا زیادہ اپنے اوردوسروں کے جانوروں کے ساتھ کس قدر بے رحمی سے پیش آتے ہیں، اسی لئے ایک مسلمان کو اپنے نبی کا سچا عاشق بننے کے لئے جہاں عبادات، معاملات اورمعاشرت، حقوق اللہ اورحقوق العباد کو مکمل طور پر سنت نبوی کے مطابق پورا اورادا کرنا ضروری ہے، وہیں بے زبان مخلوق کے ساتھ بھی انتہائی رحم دلی اورمحبت کے ساتھ پیش آنا ضروری ہے، اپنے غلاموں اورنوکر چاکروں سے بھی ہمارا برتاؤ مشفقانہ ہونا لازم ہے، اپنے

ماتحتوں کے ساتھ بھی ہمارا معاملہ اور رویہ محبت بھرا ہونا چاہئے، کیونکہ اگر کوئی اپنے اعمال واطوار کے اعتبار سے کتنی ہی ترقی کرلے، آپ ﷺ کی اہانت اور توہین کے موقع پر کتنے ہی مظاہرے اور احتجاج کرلے لیکن اگر وہ اس پہلو میں کوتاہ ہے تو خود اس کے خلاف مظاہرہ اور احتجاج ہونا چاہئے اور یقیناً ایسا انسان مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکتا اور نہ آپ ﷺ سے سچی محبت کا دعوی کرسکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جس طرح ہمارے ذہنوں میں "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" کہ کامل مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (مسلم : ٦٤٨٤) کے الفاظ گردش کرتے رہتے ہیں، ویسے ہی مذکورہ احادیث بھی ہمارے قلب ودماغ میں محفوظ رہیں، اور عملی زندگی میں ان احادیث کا عکس نظر آئے تاکہ یہ بات ثابت ہوجائے کہ محمد ﷺ کا نام صرف ہماری زبان پر ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل کی گہرائی میں اتر چکا ہے، آپ ﷺ کی ذات ہمیں دل وجان سے زیادہ محبوب ہے، آپ ﷺ کا ہر قول وفعل ہمارے نزدیک ہر چیز سے عزیز ہے، ہم صرف ارکان اسلام کی ادائیگی تک اور انسانوں کے درمیان ہی محمدی نہیں بلکہ جانوروں کے درمیان بھی محمد ﷺ کے سپاہی اور پیروکار ہیں، ہم صرف اپنوں کے حق ہی میں خیر خواہ نہیں بلکہ ہمارے دشمن بھی ہماری خیرخواہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر واقعتاً ہمارا سلوک انسانوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی ہر مخلوق کے ساتھ بھی مشفقانہ اور رحیمانہ ہوجاتا ہے تو پھر ہماری نجات یقینی ہے اور اللہ کی رضاء اور آخرت کی کامیابی لازمی ہے اور آخرت میں آپ ﷺ کی سفارش یقینی ہے، ورنہ زبان سے نبی کے عاشق ہونے کا دعوی کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں۔ ☆☆☆

وہ مذاق بھی باعث ثواب ہے جو طرز نبوی پر ہو

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو پیدا کیا ہے، اسی فطرت کے تقاضہ کے مطابق انسان مختلف اوقات میں الگ الگ حالات میں نظر آتا ہے، کبھی تو سنجیدہ، کبھی غصہ میں، کبھی خاموش تو کبھی محو گفتگو، کبھی مزاح و مذاق کی کیفیت میں تو کبھی بارعب و باوقار، پھر ان صفات میں سے کوئی صفت کسی کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی ہے تو دیگر صفات کا اظہار بہت کم ہوتا ہے، یعنی کوئی آدمی فطری طور پر سنجیدہ ہو تو اس کا غصہ سے واسطہ کم پڑتا ہے، اسی طرح کوئی شخص بہت زیادہ باوقار اور بارعب ہو تو وہ مذاق اور دل لگی کم کرتا نظر آتا ہے، اس کے برعکس جسے بہت زیادہ مذاق کی عادت ہو اس کا رعب اور وقار لوگوں کے مابین ختم ہو جاتا ہے، نیز جو کم گو ہوتا ہے وہ ہمیشہ سنجیدہ نظر آتا ہے، الغرض ہر انسان کی اپنی اپنی پہچان ہوتی ہے اور لوگوں کے درمیان اسی پہچان سے وہ معروف و مشہور ہوتا ہے، لیکن انسان کا کمال تو یہ ہے کہ وہ کسی خاص صفت سے متصف ہونے کے باوجود وہ وقت اور حالات کے تقاضہ کے مطابق دیگر صفات کو بھی بروئے کار لاتا ہو، جیسے کوئی آدمی حلیم اور بردبار ہو لیکن جب کسی موقع پر غصہ کرنے اور زجر و توبیخ کرنے کی ضرورت ہو وہاں وہ غصہ سے بھی کام لیتا ہو، اسی طرح کوئی انسان انتہائی بارعب اور باوقار ہو مگر وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے وہ مذاق اور مزاح سے بھی گریز نہ کرتا ہو، کیونکہ یہ چیز اعتدال اور توازن کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے، جس کے بغیر انسان اعلی کردار اور بلند اخلاق کا مالک نہیں بن سکتا اور یہ اعتدال اور توازن حضور ﷺ کی ذات اقدس میں مکمل طور پر پایا جاتا تھا، اسلئے کہ آپ انتہائی باوقار شخص تھے، آپ کے رعب و وجاہت کا قیصر و کسریٰ کے شاہی درباروں میں بھی اثر تھا، دشمن کا کوئی قاصد پہلی بار آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں نمودار ہوتا تو آپ

سے ایسا مرعوب ہو جاتا کہ یا تو اسلام کی صداقت قبول کر لیتا، یا واپس جا کر تا جدار مدینہ ﷺ کے وقار اور ہیبت کے چرچے کرتا، کیونکہ آپ ﷺ کا رعب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک مہینہ کی مسافت تک آپ کا رعب پہنچتا، لیکن اس کے باجود آپ کی ذات مبارکہ مذاق اور دل لگی میں بھی ممتاز تھی اور آپ کبھی کبھار مذاق و مزاح بھی فرمایا لیا کرتے تھے، اس کی وجہ شیخ زکریاؒ نے یوں لکھی ہے کہ اگر حضور ﷺ تبسم اور مذاق کا اہتمام نہ فرماتے تو حاضرین کو آپ کے رعب کی وجہ سے پاس رہنا مشکل ہو جاتا اور انتفاع کے اسباب مسدود ہو جاتے، نیز قیامت تک آنے والے مشائخ و اکابر جو حضور ﷺ کی اتباع میں جان توڑ کوشش کرتے ہیں، وہ قصداً تبسم اور مزاح سے گریز کرتے، جس سے ان کے متعلقین کے لئے یہ طرز مشکلات کا سبب بنتا، حق تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے اس پاک ہستی پر جس نے امت کے لئے ہر طرح کی سہولت کا دروازہ کھول دیا (شمائل ترمذی اردو: ۳۱، ۱۲۲)۔

آپ ﷺ کے مذاق کے چند نمونہ

احادیث پاک میں جب حضرات صحابہؓ نے آپ کی پوری زندگی کے ہر ہر پہلو کو بیان کیا ہے تو صحابہؓ سے یہ بات بعید ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مذاق اور مزاح کے واقعات سے صرف نظر کرتے، چنانچہ درج ذیل سطور میں ان واقعات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے، جن سے آپ ﷺ کے مذاق کا طرز اور طریقہ بخوبی واضح ہو جائے گا، چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے سواری مانگی تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تم کو اونٹنی کا بچہ دیتا ہوں، تو اس نے کہا کہ میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا" وهل تلد الابل الا النوق" کہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے (ترمذی:۱۹۹۱) اسی طرح حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے میل جول میں مذاق فرماتے تھے چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا تو آپ نے اس سے فرمایا" یا أبا عمير ما فعل النغير" اے ابو عمیر اس نغیر کا کیا حال ہے (بخاری:۶۲۰۳) نغیر ایک پرندہ تھا جس کو حضرت انسؓ کے بھائی نے پال رکھا تھا اور اس سے کھیلا کرتا تھا لیکن جب وہ مر گیا تو آپ کو اس کا علم ہونے کے باوجود

مذا قا آپ ﷺ نے اس کے متعلق سوال کیا، نیز ایک چھوٹے بچہ کو آپ ﷺ نے کنیت سے آواز دے کر اس سے مذاق فرمایا، حضور ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرما دے، آپ ﷺ نے فرمایا " یا ام فلان ان الجنة لا تدخلها عجوز" کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہ ہوگی تو وہ عورت روتی ہوئی واپس جانے لگی تو حضور ﷺ نے فرمایا: اس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کے ساتھ داخل نہ ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ سب جنتی عورتوں کو نو عمر کنواریاں بنا دیں گے(شرح السنة للبغوی:٣٦٠٦) آپ ﷺ کا مذاق جھوٹ اور غلط باتوں سے پاک اور بے غبار رہتا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے بھی مذاق کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "انی لا أقول الا حقا" ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا(ترمذی :١٩٩٠) صحابہؓ کے سوال کا منشاء یہ تھا مذاق کرنا بڑے آدمی کے شان کے خلاف ہے کہ یہ وقار کو گرا دیتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے مذاق کی خاصیت یہ ہے کہ میں مذاق میں جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔

آپ ﷺ کے مذاق اور ہمارے مذاق میں فرق

مذکورہ واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ کا مذاق نہ کسی کے لئے رنج وغم کا باعث ہوتا، نہ کسی کے لئے تکلیف واذیت کا سبب بنتا اور نہ آپ ایسا مذاق کرتے جس سے کسی کی تحقیر وتذلیل مقصود ہوتی، نہ آپ کا مذاق اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والا ہوتا، نہ آپ اپنے مذاق میں کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالتے، اس کے برخلاف ہمارا مذاق کرنے کا جو طریقہ ہے، اس سے عام طور پر ہمارا مخاطب کبھی ایسا رنجیدہ اور ناراض ہوجاتا ہے کہ پھر کبھی وہ ہمارا سامنا کرنے کو تیار نہیں ہوتا اور اکثر ہمارا مذاق یا تو کسی کی دل شکنی، کسی کی توہین وتذلیل، کسی کو اذیت ومصیبت پہچانے اور کسی کو پریشان وبیزار کرنے پر مشتمل ہوتا ہے، یا پھر ہمارے مذاق کا مقصد وقت گذاری اور تفریح کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اس سے بڑھ کر کبھی یہ مذاق آپسی جنگ وجدال کا سبب بن جاتا ہے، جس سے اچھا خاصا

ماحول خراب ہوجاتا ہے اور خوشگوار تعلقات میں تلخی پیدا ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں مذاق کرنے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا" لا تمار أخاك ولا تمازحه" کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا مت کرو اور اس کے ساتھ مذاق مت کرو(ترمذی: ١٩٩٥) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں جس مذاق سے منع فرمایا گیا ہے اس سے مراد ایسا مذاق ہے جو قساوت قلب کا باعث بن جائے، یا اللہ کے ذکر سے غافل کردے، یا ایذاء مسلم کا سبب بن جائے، یا وقار اور ہیبت کو ختم کردے، البتہ جو مذاق ان امور سے پاک وصاف ہو وہ مذاق مستحب اور پسندیدہ ہے(مرقاة المفاتیح :٩/١٠٥)۔

لہذا ہم اپنے دوست واحباب، اعزاء واقرباء اور گھر والوں کے ساتھ مذاق اور دل لگی کرتے وقت اپنے مذاق کو شرعی حدود میں رکھنے کی کوشش کریں اور جھوٹ اور فحش باتوں سے اجتناب کریں، تاکہ ہمارا مذاق آپسی بغض وعناد کے بجائے ایک دوسرے کی دلداری اور انبساط کا ذریعہ بنے اور ہمارے مذاق سے شرور وفتن وجود میں آنے کے بجائے خیر وجود میں آئے اور آپس میں محبت واخوت عام ہوجائے، نیز ہمارا مذاق گناہ کے بجائے ثواب کے حصول کا ذریعہ بن جائے، تاکہ اللہ کی رضاء اور خوشنودی ہم کو حاصل ہوجائے۔☆☆☆

وہ نیند بھی عبادت ہے جو طریق نبوی پر ہو

دنیا کی ہر مخلوق کے لئے بعض چیزیں اس کی ضروریاتِ زندگی میں سے ہیں، جیسے کھانا پینا وغیرہ، اسی میں ایک آرام وسکون کے لئے سونا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے انعام ہے، اللہ نے فرمایا ”وجعلنا نومکم سباتا“ کہ ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا(النبأ: ۹) دوسری جگہ اللہ نے نیند کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا”ومن ایته منامکم بالیل والنھار“ کہ تمہاری راتیں اور دن کی نینداس کی قدرت کی نشانی ہے(الروم:۲۳) اور جو شخص اس نعمت خداوندی سے محروم ہوتا ہے وہ پریشان رہتا ہے، اگرچہ سونا ایک مباح کام ہے اور اللہ کی ہر مخلوق سوتی ہے، لیکن تمام مخلوقات میں انسان اشرف مخلوق ہے اور انسانوں میں مسلمان سب سے افضل ہے، اس لئے اسلام نے بہت سی چیزوں کو عبادت اور باعث ثواب قرار دیا ہے، اسی طرح مباح کاموں کو بھی باعث اجر بنانے کا طریقہ بتلایا ہے اور سونا جو ایک مباح کام ہے وہ بھی باعث ثواب بن سکتا ہے جب کہ آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق سویا جائے، اس لئے آپ ﷺ کے سونے کا طریقہ اور آپ ﷺ نے سونے والے کے لئے کیا ہدایات فرمائی ہیں، ان کا جاننا ضروری ہے تا کہ ہمارا سونا بھی عبادت بن جائے، اس لئے درج ذیل سطور میں آپ ﷺ کے ان فرمودات کو نقل کیا جا رہا ہے جو آپ ﷺ سے سونے والے کے حق میں منقول ہیں۔

سوتے وقت لیٹنے کا سنت طریقہ

سونے سے پہلے وضو کر کے اپنے بستر کو جھاڑ لے تا کہ کوئی نقصان پہنچانے والی چیز ہو تو وہ دور ہو جائے اور اپنے داہنے ہاتھ کو داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ لیٹ جائے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ” إذا أتيت مضجعك فتؤضأ“ کہ جب تم بستر پر آؤ تو وضو کرلو(بخاری :۶۳۱۱)نیز

آپ ﷺ نے فرمایا" إذا ا وىٰ أحدكم إلى فراشه فلينقض فراشه بداخلة إزاره فإنه لا يدرى ما خلفه عليه" کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بستر کے پاس آئے تو لنگی کے کنارے سے (یعنی کسی کپڑے سے یا بذات خود بستر کو ہی) جھاڑ دے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے پیچھے بستر پر کیا چیز آ گئی ہے(ابو داؤد : ٥٠٥٠)۔اور آپ ﷺ نے فرمایا"اذا اوى الى فراشه نام على شقه الأيمن" کہ جب کوئی بستر پر آئے تو داہنی کروٹ پر سوئے(بخاری:٦٣١٥) ۔حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں"كان النبى ﷺ اذا أخذ مضجعه من الليل وضع يده تحت خده " کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں اپنے داہنے ہاتھ کو داہنے رخسار کے نیچے رکھتے(بخاری : ٦٣١٤) اس طریقہ کے علاوہ چت لیٹ کر ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر سونا مکروہ ہے، جب کہ لنگی جیسی چیز کے پہننے کی وجہ سے ستر کھلنے کا اندیشہ ہو، ورنہ اس طریقہ پر سونا جائز ہے،حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پیٹھ کے بل چت لیٹ کر ایک پاؤں کو دوسرے پاوں پر رکھ کر سونے سے منع فرمایا(ترمذی :٢٧٦٧) ۔اسی طرح اوندھا سونا بھی مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس طرح سوتے دیکھ کر فرمایا "إن هذه ضجعة لا يحبها الله" کہ اس طرح سونے کو اللہ ناپسند کرتے ہیں (ترمذی:٢٧٦٨)۔

سوتے وقت پڑھنے کے مسنون اذکار

سوتے وقت " اللهم قنى عذابك يوم تبعث عبادك " تین مرتبہ پڑھنا، اللهم با سمك أموت و أحيىٰ پڑھنا سنت ہے، اس لئے کہ ان اذکار کا آپ ﷺ سوتے وقت اہتمام فرماتے تھے(ابو داؤد: ٥٠٤٥، ٥٠٤٩)نیز اللهم أسلمت وجهى اليك وفوضت أمرى اليك والجأت ظهرى اليك رهبة ورغبة اليك لا ملجأ ولا منجأمنك الا اليك آمنت بكتابك الذى أنزلت ونبيك الذى ارسلت ، کا پڑھنا بھی مسنون ہے، اس لئے کہ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے سوتے وقت اس دعا کے پڑھنے کی وصیت فرمائی اور کہا کہ اگر اس دعا کو پڑھ

کر سو گئے اور اسی رات تم کو موت آ گئی تو تم دین اسلام پر مرو گے (بخاری: ٦٣١١)۔ اسی طرح سوتے وقت تسبیح فاطمی یعنی ٣٣۔ مرتبہ سبحان اللہ، ٣٣۔ مرتبہ الحمد للہ، اور ٣٤۔ مرتبہ اللہ اکبر کہنا سنت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ مسلمان شخص ان کو بہت معمولی سمجھتا ہے، مگر وہ اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا، اس میں سے ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمی پڑھنا اور دوسری خصلت ہے کہ سوتے وقت تسبیح فاطمی کا اہتمام کرنا، آگے فرمایا کہ سوتے وقت شیطان آدمی کے پاس آتا ہے اور اس کو برابر سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس عمل کے بغیر سو جاتا ہے (ترمذی: ٣٤١٠) اور سونے سے قبل آیت الکرسی کا پڑھنا باعث فضیلت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھے اللہ تعالی اس کی برکت سے اس کے اور اس کے آس پاس کے گھروں کی حفاظت فرماتے ہیں (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، بحوالہ مشکوۃ: ٨٩)۔

سوتے وقت پڑھنے کی مسنون سورتیں

سوتے وقت چار قل (سورہ کافرون، اخلاص، فلق، ناس،) پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرے اور جہاں تک ہو سکے اپنے ہاتھوں کو پورے بدن پر پھیر لے، کیونکہ آپ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ جب آپ رات میں بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں ہلکا سا تھتکارتے پھر ان میں چاروں قل پڑھ کر جہاں تک ہو سکے اپنے دونوں ہاتھوں کو سر، چہرے اور تمام بدن پر تین مرتبہ گھماتے (سنن ترمذی: ٣٤٠٢) اس کے علاوہ بھی سورہ سجدہ، ملک، زمر، بنی اسرائیل اور مسبحات (یعنی جن سورتوں کی ابتداء سبح، یسبح، یا سبحان سے ہوئی ہے) ان سورتوں کا پڑھنا سنت ہے اور ان تمام کا احادیث سے ثبوت ہے کہ آپ ﷺ جب تک ان سورتوں کی تلاوت نہ فرماتے نہ سوتے تھے۔

نیند میں ڈر جانے یا نیند سے بیدار ہونے پر مسنون عمل

اگر کسی شخص کی نیند ڈر کی وجہ کھل جائے تو اس وقت " أعوذ بکلمات الله التامة من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون" پڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب

تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو اس دعاء کو پڑھے، کیونکہ اس دعاء کو پڑھنے کے بعد کوئی چیز نقصان نہیں دے گی(ترمذی :۳۵۲۸) ۔اسی طرح جو آدمی رات میں بیدار ہو جائے اس کے لئے ”لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمدوھو علی کل شیء قدیر وسبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ أکبر ولا حول ولا قوۃ الا باالله“اس دعا کو پڑھنا سنت ہے،اس لئے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص رات میں بیدار ہو جائے وہ مذکورہ دعا کو پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگے وہ قبول کی جائے گی، پس اگر وہ ہمت کر کے نماز پڑھ لے تو وہ نماز بھی قبول کی جائے گی(ترمذی : ۳۴۱۴)۔

خواب دیکھنے پر مسنون کام

انسان کو اچھے اور برے دونوں طرح کے خواب نظر آتے ہیں، اگر برا خواب نظر آئے تو یہ سمجھے کہ یہ خواب شیطان کی طرف سے ہے، نیز اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے اور اس کا ذکر کسی کے پاس نہ کرے وہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر اچھا خواب دیکھے تو اس پر اللہ کی تعریف بیان کرے اور یہ سمجھے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے اور اسے بیان کرنا ہے تو اپنے نیک اور وفادار ساتھی سے بیان کرے، حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے اچھا اور برا خواب دیکھنے والے کو مذکورہ نصیحت فرمائی ہے،(ترمذی:۳۴۵۳)۔

سوکر اٹھنے کا سنت طریقہ

جب نیند مکمل ہو جائے اس پر اللہ کی تعریف کرے،اس لئے کہ جس نے سلایا تھا وہ موت کی شکل میں ہمیشہ کے لئے بھی سلا سکتا تھا،لہذا سوکر اٹھنے کے بعد ”الحمدللہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا وإلیہ النشور“ اس دعاء کو پڑھے،اس لئے کہ نبی کریم ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو اس دعاء کو پڑھتے تھے(بخاری : ٦٣١٤) اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو دھوئے کیونکہ نیند کی حالت میں ہاتھوں پر گندگی لگنے کے امکانات ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار

ہوجائے تو وہ اپنے ہاتھوں کو پانی میں داخل نہ کرے، یہاں تک کہ وہ دو تین مرتبہ ان کو دھو لے اس لئے کہ سونے والا نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ کہاں کہاں گھوم کر آئے ہیں(ترمذی : ۲٤)۔

ہمارے سونے اور جاگنے کا طریقہ

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ نے بستر پر لیٹنے سے صبح اٹھنے تک کا جو طریقہ اپنایا ہے، اور امت کو جس طرز پر سونے کی تعلیم دی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان جب سونے کے لئے اپنی آنکھیں بند کرے تو اس وقت بھی اسے اپنے مالک وخالق کا خیال ہو اور جب اس کی آنکھیں نیند کی بندش سے آزاد ہوجائے تو اس وقت بھی وہ یادِ الٰہی میں مشغول رہے، جس کی برکت سے وہ نیند کی حالتِ غفلت میں بھی خدا کے یہاں ذاکر وشاکر شمار کیا جائے گا، لیکن ہمیں اپنے سونے اٹھنے کے انداز اور معمول کا آپ ﷺ کے ان مذکورہ فرامین کی روشنی میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے، تاکہ ہمیں اپنی کوتاہی کا احساس ہو، کیونکہ چند لوگوں کے استثناء کے ساتھ اکثر لوگوں کے سونے جاگنے کا معمول خلافِ سنت ہے، خصوصا موجودہ نسل کا اللہ ہی حافظ ہے، کیونکہ کبھی تو ان کی آنکھیں ٹی وی پر فحش پروگرام دیکھتے دیکھتے ہی بند ہوجاتی ہیں، ان کے کان موبائل سے موسیقی اور شہوت انگیز گانے سنتے سنتے ہی نیند کے غلبہ کی وجہ سے اپنی قوت سماعت کھو بیٹھتے ہیں، ان کے قلوب ذکر الٰہی کے بجائے غلط اور فاسد خیالات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے اپنی حس کھو دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں شیطان پوری رات ان پر غالب اور حاوی رہتا ہے، اس لئے آنکھ بھی اس وقت کھلتی ہے جب نماز فجر کا وقت نکل چکا ہوتا ہے، یقیناً اس کا اثر دن بھر رہتا ہے، اس لئے والدین خود بھی سونے کے آداب وسنن کا خیال رکھیں اور اپنی اولاد کو بھی بچپن سے ان دعاوؤں کو یاد کرائیں، اور مذکورہ سنن پر عمل کرنے کی مشق کرائیں تاکہ انھیں سنت کے مطابق سونا آسان ہوجائے تاکہ ہم سب کو پوری رات سونے کے باوجود عبادت کرنے کا ثواب میسر ہو، اللہ کرے ایسا ہی ہو۔☆☆☆

مجلس علمی کوکن -------ایک تعارف

''مجلس علمی کوکن'' خطۂ کوکن کی عصری درسگاہوں میں دینی، تعلیمی، سماجی، فلاحی اور ثقافتی امور کو انجام دینے والا ایک فعال اور متحرک ادارہ ہے، جس کا قیام جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کی سرپرستی میں انتہائی نیک مقاصد کے تحت عمل میں آیا ہے، جس کے سرپرست اعلی بقیۃ السلف فخر کوکن حضرت مولانا شوکت علی نظیر صاحب اور حضرت مولانا عبدالسلام قاضی تلیائی صاحب ہیں، تنظیمی امور پر دسترس پانے کے لئے ایک فعال منتظمہ پورے خطہ کی نمائندگی کے اعتبار سے تشکیل دی گئی ہے اور تعلیمی امور کی نگرانی کے لئے ضلعی سطح پر نظماء کا تقرر عمل میں آیا ہے، ہائی اسکولس و کالجس میں اسلامیات و ایمانیات کی ترویج وطلبہ وطالبات کی دینی تربیت کے لئے عالم، فاضل، مفتی، معلمین و معلمات کا نظم کیا گیا ہے، ان تمام کی فکروں اور جد وجہد کی بناء پر یہ ادارہ تین سالہ مختصر سی مدت میں کامیابی کی طرف بہت تیزی سے قدم بڑھا رہا ہے اور فی الحال تیرہ ہزار طلبہ ان علماء کرام کی زیر تربیت رہ کر اپنے دینی تشخص کو قائم رکھنے میں کامیاب ہیں، مجلس کی سرپرستی میں ان کے مابین ششماہی اور سالانہ امتحانات بھی منعقد ہوتے ہیں، اسی طرح سیرت رسول، تاریخ خلفائے راشدین، سیرت امہات المؤمنین اور سلف صالحین کی پاکیزہ زندگی سے طلبہ کو واقف کرانے کے لئے علاقائی اور کل کوکن سطح پر کوئز مسابقات منعقد کرائے جاتے ہیں، جن کے بہتر نتائج سامنے آرہے ہیں اور مجلس کے اس اقدام کو کوکن اور کوکن کے باہر خواص اور عوام میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے، گویا مجلس علمی کوکن نے عصری درسگاہوں کے طلبہ کی تعلیم و تربیت کو ایک مثبت اور بہتر رخ عطا کیا ہے، خوشی کی بات یہ ہے کہ مجلس علمی کوکن کو ''وفاق المدارس کوکن'' میں شامل تمام مدارس دینیہ کی تائید اور ''انجمن درمندان تعلیم وترقی'' کا مکمل تعاون حاصل ہے اور کوکن کے ارباب حل وعقد اور احباب خیر کی توثیق حاصل ہے۔